

ترمیم و اضافہ شدہ

اُردو قواعد و انشا

برائے

جماعتِ نہم، دہام



پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹکسٹ بک بورڈ، لاہور حفظ ہیں۔
اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اور وہ ہی اسے ٹیکسٹ پیپرز، گائیڈ بکس،
خلاصہ جات، نوٹس یا مادا دی ٹتب کی تیاری میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مصنفوں

- ✿ ڈاکٹر مس عارف سیدہ زہرا اصغر علی شخ
- ✿ پروفیسر سید وقار عظیم ڈاکٹر سہیل بخاری
- ✿ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل مرزا ہادی علی یگ
- ✿ مدیر ان
- ✿ پروفیسر سید وقار عظیم نصیر احمد بھٹی
- ✿ نظر ثانی

ڈاکٹر علی محمد خال

پروفیسر آف اردو (ریٹائرڈ ایف سی کانچ یونیورسٹی، لاہور)
کنسٹنٹ اردو، پنجاب کریکولم اینڈ ٹکسٹ بک بورڈ، لاہور
نگران

✿ ڈاکٹر جبیل الرحمن (سینئر ماہر مضمون اردو) ڈاکٹر جبیل الرحمن (سینئر ماہر مضمون اردو)
ظہیر کاشروٹو (ماہر مضمون اردو) پنجاب کریکولم اینڈ ٹکسٹ بک بورڈ، لاہور

سینئر آرٹسٹ / ڈپٹی ڈائریکٹر گرافس:

✿ محترمہ فریدہ صادق ڈاکٹر مسودات
محترمہ انجمن واصف کمپوزنگ
لے آؤٹ اینڈ ڈیزائنگ محمد جمیل کنیرا
کامران افضل

تحریکی ایڈیشن

طبع:

ناشر:

پیش لفظ

لفظ بولا ہوا ہو یا لکھا ہوا، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم و فن کی ترسیل کا سب سے موثر و سیلہ لفظ ہی رہا ہے اور لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کافن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کافن ایجاد ہو گیا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقہ اثر میں اور بھی اضافہ ہوا۔ کتاب لفظوں کا ذخیرہ اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ ہے۔ زندہ قومیں شعوری یا لاشعوری طور پر اپنی زبان کی حفاظت اور اسے نکھارنے سنوارنے کے عمل کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھتی ہیں۔ زبان کے اصول و قواعد کا مطالعہ باوقار قوموں کی حیاتِ جاوداں کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کامیاب زندگی گزارنے کے لیے قاعدے قانون پر عمل پیرا رہنے کا۔ یہ امر نہ سرف وقت کی ضرورت ہے بلکہ زبان کے حق میں بھی نیک فال بھی ہے۔

اصولِ فطرت ہے کہ دس سے پندرہ سال کی عمر کا دورانیہ ایسا ہی یہ جان خیز دور ہے جب بچے میں زبان سکھنے اور زبان کو اپنے اندر سموں کی صلاحیت سب سے زیادہ ہوتی ہے اور زبان سکھنے سے دماغ کا جنم بھی بڑھتا ہے بشرطیکہ اس عمر کے بچے کو سکھنے سکھانے کا مناسب ماحول میسر آجائے، جس کے لیے قواعد و انشا کی کسی ایسی کتاب کا ہونا لازمی امر ہے جہاں سے بچے کو بنیادی طور پر وہ تمام مoad حاصل ہو جائے جسے آگے چل کر اسے عملی زندگی میں برنا ہے۔

اس اساتذہ کرام سے یہ امر مخفی نہیں کہ ہمارے یہاں قواعد و انشا کے نصاب میں آئے دن کتر بیونت ہوتی رہتی ہے۔ ہم نے اس بات کی پرواکیے بغیر اس امر کو ضروری سمجھا ہے کہ قواعد و انشا کے بنیادی اصول و ضوابط پر عبور حاصل کیے بغیر زبان دانی کی فہم مکمل نہیں ہوتی، اس لیے ہم نے اس کتاب میں قواعد و انشا کی تمام مبادیات کو شامل رکھا ہے البتہ ان میں وقت کے تقاضوں کے پیشِ نظر کچھ چیزوں میں کتر بیونت اور کچھ چیزوں کا اضافہ کیا ہے مثلاً: منقوط، غیر منقوط اور بھاری حروف، حروفِ مشی اور قمری، افعالِ معاون، رموزِ اوقاف، روزِ مژہ اور محاورات اور ضربِ الامثال اور نئے مضامین مثلاً: شجر کاری کی اہمیت و افادیت، ٹیکنیکل ایجوکیشن، انفارمیشن ٹیکنالوجی، ڈینگی بخار، فوگ اور سموگ: اسباب، اثرات و تدارک، تعلیمِ نسوان اور ملکی ترقی، لاسبریری، اسلام میں گداگری کی مذمت، سیالاب، سیر و سیاحت: تعلیم بھی تفریح بھی، زندگی کی تباہ کاریاں اور تمباکو نوشی کے نقصانات وغیرہ۔ امید ہے ہماری اس کاوش کو معزز اساتذہ کرام، طلبہ، والدین اور علمی حلقات سرا ہیں گے۔

ادارہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللّٰهُ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان ہمیشہ حکم فرمانے والا ہے۔

حسن ترتیب

صغیر نمبر	مندرجات	صغیر نمبر	مندرجات
انشاد پردازی		قواعد زبان	
71	خطوط نویسی	● 1	لطف، جملہ، کلمہ اور مہمل
71	خط لکھنے کے لیے ضروری باتیں	● 2	مرکب اور ہم رتبہ جملے
72	خط کے حصے، القاب و آداب	● 2	کلمے کی قسمیں
73	نمونے کے چند خطوط	● 3	منقوط، غیر منقوط اور بھاری حروف
80	عراض نویسی	● 3	حروف سنسی و قمری
80	عراض نویسی کے لیے ہدایات	● 4	اسم کی قسمیں (بلجاظ معنی)
80	نمونے کی چند رخواتیں	● 4	اسم معرفہ، اسم معرفہ کی اقسام
82	رسید لکھنا	● 6	اسم نکرہ، اسم نکرہ کی اقسام
83	رسید لکھنے کے لوازمات	● 7	اسم کی قسمیں (بلجاظ ساخت)
83	نمونے کی چند رسیدات	● 12	جنس اور عدد
86	مکالمہ نگاری	● 20	فعل، فعل کی اقسام
86	نمونے کے چند مکالمے	● 25	افعال معاون
92	کہانی لکھنا، چند ضروری باتیں	● 26	حروف، حروف کی اقسام
93	نمونے کی چند کہانیاں	● 28	متراffد اور متصاد الفاظ
102	خاکے کی مدد سے کہانیاں لکھنا	● 32	ذو معنی اور باہم مماثل الفاظ
104	مضمون نگاری	● 33	رموزِ اوقاف
104	مضامین کی اقسام	● 35	سابقے اور لاحقے
105	چند مضامین	● 40	مرکبات، مرکبات کی اقسام
145	مضامین کے لیے دیگر عنوانات	● 43	”نے“ اور ”کو“ کا استعمال
146	تفہیم عبارت، ضروری باتیں	● 46	تلافظ
147	چند عبارات، سوالات اور جوابات	● 52	روزمرہ اور محاورہ، ضرب الامثال
153	مشق کے لیے عبارات	● 62	علم بیان، صنائع بدائع

قواعد زبان

ہرزبان کے کچھ اصول اور ضابطے ہوتے ہیں، جن کے پیش نظر اس زبان کو صحیح طور پر سیکھا، سمجھا اور بولا جاتا ہے۔ اردو زبان کے بھی کچھ اصول اور ضابطے ہیں جنہیں قواعد یا گرامر کہا جاتا ہے۔ ان پر عبور حاصل کرنے سے ہم اردو زبان کو ٹھیک ٹھاک بول اور سمجھ سکتے ہیں۔ قواعد کے دو حصے ہوتے ہیں: (۱) صرف (۲) نحو

قواعد کا وہ حصہ جس میں مفرد الفاظ و حروف سے بحث کی جاتی ہے یعنی یہ لفظ واحد ہے یا جمع، مذکور ہے یا ممنون، فعل ہے یا حرفا، صرف کہلاتا ہے۔ اس حصے میں صرف حروف وال الفاظ و کلمات ہی موضوع بحث ہوتے ہیں۔ قواعد کا وہ حصہ جس میں مرکب جملوں اور عبارتوں سے بحث کی جاتی ہے، نحو کہلاتا ہے مگر کہتے ہیں کہ:

”صرف آتی ہے نہ بے عقل کوئی آتی ہے“

لفظ

سادہ آواز کو حرف کہا جاتا ہے۔ اردو میں بیشمول الف مددودہ اور ہمزہ حروف تجھی کی تعداد اڑتیں ہے۔ ان میں سے سترہ حروف منقوط اور اکیس حروف غیر منقوط ہیں۔ علاوہ ازیں کچھ مطلوب حروف ہیں جنہیں دوچشمی ”ہ“، یا بھاری حروف بھی کہا جاتا ہے، ان کی تعداد پندرہ ہے۔ وہ مرکب آواز جو کچھ سادہ آوازوں سے مل کر بنتی ہے، اسے لفظ کہتے ہیں مثلاً: ”عُلم“، ایک لفظ ہے جو تین حروف (ع، ل، م) سے مل کر بنتا ہے۔ اسی طرح ”کھات“ ایک لفظ ہے جو تین حروف (ک،ھ، ا، ت) سے مل کر بنتا ہے۔ جب چند الفاظ ایک خاص ترتیب سے جوڑ دیے جائیں تو وہ جملہ بن جاتا ہے۔

جملہ

الفاظ کے ایسے مجموعے کو جس کا مفہوم واضح طور پر سمجھ میں آجائے، جملہ کہتے ہیں۔ مثلاً: آج موسم بڑا خوش گوار ہے۔ علم بڑی دولت ہے۔ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے، وغیرہ۔ جملے کو فقرہ بھی کہتے ہیں۔

کلمہ اور مہمل

الفاظ دو طرح کے ہوتے ہیں: بامعنی اور بے معنی۔ بامعنی لفظ کو کلمہ اور بے معنی لفظ کو مہمل کہتے ہیں۔ مثلاً پانی وانی، روٹی ووٹی، چائے وائے، سچ سچ، غلط سلط، بات چیت میں، بالترتیب پانی، روٹی، چائے، سچ، غلط، بات کو کلمہ اور وانی، ووٹی، وائے، سچ، سلط، چیت کو مہمل کہیں گے۔ یاد رہے کہ اگر مہمل پہلے سے زبان زد عالم نہیں تو عام طور پر اردو میں مہمل واو سے بناتے ہیں۔ جیسے: میزوین، کرسی ورسی، کھانا، وانا وغیرہ۔

مرکب اور ہم رتبہ جملے

جب دو یادو سے زیادہ جملے کر کسی ایک مفہوم یا خیال کو ادا کریں تو وہ مرکب جملہ کہلاتے گا۔ اگر یہ جملے خوبی اعتبار سے جدا گانہ اور پر ابر کی حیثیت رکھتے ہوں تو ایسے جملوں کو ”ہم رتبہ“ جملے کہیں گے۔ ہم رتبہ جملے حروفِ عطف کے ذریعے باہم ملے ہوتے ہیں۔ اردو میں ان کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں:

(۱) صلی جملے

(۲) تردیدی جملے

(۳) استدرائی جملے

(۴) سنتی جملے

ذیل میں بالترتیب ہر ایک کی دو دو مثالیں درج کی جاتی ہیں:

صلی جملے:

- میں آیا اور وہ چلا گیا۔
- سورج صح کونکتا اور شام کو غروب ہو جاتا ہے۔

تردیدی جملے:

- اسے گھر بھیج دو یا باہر نکال دو۔
- حاکم ہمدرد ہونا چاہیے، ورنہ رعایا بتاہ ہو جائے گی۔

استدرائی جملے:

- وہ وعدے تو بہت کرتا ہے لیکن یا نہیں رکھتا۔
- ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں، سو وہ بھی نہ ہوا۔

سنتی جملے:

- میں ان کا ساتھ دوں گا کیوں کہ مصیبت کے وقت انہوں نے میرا ساتھ دیا تھا۔
- وہ بہت شریر اور نا اہل ہے، اس لیے میں اسے منہنیں لگانا۔

کلمہ کی قسمیں (۱) اسم (۲) فعل (۳) حرفا

اسم: وہ کلمہ ہے جو کسی شخص کی جگہ، چیز یا کیفیت کا نام ہو جیسے: محمود۔ لا ہور۔ پکھایا نام کی جگہ استعمال ہو مثلاً وہ۔ وہاں۔ اسم کا زمانے سے تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہی یا اپنے معنی کے لیے دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔

فعل: وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی کے اعتبار سے مستقل ہو، جو کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا، ہونا یا نہ ہونا بتائے اور جس میں تین زمانوں یعنی ماضی، حال اور مستقبل میں سے کوئی ایک زمانہ پایا جائے جیسے: آیا۔ جاتا تھا۔ لکھے گا۔

حرف: وہ کلمہ جو اکیلا تو کچھ معنی نہ دے لیکن دوسرے کلمات کے ساتھ مل کر معنی دے اور ان میں تعلق بھی پیدا کرے۔ وہ اپنے معنی کے اظہار کے لیے دوسرے کلمات کا محتاج ہوتا ہے۔ جیسے: میں گھر سے مسجد تک گیا۔ اس میں ”سے“ اور ”تک“ دو حرف ہیں۔

منقوط، غیر منقوط اور بھاری حروف تجھی

اردو زبان میں ہندی، عربی، فارسی، انگریزی اور دیگر مقامی زبانوں کے علاوہ بھی کئی زبانوں کے الفاظ بھی شامل اور اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ جب تک شخص نہ کیا جائے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کون سالفظ کس زبان کا ہے۔

اس خاصیت نے اردو کو مقبول اور دل پذیر زبان بنادیا ہے اور ہر غیر زبان بولنے والے کو اردو میں اپنا سیت کی خوبیوں آتی ہے اور اگر وہ اردو زبان سیکھنا چاہے تو اردو بول چال میں جلد ہی قدرت حاصل کر لیتا ہے۔

دنیا کی تمام اہم زبانوں میں حروف ابجد و طرح کے ہیں: کچھ منقوط اور کچھ غیر منقوط۔ انگلش کے چھیس بڑے حروف (Capital Letters) میں اور چھیس ہی چھوٹے حروف (Small Letters) میں سے کسی پر نظر نہیں آتا جب کہ چھوٹے حروف میں سے فقط دو حروف (ل، ا) ایسے ہیں جن پر نظر ہیں مگر ہندی، عربی اور فارسی میں منقوط حروف بہت زیادہ ہیں۔ اردو کی یہ خاصیت ہے، جو مقبولیت کا بھی بڑا سبب ہے کہ اس میں متذکرہ تمام زبانوں کے حروف شامل ہیں۔ اردو میں بیشمول الف محدودہ اور ہمزہ کل مفرد حروف کی تعداد اڑتیس ہے۔ جن میں سے سترہ منقوط اور اکیس غیر منقوط ہیں جب کہ پندرہ بھاری حروف ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

منقوط حروف : ب، پ، ت، ث، ج، چ، خ، ذ، ش، ض، ظ، غ، ف، ق، ن (۲۱)

غیر منقوط حروف : ا، آ، ٹ، ح، د، ڈ، ر، ڑ، س، ص، ط، ع، ک، گ، ل، م، و، ہ، ے، ی، س (۲۱)

بھاری حروف : بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، رھ، ڙھ، کھ، لھ، مھ، نھ (۱۵)

اس طرح بیشمول منقوط، غیر منقوط اور بھاری حروف، حروف تجھی کی کل تعداد ۵۳ ہے اور وہ درج ذیل ہیں:

ا، آ، ب، بھ، پ، پھ، ت، تھ، ٹ، ٹھ، ش، ن، ج، چ، چھ، خ، ڙ، ڙھ، د، ڈ، ڈھ، ذ، ر، رھ، ڙ، ڙھ، ز، ڙ، س، ش، ض، ص، ط، ظ، ع، غ، ف، ق، ک،

کھ، گ، گھ، ل، لھ، م، مھ، ن، نھ، و، ہ، ے، ی، س (۵۳)



حروف سنسی و قمری

عربی زبان کی، جو ایک فصحی و بلعی زبان ہے، ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بعض لفظوں میں امتیاز کرنے کے لیے الام لگا دیتے ہیں مگر کچھ حروف ایسے ہیں کہ اگر ان سے پہلے الام آتا تو ہے مگر تنفظ میں ظاہر نہیں کیا جاتا۔ جن حروف کے شروع میں الام لام نہیں پڑھا جاتا، انھیں حروف سنسی کہتے ہیں۔ یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ جب ”الشمس“ میں پہلے الام لگایا جاتا ہے، تو الام کی آواز ظاہر نہیں کی جاتی۔ جن حروف میں الام کی آواز تنفظ میں ظاہر کی جاتی ہے، انھیں حروف قمری کہتے ہیں۔ کیوں کہ ”القمر“ پر جب

الف لام لگائیں گے تو لام کی آواز ظاہر کی جائے گی۔

یہ اصول صرف عربی زبان کے الفاظ کے ساتھ مختص ہے۔ مگر چون کہ اردو میں ایسے ان گنت عربی الفاظ آتے ہیں لہذا اس کی تصریح ضروری ہے۔ مثلاً: ہارون الرشید، جبل الطارق اور ذوالثورین میں ر، ط اور ن سے پہلے الف لام لکھا تو ضرور جائے گا مگر پڑھا نہیں جائے گا۔ چنانچہ بشمول ان تین حروف کے حروفِ مشتمی درج ذیل ہیں:

ت، ث، د، ر، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن = تعداد (۱۲)

حروف قمری: عبدالجلیل، نور العین اور بیت المال میں ح، ع اور م سے پہلے الف لام لکھا جائے گا اور پڑھا بھی جائے گا۔ اس طرح بشمول ان تین حروف کے حروف قمری مندرجہ ذیل ہیں:

ا، ب، ج، ح، خ، ع، غ، ف، ق، ک، م، و، ه، ی = تعداد (۱۳)

اسم کی معنی کے لحاظ سے قسمیں

(۱) اسم معرفہ (۲) اسم نکره

اسم معرفہ

وہ اسم ہے جو کسی خاص چیز، شخص یا جگہ کے خاص نام کو ظاہر کرے۔ جیسے: کوہ ہمالیہ، بانگلہ، لاہور، محمود، اسم معرفہ کو ”اسم خاص“ بھی کہتے ہیں۔

اسم معرفہ کی قسمیں

(۱) اسم علم (۲) اسم ضمیر (۳) اسم اشارہ (۴) اسم موصول

اسم علم

وہ اسم ہے جو کسی شخص کے خاص نام کو ظاہر کرے جیسے: شاعر مشرق، غالب، مٹھو، ابن قاسم، شمس العلماء

اسم علم کی قسمیں: (i) خطاب (ii) لقب (iii) تخلص (iv) کنیت (v) غرف

● **خطاب:** وہ اعزازی نام ہے جو کسی زمانے میں کسی شخص کو اس کی علمی و ادبی و قومی خدمات یا کارہائے نمایاں کے اعتراف کے طور پر حکومت کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ جیسے شمس العلماء، خان بہادر، سر، رستم زماں وغیرہ۔ فی زمانہ پاکستان میں خطاب کے بجائے اعزاز دیا جاتا ہے۔ پاکستان کے سول اور ملٹری اعزازات مندرجہ ذیل ہیں:

ستارہ امتیاز، تمنۂ حسن کارکردگی، تمغاۓ بسالت، تمغاۓ پاکستان، اعزازِ فضیلت، نشان حیدر، ہلال جرأۃ، ستارۂ جرأۃ، ستارۂ امتیاز وغیرہ۔

● **تخلص:** وہ مختصر سا نام ہے جو شاعر یا دیوبنی اپنے کلام میں اصل نام کے بجائے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے: ذوق، غالب، حالی، حسرت، اقبال، فیض وغیرہ۔

● لقب: وہ صفتی نام ہے جو کسی خاص خوبی یا خاص وصف کی وجہ سے قوم کی طرف سے دیا جائے اور مشہور ہو جائے جیسے:

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا، نہ فرینہ تجھ میں خلیل کا

میں ہلاک جادوئے سامری، تو قتیل شیوہ آری

اس شعر میں کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب ہے۔ اسی طرح امین، صادق، علامہ، قائدِ اعظم، مادرِ ملت، شہیدِ ملت، شاعر، مزدور، بابائے اردو وغیرہ بھی القابات ہیں۔

● عرف: وہ نام ہے جو محبت یا حفارت یا پھر بلا وجہ مشہور ہو جائے، جسے کلو، کلیان، اچھا، فخر، گاما، بیلا، گوگا، شرف وغیرہ۔

● کنیت: وہ نام ہے جو باپ، ماں، بیٹی، بیٹی یا کسی اور تعلق کی وجہ سے پکارا جائے۔ عربِ ممالک میں اس کا بہت جلن ہے۔ جیسے:

ابن مریم ہوا کرے کوئی

میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

اس شعر میں ابن مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کنیت ہے اسی طرح ابو القاسم، ابن خطاب، ابوثرا، ابوالکلام، فاطمہ بنت عبداللہ، خالد بن ولید، محمد بن قاسم بھی کنیت ہیں۔ اردو میں اس کے بجائے منے کے بات، زین کی اتنی وغیرہ بولتے ہیں۔ بعض اوقات کنیت کسی معنوی رشتے کی بنا پر بھی کسی شخص کے لیے مخصوص ہو جاتی ہے۔ جیسے: ابوثرا، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ابوالاثر حفیظ الجندھری، ابوالکلام آزاد وغیرہ۔

اسم ضمیر

وہ اسم ہے جو کسی دوسرے اسم کی جگہ استعمال کیا جائے کیوں کہ تحریر و تقریر میں ایک نام کا بار بار لانا معیوب سمجھا جاتا ہے مثلاً وہ، تو، تم وغیرہ، جیسے: ندیم آیا اس نے سبق پڑھایا اور وہ چلا گیا۔ اس میں ”اس“ اور ”وہ“ دونوں ضمیریں ہیں جوندیم کی جگہ استعمال ہوئی ہیں۔ ضمیر جس کی جگہ استعمال ہوتی ہے اسے ”مرجع“ کہتے ہیں۔

اسم ضمیر کی قسمیں: (۱) ضمیر فاعلی (۲) ضمیر مفعولی (۳) ضمیر اضافی

ضمیر فاعلی: وہ ضمیر ہے جو کسی فعل کا فاعل رہی ہو۔ وہ یہ ہیں:

متکلم	حاضر		غائب	
جمع متکلم	واحد متکلم	جمع حاضر	واحد حاضر	جمع غائب
ہم	میں	تم	تو	انھوں
				وہ۔ اس

ضمیر مفعولی: وہ ضمیر جو مفعول کی جگہ استعمال ہوتی ہے۔ وہ یہ ہیں:

متکلم	حاضر		غائب	
جمع متکلم	واحد متکلم	جمع حاضر	واحد حاضر	جمع غائب
ہمیں	مجھے	تمھیں	تجھے	انھیں
				اسے

ضمیر اضافی: وہ ضمیر ہے جو مضاف الیہ بن کر استعمال ہو۔ وہ یہ ہیں:

متکلم	حاضر	غائب
جمع متکلم	واحد حاضر	جمع غائب
ہمارا/ ہماری	تھمارا/ تھماری	ان کا

اسم اشارہ

وہ لفظ جو اشارہ کرنے کے لیے مقرر ہوں۔ اشارے دو طرح کے ہو سکتے ہیں یعنی قریب اور دور جیسے: وہ۔ یہ۔

”وہ“ دور کی چیز کے لیے اور ”یہ“ نزدیک کی چیز کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جس چیز کی طرف اشارہ کیا جائے اسے مشار“ الیہ کہتے ہیں۔ جیسے: وہ لڑکا، یہ کتاب، یہاں ”وہ“ اور ”یہ“ اسم اشارہ ہیں۔ لڑکا اور کتاب مشار“ الیہ۔

اسم موصول

وہ اسم ہے جس کی جملے کے ساتھ لگائے بغیر اس کے معنی بھی میں نہ آئیں وہ یہ ہیں: جو کوئی۔ جس، جسے، جنہوں، جنہیں، جو کچھ، جو چیز قواعد میں اسے ضمیر موصولہ یا اسم موصولہ بھی کہتے ہیں۔



اسم نکرہ

وہ اسم ہے جو کسی عام چیز، شخص، یا جگہ کے عام نام کو ظاہر کرے جیسے: پہاڑ، کتاب، شہر، آدمی۔ اسم نکرہ کو ”اسم عام“ بھی کہتے ہیں۔

اسم نکرہ کی قسمیں

(۱) اسم آله (۲) اسم صوت (۳) اسم مصغّر (۴) اسم ظرف

اسم آله: وہ اسم نکرہ ہے جو کسی اوزار یا تھیمار کو ظاہر کرے جیسے: چاقو، قینچی، چھری، تلوار، بندوں، عربی اور فارسی کے اہم آله بھی اردو میں استعمال ہوتے ہیں جیسے: مقیاس الحمارت (تھرمائیٹر) مسوک۔ مقراض (قینچی) مسٹر (فت روپ، پیانہ) قلم تراش (چاقو) وغیرہ۔

اسم صوت: وہ اسم نکرہ ہے جو کسی آواز کو ظاہر کرے جیسے: سائیں سائیں (ہوا کی آواز) کائیں کائیں (کوئے کی آواز) چھم چھم (بارش کی آواز) گُنگُون (کبوتر کی آواز) ٹلن ٹلن (گھنٹے کی آواز) گُو گُو (کوئل کی آواز)

اسم مصغّر: وہ اسم نکرہ ہے جو کسی چیز کا چھوٹا پن ظاہر کرے جیسے: دیکھی، باغیچہ، غالیچہ (چھوٹا قالین) پیالی، بچو گڑڑا، ڈبیا، ڈھوک، مردوا، پگڑی، ہمھڑا، اسم مصغّر بنانے کے لیے لفظ کے آخر میں کی، یا، ڈا، ڈی، چی، چ، ک کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

اسم بکتر: وہ اسم نکرہ ہے جو کسی چیز کا بڑا پن ظاہر کرے جیسے: شہنشاہ، شاہتوت، شہتیر، شاہ رگ، شاہ سوار، شہزاد، شہ پر (بڑا پر)، شاہ کار، مہاراج، گھٹر، بیٹھر، بگڑ، چھتر۔ اسم بکتر بنانے کے لیے ”ی“ کی جگہ الف کا اضافہ کرتے ہیں جیسے: بکڑی سے مکڑا۔ بعض اوقات مہا کا بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ جیسے: مہاراجا، مہا کار، مہا گرو وغیرہ۔

اسم ظرف: وہ اسم نکرہ ہے جس سے کوئی بگد یا وقت ظاہر ہو جیسے: دفتر، سکول، کارخانہ، صبح، شام، آج، کل۔

اسم ظرف کی قسمیں: (۱) اسم ظرف مکان (۲) اسم ظرف زمان

اسم ظرف مکان: وہ اسم نکرہ جو کسی جگہ کو ظاہر کرے جیسے: مسجد، مدرسہ، گھر، اسٹیشن، بڑی منڈی، کانِ نمک، شفاغانہ، عیدگاہ، کتب خانہ، تارگھر، ڈاک خانہ، دارالحکومت، شکارگاہ، مے خانہ، منزل۔

اسم ظرف زمان: وہ اسم نکرہ جو کسی وقت کو ظاہر کرے جیسے: صبح، شام، دوپہر، رات، دن، سال، مہینا، ہفتہ، منٹ، سینٹ، آج، کل، صدی۔



اسم کی ساخت کے اعتبار سے قسمیں

(۱) اسم جامد (۲) اسم مصدر (۳) اسم مشتق

اسم جامد: وہ اسم ہے جو نہ تو خود کسی اسم سے بنا ہو اور نہ اس سے کوئی دوسرا اسم بنے جیسے: اینٹ، پتھر، درخت، چٹان، پہاڑ، وادی، چٹائی، میز، کرسی، دیوار، چھت وغیرہ۔

اسم مصدر: وہ اسم ہے جو خود تو کسی لفظ سے نہ بنے لیکن اس سے بہت سے اسم اور فعل بنیں جیسے: اچھانا، کو دنا، آنا، جانا، لکھنا، پڑھنا وغیرہ۔ اُردو زبان میں ”نا“ مصدر کی علامت ہے لیکن کچھ الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے آخر میں ”نا“ آتا ہے لیکن وہ مصدر نہیں ہوتے۔ جیسے: گنا، کانا، نانا، پرانا، کچھونا (بستر)، چونا، تانا، بانا، سونا (دھات) سونا (ویران) گھرنا، یہ مصدر نہیں ہیں۔

اسم مصدر کی قسمیں: (۱) مصدر مفرد (۲) مصدر مركب (۳) مصدر لازم (۴) مصدر متعدد

源源: وہ اسم جو شروع ہی سے مصدر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے: آنا، جانا، لکھنا، پڑھنا، سنبھالنا وغیرہ

مصدر مرکب: وہ اسم ہے جو کسی مصدر کے شروع میں کوئی لفظ لگا کر دوسرا مصدر بنالیتے ہیں اسے مصدر مرکب کہتے ہیں جیسے بہک جانا، بھٹک جانا، لکھ پڑھنا، قصیدہ لکھنا، سچ کہنا، جھوٹ بولنا وغیرہ۔

مصدر لازم: وہ جو صرف فاعل کو چاہے فعل لازم کہلاتا ہے۔ چنانچہ جس مصدر سے فعل لازم بنے گا، وہ مصدر بھی لازم ہو گا جیسے: آنا، جانا، چلنا، دوڑنا، ہنسنا، رونا، بھاگنا، سونا، جا گنا، اچھانا کو دنا وغیرہ سب مصدر لازم ہیں۔

مصدر متعدد: وہ مصدر ہے جس سے متعدد افعال بنتے ہیں اور متعدد فعل وہ ہے جو فاعل کے علاوہ مفعول کو بھی چاہے۔ جن مصادر سے یہ متعدد افعال بنیں گے وہ مصدر متعدد ہوں گے جیسے لکھنا، پڑھنا، کھانا، پینا، بیٹھنا، دوڑنا، لانا، بھگانا، اچھالنا، دیکھنا وغیرہ سب متعدد مصادر ہیں۔

نوث: یہ یاد رہے کہ مصدر لازم کو مصدر متعدد بنالیتے ہیں جس کے مندرجہ ذیل طریقے ہیں:

۱۔ مصدر لازم کی ”نا“ سے پہلے ”الف“ لگادینے سے مصدر متعدد بن جاتا ہے جیسے: چلنا مصدر لازم سے چلانا مصدر متعدد اور ہنسنا مصدر لازم سے ”ہنسنا“ مصدر متعدد بن جائے گا۔

۲۔ مصدر لازم کے دوسرے حرف کے بعد ”الف“ لگا دینے سے مصدر متعدد بن جاتا ہے جیسے: اچھانا

سے ”اچھالنا“، مصدر متعدد بن جائے گا۔

ن۔ مصدر لازم کے دوسرے حرف کے بعد ”ئی“، لگادینے سے مصدر متعدد بن جاتا ہے جیسے: سمٹنا سے ”سمٹنا“، سکرنا سے ”سکرنا“،

اسم مشتق: وہ اسم ہے جو خود توصیر سے بنے لیکن اس سے پھر کوئی لفظ نہ بنے جیسے: لکھنا سے لکھنے والا، لکھنے والی، لکھا ہوا، لکھتا ہوا الفاظ بنتے ہیں لیکن آگے ان سے کوئی لفظ نہیں بنتا۔

اسم مشتق کی قسمیں: (۱) اسم فاعل (۲) اسم مفعول (۳) اسم حالیہ (۴) اسم حاصل مصدر اسم فاعل: وہ اسم مشتق ہے جو کسی فعل کو ظاہر کرے جیسے: وسیم لکھنے والا۔ مقیم پڑھنے والا۔ ان میں وسیم کو لکھنے والا اور مقیم کو پڑھنے والا کہ کر دونوں کا فعل ہونا ظاہر کیا گیا ہے، اس لیے لکھنے والا اور پڑھنے والا اسم فعل کہلاتے ہیں۔

اسم فاعل کی قسمیں: (۱) اسم فاعل قیاسی (۲) اسم فاعل سماعی
اسم فاعل قیاسی: وہ اسم ہے جو قاعدے کے مطابق مصدر سے بنایا جائے جیسے: لکھنے والا، پڑھنے والا
اسم فاعل قیاسی بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے ”الف“ ہٹا کر مذکور کے لیے ”ے والا“ اور مؤنث کے لیے ”ے والی“ لگادینے سے اسم فعل بن جاتا ہے جیسے: پڑھنا سے پڑھنے والا اور پڑھنے والی، لکھنا سے لکھنے والا اور لکھنے والی۔

اسم فاعل سماعی: وہ اسم فعل ہے جو کسی خاص قاعدے سے نہ بنایا بلکہ اہل زبان سے سننے میں آیا ہو مثلاً: لکھا ہارا، ترکھان، بڑھی، سنار، لوہار، طبیب، تیراک، پچماری، کھلاڑی، گویا، حلوانی، موچی، جلاہا، بھکاری، بھٹیارا، سپیرا، گھسیرا، کسان، جیب کتراء، ڈاکیا، لٹیرا، ڈاکو، چور، اپکا، جواری وغیرہ۔

اسم فاعل سماعی بنانے کا طریقہ: اس اسم فعل کے بنانے کا کوئی خاص طریقہ نہیں بلکہ اہل زبان سے مختلف علماتوں کے لگانے سے اسم فعل بنایا جانا منقول ہے۔ جیسے: ٹھٹھیرا، لکھا ہارا، رکھوا، حلوانی، دھوپی، موچی، جوہری، سنار، پچماری، بھکاری، بھٹیارا، سپیرا، گھسیرا، ڈاکو، جیب کتراء، چور، ڈاکیا، کھلاڑی، گویا۔

فارسی کے بعض اسم فعل بھی اردو میں مستعمل ہیں مثلاً: راہ بر، راہ نما، سرمایہ دار، کتب فروش، خیرخواہ، باغ بان، تو پیچی، طلب گار، باشدہ، دانش ور، جادوگر، جفت ساز، خدمت گار، پرہیز گار وغیرہ۔ اس کے علاوہ عربی کے بعض اسم فعل بھی اردو میں بکثرت استعمال کیے جاتے ہیں جیسے: خادم، حاکم، شاعر، کاتب، عادل، عاپد، ساجد، رازِ ق، خالق، قابل، معالج، مقابل، مفاجر، مفاسد، ملازِم، محاذیظ، مجید، مسافر، مونس، محسن، موجود، مُشفق - مُنصِف، منکر، محبّ، مصوّر، محقق، مبلغ، مرتب، مصیف، معلم، متنکر، متكلّم، متحمل، متفکر، متوكّل وغیرہ۔

اسم فعل اور فعل میں فرق

- ۱۔ اسم فعل بنایا جاتا ہے لیکن فعل بنایا نہیں جاتا بلکہ اس سے تو صرف فعل واقع ہوتا ہے۔
- ۲۔ اسم فعل وہ ہے جو فعل کو ظاہر کرے جب کہ فعل کام کرنے والے کو کہتے ہیں۔
- ۳۔ اسم فعل کو فعل کی جگہ استعمال کر سکتے ہیں لیکن فعل کبھی اسم فعل کی جگہ استعمال نہیں ہو سکتا جیسے: لکھنے والے نے خط لکھا۔

یہاں لکھنے والا اگرچہ اسمِ فعل ہے لیکن فعل بنتا ہوا ہے۔

اسمِ مفعول:

وہ اسمِ مشتق ہے جو کسی کا مفعول ہونا ظاہر کرے جیسے: لکھا ہوا خط، پڑھی ہوئی کتاب، ان جملوں میں لکھا ہوا اور پڑھی ہوئی اسمِ مفعول ہیں کیوں کہ یہ دونوں خط اور کتاب کا مفعول ہونا ظاہر کر رہے ہیں۔

اسمِ مفعول کی قسمیں: (۱) اسمِ مفعول قیاسی (۲) اسمِ مفعول سماعی

اسمِ مفعول قیاسی: وہ اسمِ مشتق ہے جو قاعدے کے مطابق مصدر سے بنایا جائے۔

۱۔ اسمِ مفعول قیاسی بنانے کا طریقہ: جس مصدر سے اسمِ مفعول بنانا ہواں کی ماضی مطلق کے آخر میں ہوا لگادینے سے اسمِ مفعول بن جاتا ہے جیسے: لکھنا سے لکھا ہوا اور لکھی ہوئی۔ پڑھنا سے پڑھا ہوا اور پڑھی ہوئی اسمِ مفعول بن گئے۔

۲۔ اسمِ مفعول سماعی: وہ اسم ہے جو کسی قاعدے سے بنایا تو نہیں جاتا لیکن معنی اسمِ مفعول کے دیتا ہے۔ مثلاً: نکلا (ناک کشا ہوا) کن چھدا (کان میں سوراخ کیا ہوا) بیاہتا (شادی کی ہوئی) دکھی (ستایا ہوا) وغیرہ فارسی کے اسمِ مفعول اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے: اندوختہ (جمع کیا ہوا) آزمودہ (پڑھا ہوا) آزمودہ (آزمایا ہوا) شنیدہ (سننا ہوا) وغیرہ

عربی کے اسمِ مفعول اردو میں بھی کثرت سے استعمال کیے جاتے ہیں جیسے: مظلوم، مخلوق، معبد، معلوم، مقتول، مقتدر، منتشر، منتخب، منظر وغیرہ۔

اسمِ مفعول اور مفعول میں فرق:

۱۔ اسمِ مفعول وہ ہے جو مفعول کو ظاہر کرے اور مفعول اسے کہتے ہیں جس پر کوئی فعل واقع ہوا ہو۔

۲۔ اسمِ مفعول مصدر سے بنایا جاتا ہے لیکن مفعول بنایا نہیں جاتا۔

۳۔ اسمِ مفعول کو مفعول کی جگہ استعمال کر سکتے ہیں لیکن مفعول کبھی اسمِ مفعول کی جگہ استعمال نہیں ہو سکتا جیسے: میں نے لکھا ہوا پڑھا، پچھا ہوا بھول گیا۔ ان جملوں میں لکھا ہوا، پڑھا ہوا دونوں اسمِ مفعول ہیں جو مفعول کی جگہ استعمال ہوئے ہیں۔

اسمِ حالیہ:

وہ اسمِ مشتق ہے جو کسی فعل یا مفعول کی حالت بیان کرے جیسے: نیم ہنستا ہوا آیا۔ وسیم نے کامران کو پڑھتے ہوئے دیکھا۔ پہلے جملے میں ”ہنستا ہوا“ فعل نیم کی حالت بیان کر رہا ہے۔ دوسرا جملے میں ”پڑھتے ہوئے“ کامران جو کہ مفعول ہے، کی حالت بیان کر رہا ہے لہذا ”ہنستا ہوا“ اور ”پڑھتے ہوئے“ دونوں اسمِ حالیہ ہیں۔

اسمِ حالیہ بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے ”نا“ بٹا کر ”تا ہوا“ لگادینے سے اسمِ حالیہ بن جاتا ہے جیسے لکھنا سے لکھتا ہوا، لکھتی ہوئی، پڑھنا سے پڑھتا ہوا، پڑھتی ہوئی اسمِ حالیہ ہیں۔

اسمِ حاصل مصدر:

وہ اسمِ مشتق ہے جو مصدر تو نہ ہو لیکن معنی اور اثر مصدر کا ظاہر کرے، مثلاً آہٹ (آن)، (لڑائی لڑنا)، دباو (دبانا)۔ چنانچہ

آہٹ بڑائی، دباؤ حاصل مصدر ہیں۔

حاصل مصدر بنانے کے طریقے:

- ۱۔ بعض مصوروں کے آخر سے ”الف“ ہٹا کر جو باقی رہے وہ حاصل مصدر بن جاتا ہے جیسے: جلان سے جلن، چلن سے چلن، دکھنا سے دھن، لگنا سے لگن، چھننا سے چھن۔
- ۲۔ بعض مصوروں کے آخر سے ”نا“ ہٹا کر باقی جو رہے وہ حاصل مصدر بن جاتا ہے جیسے: دوڑنا سے دوڑ، چاہنا سے چاہ، بھاگنا سے بھاگ، دیکھنا سے دیکھ حاصل مصدر ہیں۔
- ۳۔ بعض مصوروں کے آخر سے ”نا“ ہٹا کر ”و“، لگادینے سے حاصل مصدر بن جاتا ہے جیسے: دبانا سے دباؤ، جھکانا سے جھکاؤ۔
- ۴۔ بعض مصوروں کے آخر سے ”نا“ ہٹا کر ”وٹ“، لگادینے سے حاصل مصدر بن جاتا ہے جیسے: ملانا سے ملاوٹ، گرانا سے گراوٹ، بنانا سے بناؤٹ، سجانا سے سجاوٹ۔
- ۵۔ بعض مصوروں کے آخر سے ”نا“ ہٹا کر ”ہٹ“، لگادینے سے حاصل مصدر بن جاتا ہے جیسے: گھبرا نا سے گھبراہٹ، مسکرانا سے مسکراہٹ، آنا سے آہٹ۔
- ۶۔ بعض مصوروں کے آخر سے ”نا“ ہٹا کر ”آئی“، لگادینے سے حاصل مصدر بن جاتا ہے جیسے: لڑنا سے لڑائی، رنگنا سے رنگائی، پڑھنا سے پڑھائی، لکھنا سے لکھائی، پٹانا سے پٹائی۔
- ۷۔ لڑکپن، بچپن، اپنائیت، چاہت، چال یہ سب بھی حاصل مصدر ہیں۔
- ۸۔ فارسی کے حاصل مصدر اردو میں بھی حاصل مصدر ہی شمار ہوں گے جیسے: گفت گو، جتجو، آمدورفت، آزمائش، پیمائش وغیرہ
- ۹۔ عربی کے حاصل مصدر اردو میں بھی حاصل مصدر کے طور پر ہی استعمال ہوں گے جیسے: شرافت، جہالت، جماعت، علم، عمل وغیرہ

اسم معاوضہ:

وہ اسم مشتق ہے جو کسی کام یا کسی خدمت کی اجرت اور بد لے کے معنی دے مثلاً پسواٹی۔ دھلائی۔
اسم معاوضہ بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے ”نا“ ہٹا کر ”آئی“ لگادینے سے اسم معاوضہ بن جاتا ہے جیسے: رنگوانا سے رنگوائی لگوانا سے لگوائی، دھلانا سے دھلائی، اٹھوانا سے اٹھوائی، پسوانا سے پسوائی وغیرہ

اسم صفت:

وہ اسم ہے جس سے کسی کی اچھی یا بُری حالت ظاہر کی جائے مثلاً نیک لڑکا، اوپنجی دیوار، ان میں نیک اور اوپنجی اسم صفت ہیں جس کی اچھی یا بُری حالت ظاہر کی اسے اسم موصوف کہتے ہیں جیسے: اوپر کی مثالوں میں لڑکا اور دیوار اسم موصوف ہیں۔

اسم صفت کی قسمیں: (۱) صفت اصلی (۲) صفت ثابتی

- ۱۔ صفت اصلی: وہ اسم ہے جو زبان میں شروع سے کسی کی اچھائی یا بُرائی بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جائے جیسے: اچھا۔ بُرا۔ نیک۔ بد۔ تیز۔ سخت۔



صفتِ اصلی کے تین درجے: (۱) صفتِ نفسی (۲) صفتِ بعض (۳) صفتِ گل

صفتِ نفسی: وہ اسم صفت ہے جس سے کسی کی حالت کسی دوسرے اسم سے بغیر مقابلہ کے ظاہر کی جائے جیسے: اچھا، برا، اونچا، نیک، بد، خوب صورت وغیرہ

صفتِ بعض: وہ اسم صفت جس سے کسی ایک کو دوسرے سے بڑھایا جائے مثلاً: اس سے اونچا، نیک تر۔

صفتِ گل: وہ اسم صفت ہے جس سے ایک کو دوسرے سب سے بڑھایا جائے جیسے: سب سے اونچا، بلندترین، نیک ترین۔

۲۔ صفتِ نسبتی: وہ اسم صفت ہے جو صفت تو نہ ہو لیکن محض تعلق کی وجہ سے صفت کے معنی ظاہر کرے جیسے: لاہوری نمک، عربی آدمی۔ ان دونوں میں لاہوری کا الفاظ لاہور سے اور عربی کا الفاظ عرب سے تعلق ظاہر کرنے کی وجہ سے صفتِ نسبتی کا ہلاتے ہیں۔

صفتِ نسبتی بنانے کا طریقہ:

۱۔ بعض اسموں کے آخر میں ”ی“، ”گا“ دینے سے صفتِ نسبتی بن جاتی ہے جیسے: لاہور سے لاہوری، ملتان سے ملتانی قصور سے قصوری۔

۲۔ اگر کسی اسم کے آخر میں ”الف۔۔۔ی“ ہوں تو الف، اوری کو ”و“ سے تبدیل کر کے ”ی“، نسبتی لگائی جائے گی جیسے: بھیرہ سے بھیروی، ڈسکوئی، گولڑہ سے گولڑوی صفتِ نسبتی بنائی جائے گی۔

۳۔ بعض اسموں کے آخر میں ”انه“، ”گا“ دینے سے صفتِ نسبتی بن جاتی ہے جیسے: شاگرد سے شاگردانہ، استاد سے استادانہ، عالم سے عالمانہ۔ مرد سے مردانہ، ماہ سے ماہنامہ، دوست سے دوستانہ، جاہل سے جاہلانہ وغیرہ

۴۔ بعض اسموں کے آخر میں ”انی“، ”گا“ دینے سے صفتِ نسبتی بن جاتی ہے جیسے: نور سے نورانی، روح سے روحانی۔
یہ ہندی ، وہ خراسانی ، یہ افغانی ، وہ تورانی
تو اے شرمذنا ساحل! اچھل کر بے کراں ہو جا

علامہ اقبالؒ کے اس شعر میں اسی قاعدے سے بنائے ہوئے الفاظ خراسانی، افغانی اور تورانی ایسے اسم صفت ہیں جن کی نسبت خراسان، افغان اور توران سے ظاہر کی گئی ہے۔

۵۔ بعض اسموں کے آخر میں ”ین“، ”گا“ دینے سے صفتِ نسبتی بن جاتی ہے جیسے: رنگ سے رنگین، سگ (پتھر) سے سگین، نمک سے نمکین، زر سے زریں وغیرہ

۶۔ مکہ اور مدینہ کی صفتِ نسبتی خلاف قیاس مکہ سے کمی اور مدینہ سے مدنی استعمال کی جاتی ہے۔

۷۔ یہ الفاظ بھی صفتِ نسبتی ہیں: میالا، جیالا، شرمیلا، رنگیلا، زہریلا، سنہری، میالا، جیالا، گنوار، چیپر، میر وغیرہ



جنس اور عدد

جنس (تذکیر-تائیش)

- درست جملہ بنانے اور فعل اور فاعل کی مطابقت جانے کے اصول و قواعد یاد رکھنا اور ان کی پابندی ضروری ہے۔ اردو میں اسم کی صرف دو جنسیں ہیں۔ مذکور اور مؤنث۔ یعنی ہر اسم چاہے وہ جاندار کے لیے ہو یا بے جان کے لیے وہ یا تو مذکور ہو گا یا مؤنث۔ مذکور اور مؤنث مادہ کو کہتے ہیں۔ اسی مذکورہ ہے جو زکے معنوں میں مستعمل ہو اور اسم مؤنث مادہ کے معنوں میں۔ عام طور سے تذکیر و تائیش بولے جاتے ہیں۔
- چال اور زبان دان لوگوں کے ذریعے اور روانہ کی بنیاد پر معلوم ہوتا ہے لیکن قواعد جانے والوں نے کچھ قانون قاعدے بھی بنائے ہیں۔
- ۱۔ مذکر اسم جن کی مؤنث بنتی ہے۔ جیسے: باب (ماں)۔ میاں (بیوی)۔ بیل (گائے)۔ بادشاہ (ملکہ)۔ راجا (رلنی)۔
 - ۲۔ مذکر لیکن مؤنث نہیں بنتی جیسے: درویش۔ شہ بالا۔ بابا۔ بچونا۔ فرش۔ گیند۔
 - ۳۔ صرف مؤنث جیسے: بابی۔ آیا۔ دائی۔ سہاگن۔ انا۔ سوت۔
 - ۴۔ مذکر اسم۔ مؤنث بنانے کے لیے لفظ مادہ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے: کوا۔ اڑھا۔ خرگوش۔ باز۔ چیتا۔ نیولا۔ ہدھ۔ گینڈ۔ سرخاب۔ جانور۔
 - ۵۔ بہ کیک وقت مذکر بھی اور مؤنث بھی۔ جیسے: چیل۔ مینا۔ کوکل۔ فاختہ۔ لومڑی۔ چھپکی۔ گھبری۔ مرغابی۔ تلی۔ چکور۔ دیمک۔
 - ۶۔ سوائے جمادات کے تمام دنوں کے نام مذکور ہیں۔ (ہفتہ۔ توار۔ پیر۔ منگل۔ بدھ۔ جمع)
 - ۷۔ سال، مہینا، گھنٹا، منٹ، سنہ، مذکر اسم ہیں۔ البتہ ”رات“ مؤنث ہے۔
 - ۸۔ پہاڑ اور پھرا اور ان کی تمام قسموں کے نام مذکر بولے جاتے ہیں جیسے: زمرد۔ یا تو۔ فیروزہ۔ ہیرا۔ پکھراج۔ ہمالہ۔ قراقروم۔
 - ۹۔ شہروں کے نام مذکور ہیں۔ جیسے۔ لاہور۔ کراچی۔ پشاور۔ اسلام آباد۔ کوئٹہ۔
 - ۱۰۔ دریاؤں کے نام مذکر بولے جاتے ہیں۔ بیشلا راوی۔ جہلم۔ چناب۔ ستان۔ سندھ۔
 - ۱۱۔ تمام ندیوں کے نام مؤنث بولے جاتے ہیں۔
 - ۱۲۔ تاریا ستار کی طرح تمام ستاروں کے نام مذکر بولے جاتے ہیں جیسے: زہرہ۔ مرخ۔ چاند۔ سورج۔
 - ۱۳۔ تمام زبانوں اور نمازوں کے نام مؤنث بولے جاتے ہیں۔ جیسے: فارسی۔ عربی۔ اردو۔ پشتو۔ فتحر۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشاء۔
 - ۱۴۔ بے جان چیزوں کے مذکر اسامی: بے ہوش۔ درد۔ نسخ۔ پرہیز۔ عیش۔ فوٹو۔ اخبار۔ لائچ۔ تار۔ لفاف۔ خط۔ نکٹ۔ کارڈ۔ مرض۔ مزان۔ علاج۔ فیض۔ مرہم۔ ماضی۔ انتظار۔ کلام۔ ارتقا۔
 - ۱۵۔ بے جان اسم جو مؤنث بولے جاتے ہیں: جامن۔ دوا۔ پیاز۔ بھوک۔ پیاس۔ ترازو۔ بارود۔ راہ۔ گھاس۔ سرسوں۔ یکھڑ۔ پنگ۔ سائیکل۔ چھت۔ آواز۔

بناوٹ کے قاعدے

بول چال میں راجح تذکیر اور تائیث کے علاوہ چند قواعد ایسے ہیں جن سے مذکور نام موثق اور موثق اسمانڈ کر کھلائے جاتے ہیں۔

مذکور بنانے کے قاعدے:

- (الف) ”الف“ اور ”ہ“ کے لاحقے اور لاحقے سے پہلے والے حرف پر زبر سے جو لفظ بنتے ہیں وہ مذکور بولے جاتے ہیں۔ جیسے:
 - (راج۔ راجا۔۔۔ پیار۔۔۔ پیارا۔۔۔ خاتم۔۔۔ خاتمه۔۔۔ داخل۔۔۔ داخلہ)
 - (ب) یا یئے نسبتی یعنی ”ی“، لگنے سے لفظ مذکور بولتے ہیں جیسے: (تیل۔۔۔ تیلی)۔ (بھنگ۔۔۔ بھنگی)۔ (سپاہ۔۔۔ سپاہی)
 - (ج) ”الف“ بڑھا کر جیسے: بھینس سے بھینسا۔ بخ۔۔۔ ب�ا۔
 - (د) ”وئی“ لگا کر۔ بہن سے بہنوئی۔ نند سے نندوئی۔
 - (ه) وہ اسماء جن کے آخر میں پن۔۔۔ پنا۔۔۔ آپ اور آپا ہوتواں کو مذکور بولتے ہیں جیسے: بھولپن۔۔۔ بچپنا۔۔۔ ملاب۔۔۔ جلاپا۔
 - (و) جن اسماء کے آخر میں ”زار“ اور ”ستان“ کے لاحقے ہوں، مذکور ہیں۔ مثلاً گلزار۔۔۔ مرغزار۔۔۔ گستاخان۔۔۔ پاکستان۔۔۔ افغانستان
 - (ز) وہ حاصل مصدر جن کے آخر میں لاحقہ ”آؤ“ ہو جیسے: جھکاؤ۔۔۔ لگاؤ۔۔۔ بھاؤ۔۔۔

مؤنث بنانے کے قاعدے:

- (الف) ”ی“ کے لاحقے سے بننے والے اسماء عموم پر مؤنث بولے جاتے ہیں جیسے: آری۔۔۔ شہزادی۔۔۔ کبوتری۔
- (ب) کبھی مذکور اسم میں ”ن“ کا لاحقہ لگانے سے اسم مؤنث بناتے ہیں جیسے: سنار سے سنارن۔۔۔ کمحار سے کمحارن۔
- (ج) ”نی“ لگا کر مؤنث: ڈوم سے ڈونی۔۔۔ اونٹ سے اوٹنی۔۔۔ شیر سے شیرنی۔۔۔ مور سے مورنی۔۔۔ جحدار سے جحدارنی۔
- (د) ”انی“ لگانے سے: سیدانی۔۔۔ شیخانی۔۔۔ حیثانی۔۔۔ دیوارنی۔
- (ه) وہ حاصل مصدر جن کے آخر میں ان۔۔۔ آن۔۔۔ وٹ ہو جیسے: اٹھان۔۔۔ نپان۔۔۔ بناوٹ۔۔۔ کچاوٹ۔
- (و) ”گاہ“ کا لاحقہ اسم مؤنث کی علامت ہے۔ درگاہ۔۔۔ قتل گاہ۔۔۔ سجدہ گاہ۔۔۔ رصد گاہ۔۔۔ بندر گاہ۔۔۔ تخت گاہ۔
- (ز) ”ش“ کا لاحقہ بھی اسم مؤنث بناتا ہے۔ کوشش۔۔۔ بینش۔
- (ح) وہ اسماء جن کے آخر میں ”ہ“ ہو۔۔۔ والدہ۔۔۔ معلمہ۔۔۔ ملکہ۔۔۔ خادمہ۔۔۔ شاعرہ۔۔۔ ادیبہ۔۔۔ ناصرہ۔
- (ط) وہ عربی مصادر جن کے آخر میں ”ا“ ہو۔۔۔ وفا۔۔۔ دعا۔۔۔ ہوا۔۔۔ صفا۔۔۔ خط۔۔۔

لاحقوں کی مدد سے بننے والے مذکور و مؤنث اسماء

مؤنث	مذکور	مؤنث	مذکور	مؤنث	مذکور	مؤنث	مذکور
بکری	بکرا	اداکارہ	اداکار	استانی	استاد	اونٹی	اونٹ
بندی	بندہ	بندریا	بندر	بلخ	بلخا	بخارا	بخاران
بلی	بلہ	بھنگن	بھنگی	براتی	براتن	بچھیا	بچھڑا

تائی	تایا	باورچن	بائیچن	پٹھان	بھکارن
تحانیدارنی	تحانیدار	جیٹھانی	جیٹھ	بھینسا	پارسی
چچی	چچا	جوگن	جوگی	تنبوں	پنجابی
چودھرانی	چودھری	چھوکرا	چھوکری	چیونٹا	چمار
خالہ	خالو	حلوانی	حلوانی	چیلی	چوکیدار
دیہاتی	دیہاتی	دیورانی	دیور	دھن	خانم
رندوا	رندوا	روگن	روگی	درزی	دھوبی
ساتھن	ساتھی	سیٹھانی	سیٹھ	سنار	سیدانی
فرنگن	فرنگی	فرین	فرنی	فیرنی	شیخانی
کتیا	کتا	کبوتری	کبوتر	کمحار	قصائی
گرہستن	گرہست	گوالن	گوالا	گنوار	گدھا
مورنی	مور	مامانی	ماموں	مرغا	گھسیارا
ملکہ	ملک	مہترانی	مہتر	موچی	مینڈک
نانئ	نائی	ناگن	ناگ	مالک	مغلانی
نوکرانی	نوکر	مندوںی	مند	نانا	نواسہ

واحد۔ جمع (تعداد)

تحریر اور تقریر میں جب کوئی اسم آئے گا تو وہ واحد ہو گا یا جمع ہو گا۔ اگر وہ واحد ہو تو اسے جمع بنانے کے لیے درج ذیل قاعدے مقرر ہیں:

- ا۔ اردو میں واحد سے جمع بنائی جاتی ہے۔

- ب۔ جن مذکر اسموں کے آخر میں ”الف“، آیا ہو ان کی جمع بنانے کے لیے ”الف“، ”کو“ سے بدل دیتے ہیں جیسے: لڑکا سے لڑکے۔ پیٹا سے بیٹے۔ بندہ سے بندے۔ بکری سے بکرے۔ پردہ سے پردے۔ بخار سے بخارے۔
- ج۔ کچھ اسم جو رشتہوں کے نام ہیں یا خطابات اور القاب کے طور پر استعمال ہوتے ہیں ان کے آخر میں آنے والا ”الف“، واحد اور جمع دونوں حالتوں میں قائم رہتا ہے جیسے: تایا۔ نائی۔ دادا۔ چچا۔ راتا۔ ملا۔

- د۔ جن مذکر اسموں کے آخر میں نون غنہ (ں) آتا ہے ان کی جمع بناتے وقت تحریر میں نون غنہ کو گرا کر ”اين“ کا اضافہ کر دیتے ہیں جو علامت جمع مذکر ”اے“ کا بدل ہے۔ مثلاً دھوں سے دھویں۔ کنوں سے کنویں وغیرہ۔

- ه۔ جن مؤنث اسموں کے آخر میں ”ئی“، آتی ہے ان کی جمع بنانے کے لیے ”اں“ لگاتے ہیں جیسے: اڑکی سے اڑکیاں۔ گھوڑی سے گھوڑیاں۔ کہانی سے کہانیاں۔ بکری سے بکریاں

- ۶۔ جن مؤنث اسموں کے آخر میں ”یا“، آتا ہے ان کا آخری الف گرا کر ”ان“ لگا کر جمع بنائی جاتی ہے جیسے:
کتیا سے کتیا۔ بندر یا سے بندر یا۔ لیا سے لیا۔
- ۷۔ جن مؤنث اسموں کے آخر میں ”ی“، نہیں ہوتی ان کی جمع بناتے وقت صرف ”ایں“ لگاتے ہیں جیسے: میز سے میزیں۔ عورت سے عورتیں۔ ماما سے ماما نیں۔ لیکن اگر ایسا اسم مؤنث ”الف“ یا ”ہ“ پر ختم ہو تو ”آیں“ لگاتے ہیں مثلاً خالہ سے خالائیں۔
- ۸۔ جن مؤنث اسموں کے آخر میں نون غنہ آتا ہے ان کی جمع بناتے وقت تحریر میں نون غنہ دور کر کے ”یں“ بڑھادیتے ہیں مثلاً جوں سے جویں۔ بھوں سے بھویں لیکن نون غنہ سے پہلے الف ہو تو ”ایں“ لگاتے ہیں مثلاً ماں سے ماںیں۔
- ۹۔ جن مؤنث اسموں کے آخر میں ”ہمزة“ اور ”ے“ (یعنی ے) ہوں کی جمع بناتے وقت ”ے“ کو گرا کر ”ایں“ بڑھادیتے ہیں جیسے:
گائے سے گائیں۔ رائے سے رائیں۔ خوشبو سے خوشبویں۔ دوائے دوائیں
اردو بول چال میں عربی کی بہت سی جمعیں استعمال ہوتی ہیں۔ عام عربی اسما اور ان کی جمیع کی ایک ناتمام فہرست یچھے دی جا رہی ہے۔ طلبہ انھیں از بر کر لیں۔

جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد
امور	امر	اقالیم	إقليم	افق	افق	اسالیب	اسلوب
امرا	امیر	اممہ	امام	اکابر	اکبر	استاذ	استاذ
اوائل	اول	آداب	آدب	اسم	اسم	آلہ	آلہ
اختراعات	اختراع	اواخر	آخر	آثار	اثر	آبا	اب
آلام	الم	امّت	امم	اشارات	اشارہ	ادیب	ادیب
ابواب	باب	بخارات	بخار	آیات	آیت	آفات	آفت
براہین	برہان	ابدان	بدن	برکات	برکت	بحور	بحر
ترجمہ	ترجم	تداییر	تداییر	تاریخ	تاریخ	تبگات	تبگ
تعائف	تعفہ	تجھیات	تجھی	تفصیل	تفصیل	ترکیب	ترکیب
جرائم	جرم	ثابت	ثابت	انمار	انمار	توقعات	توقع
جوابات	جواب	جانب	جانب	جن	جن	اجرام	جرائم
جرائد	جريدة	جذبات	جذبہ	جهل	جهل	جزائر	جزیرہ
اجسام	جسم	جهات	جهت	جوہر	جوہر	جنات	جن
حوالج	حاجت	جبال	جل	اجزا	جزو	اجداد	جد

جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد
احباب	حبیب	حاضرین، حضار	حاضر	حوادث	حوادث	جُحْجَج	حاجی
حقوق	حق	حدود	حد	حکم	حکمت	احادیث	حدیث
حضرات	حضره	حکایات	حکایت	حضرات	حضرات	حجابات	حجاب
حکام	حاکم	احکام	حُکم	حجّ	حجّت	حرف	حقّ
حکماً	حکیم	حافظ	حافظ	حصص	حصہ	حقائق	حقیقت
خطوط	خط	اخلاق	خلق	خاتون	خواتین	حواشی	حاشیہ
خواطر	خاطر	خدمات	خدم	خاص	خاص	غلفا	غایفہ
خزانہن	خزینہ	خواص	خاصیت	خصائص	خصائص	خیام	خیمه
دلائل	دلیل	خرابات	خرابہ	دولت	دولت	خطرات	خطرہ
دفاتر	دفینہ	دفتر	دور	دعاوی	دعاوی	دواوین	دواوین
دستور	دستیر	ادوار	دوازہ	ذخیرہ	ذخیرہ	دقائق	دقیقہ
دوایہ	دوایہ	ذاکرین	ذاکر	ذرّات	ذرّہ	ذہان	ذہن
ذرائع	ذریعہ	روابط	رابطہ	رموز	رمز	اذکار	ذکر
رقطات	رقطہ	روايات	روایت	رقم	رقم	ارکان	رکن
ارواح	روح	رسائل	رسالہ	رعایا	رعایت	رؤسا	رئیس
آراء	رأی	رفقا	رفیق	زوايا	زوایہ	روضہ	روضہ
رسوم	رسم	ازواع	زوج	اسباب	سبب	زمانہ	زمانہ
زوائد	زادہ	سجدہ	سجدہ	سوانح	سانحہ	زاریں	زاریں
سلطین	سلطان	سطور	سطر	سنن	سنّت	سامعین	سامع
اسناد	سند	اسرار	سر	سفرا	سفری	سادات	سید
اسقام	سقّم	اسلاف	سلف	سیرت	سیرت	سوالات	سوال
سابق	سابق						



جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد
سلحة	سلاح	سبق	سابق	سلسلة	سلسلة	سفر	اسفار
شرف	شريف	شرط	شراط	شهيد	شهدا	شے	اشیا
شیاطین	شیطان	شيخ	شیوخ	شغل	اشغال	شرکا	شریک
اصحاب	صاحب	صحابہ	صحابہ	شعر	اشعار	شاعر	شاعر
ضمائر	ضمیر	صوت	اصوات	صنعت	صناعت	صنف	اصناف
اطراف	طرف	طیعت	طبع	صالح	صلح	صفات	صفات
اطوار	طور	طیبیب	اطبا	ضابطہ	ضوابط	ضد	اضداد
عناصر	عنصر	طبقہ	طبقات	طالب	طلبة	طاڑ	طیور
عواقب	عاقبت	علت	عل	طفل	اطفال	طلسم	طلسمات
عجب	عجب	عزیز	اعزہ	ظرف	ظرف	ظاہر	ظواہر
عقائد	عقیدہ	عارض	عارضہ	عمل	اعمال	عقل	عقلاء
عبد	عبد	علم	علام	عطیہ	عطیات	عارف	عارفین
عبادت	عبادت	عزم	عزیمت	عظمیم	عظم	علم	علوم
عيوب	عيوب	عمال	عمال	عام	عوام	عشاق	عشاق
غناائم	غنایم	عندلیب	عنادل	عقل	عقل	عدد	اعداد
غزوہ	غزوہ	غربا	غربا	غرض	اغراض	عنایات	عنایات
فتح	فتح	اغلاط	فضائل	غذایہ	غذایا	غیر	اغیار
فضل	فضل	فضیلت	فضائل	غنى	اغنیا	فرائض	فرائضہ
فاتح	فاتح	فلک	افلاک	فرمان	فرمائیں	فرد	افراد
فنون	فن	فسادات	فساد	فرعون	فراعنة	فتنه	فتنه
قبور	قبر	قارئین	قاری	فیض	فیوض	فوج	افواج
قطاب	قطب	قربا	قریب	قرینہ	قرائن	قدم	اقدام





جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد
قوافي	قافية	قيود	قيد	اقوال	قول	قطرات	قطره
قواعد	قاعدہ	قصص	قصہ	أقوام	قوم	قطعات	قطعہ
قصائد	قصیدہ	قياسات	قياس	قوانين	قانون	قدما	قدمیم
قدر	قدر	قطع	قطع	أقسام	قسم	قلوب	قلب
قوى	قوت	اقساط	قط	كبار	کبیر	قصور	قصر
كوكب	کوکب	كتب	تاب	كمالات	کمال	قبائل	قبیلہ
كلمات	کلمہ	كافار	کافر	لطائف	لطیفہ	كرام	کرام
السنة	لسان	لازم	لازم	القاب	لقب	كنيات	کنایا
لحاظ	لحجہ	لغات	لغت	مدادات	مد	اطف	اطف
مماليک	مملکت	ليلي	لیل	معدان	معدن	لوح	لوح
امثلة	مثال	مدارس	مدرسہ	ملائک	ملک	مراحل	مراحل
محن	محنت	ظلم	ظالم	منقولات	معقول	موضوعات	موضوعات
مشارب	مشرب	ملوك	ملک	معقولات	معجزات	الملک	ملک
مكتوب	مکتوب	مصابیت	مصابیت	مؤمنین	مؤمن	امثال	مثل
مشاهدات	مشاهده	معارف	معرفت	ماہرین	ماہر	مفاهیم	مفہوم
مبلغين	مبلغ	مقالات	مقالہ	مساکن	مسکن	مظہر	مظہر
محمدثین	محمدث	مدنیہ	مذہب	مانع	مانع	مکاتب	مکتب
مساکین	مسکین	مجاہدین	مجاہد	محققین	محقق	مناصب	منصب
درسین	درس	مخازن	مخزن	مراسلات	مراسله	محصولات	محصول
مصادر	مصدر	أمراض	مرض	طلاب	طلاب	مُدبرین	مدبرین
عاقل	محفل	مجلس	مال	ذہب	ذہب	مصالح	مصالح
امواج	موج	اموال	مال	ذہب	ذہب	مقادير	مقدار



جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد
موضوعات	موضوع	مسلمات	مسلم	منظار	منظر	مشاغل	مشغله
مقاصد	مقصد	منازل	منزل	مصاحبين	مصاحب	مراثي	مرثية
معاصرين	معاصر	معانی	معنى	ملّت	مسائل	مشهور	موقع
اموات	موت	منابر	منبر	الناس	نسب	مقابر	مقبره
نصائح	نصيحت	مساجد	مسجد	نباتات	نبات	نتائج	نتيجه
نقطاط	نقط	نکات	نکته	نوار	نور	ناظرين	ناظر
نظریات	نظریه	ندیم	ندیم	نعم	نعمت	نوفل	نفل
نقل	نقل	نغمات	نگمه	نادر	نادر	نجوم	نجم
انفاس	نفس	أنواع	نوع	ناصحين	ناصح	النصار	ناصر
نقوش	نقش	انبیا	نبي	وجوه	وجه	لغوس	نفس
نقبا	نقیب	انظار	نظر	واقعه	واقعه	ولیا	ولي
وحوش	وحشی	واعظین	واعظ	اوصف	وصف	اوراق	ورق
وظائف	وظيفة	وساوس	وسوسه	وسائل	وسیله	اوراد	ورد
اولاد	ولد	وفود	وفد	وزرا	وزیر	وكلا	وکيل
ورثا	وارث	اوزان	وزن	اوقاف	وقف	وصایا	وصیت
اوہام	وہم	اوپرائے	وضع	یتامی	یتیم	اوطن	وطن
ہدایا	ہدیہ	اوقات	وقت	ایام	یوم	ہممت	ہمم
اہداف	هدف	یہودی	یہودی				

فعل

فعل: وہ کلمہ ہے جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا کسی زمانے میں معلوم ہو جیسے: نعیم آیا۔ طاہر نے کتاب پڑھی۔

فعل کا تعلق زمانے کے ساتھ ہوتا ہے اور زمانے کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ زمانہ ماضی: جو گزر چکا ہے، اسے زمانہ ماضی کہتے ہیں۔

۲۔ زمانہ حال: وہ زمانہ جو موجود ہے، اسے زمانہ حال کہتے ہیں۔

۳۔ زمانہ مستقبل: آئندہ زمانے کو زمانہ مستقبل کہتے ہیں۔

فعل کی قسمیں

(۱) فعل ماضی (۲) فعل حال (۳) فعل مستقبل (۴) فعل مضارع (۵) فعل امر (۶) فعل نبی

(۷) فعل لازم (۸) فعل متعدد (۹) فعل معروف (۱۰) فعل مجهول (۱۱) فعل تمام (۱۲) فعل ناقص

یہ یاد رہے کہ فعل کے لیے فاعل کی بھی مختلف حالتیں ہوتی ہیں مثلاً غائب، حاضر، متكلّم اور پھر واحد ہو گا یا جمع ہو گا چنانچہ فعل کی چھے صورتیں اور درجے ہو جائیں گے جیسے:

(۱) واحد غائب (۲) جمع غائب (۳) واحد حاضر (۴) جمع حاضر (۵) واحد متكلّم (۶) جمع متكلّم

ان درجوں کو صیغہ کہتے ہیں کسی فعل کو ان صیغوں میں تبدیل کرنا گردان کہلاتا ہے۔

فعل ماضی

وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا گز رے ہوئے زمانے میں معلوم ہو جیسے: ندیم گیا۔ فریدہ خط لکھتی تھی۔

فعل ماضی کی قسمیں: (۱) ماضی مطلق (۲) ماضی قریب (۳) ماضی عیید (۴) ماضی شکیہ (۵) ماضی تمنائی (۶) ماضی استمراری

(۱) ماضی مطلق: وہ فعل ہے جس میں کسی کام کا کرنا یا ہونا صرف گز رے ہوئے زمانے میں معلوم ہو لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ گزر اہوا زمانہ

زندگی کا ہے یا در کا۔ مثلاً وہ آیا تم گئے۔

ماضی مطلق بنانے کے طریقے: (i) بعض مصوروں کے آخر سے ”نا“، ہٹا کر ”الف“، لگا دینے سے ماضی مطلق بن جاتی ہے جیسے:

لکھنا سے لکھا۔ پڑھنا سے پڑھا۔ دوڑنا سے دوڑا۔ لکھا، پڑھا اور دوڑا ماضی مطلق ہے۔

(ii) بعض مصوروں کے آخر سے ”نا“، ہٹا کر ”یا“، لگا دینے سے ماضی مطلق بن جاتی ہے جیسے:

کھانا سے کھایا۔ رونا سے رویا۔ آنا سے آیا۔ کھایا، رویا اور آیا ماضی مطلق ہے۔

(iii) جانا اور کرنا مصادر کی ماضی مطلق ان کے خلاف آتی ہے جانا سے ”گیا“، ماضی مطلق ہے اور کرنا سے ”کیا“، ماضی مطلق ہے۔

”لکھنا“ مصدر سے ماضی مطلق کی گردان

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متكلم	جمع متكلم
ذکر	اس نے لکھا	انہوں نے لکھا	تم نے لکھا	ٹو نے لکھا	میں نے لکھا	ہم نے لکھا
مؤنث	اس نے لکھا	انہوں نے لکھا	تم نے لکھا	ٹو نے لکھا	میں نے لکھا	ہم نے لکھا

(۲) ماضی قریب: فعل ہے جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا زدیک کے گزرے ہوئے زمانے میں معلوم ہو جیسے: نہیم آیا ہے۔ فرح گئی ہے۔
ماضی قریب بنانے کا طریقہ: ماضی مطلق کے آخر میں ”ہے“ لگادینے سے ماضی قریب بن جاتی ہے۔

”آننا“ مصدر سے ماضی قریب کی گردان

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متكلم	جمع متكلم
ذکر	وہ آئے ہیں	وہ آئے ہیں	تم آئے ہو	ٹو آیا ہے	میں آیا ہوں	ہم آئے ہیں
مؤنث	وہ آئی ہیں	وہ آئی ہیں	تم آئی ہو	ٹو آئی ہے	میں آئی ہوں	ہم آئی ہیں

(۳) ماضی بعید: فعل ہے جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا دیر کے گزرے ہوئے زمانے میں معلوم ہو جیسے: مقیم نے لکھا تھا۔
ماضی بعید بنانے کا طریقہ: ماضی مطلق کے آخر میں ”تھا“ لگادینے سے ماضی بعید بن جاتی ہے۔

”جانا“ مصدر سے ماضی بعید کی گردان

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متكلم	جمع متكلم
ذکر	وہ گئے تھے	وہ گئے تھے	ٹو گیا تھا	تم گئے تھے	میں گیا تھا	ہم گئے تھے
مؤنث	وہ گئی تھیں	وہ گئی تھیں	ٹو گئی تھیں	تم گئی تھیں	میں گئی تھیں	ہم گئی تھیں

(۴) ماضی شکیہ: فعل ہے جس سے کسی کام کے کرنے یا ہونے کا گزرے ہوئے زمانے میں شک معلوم ہو۔ جیسے: اس نے خط لکھا ہوگا۔
ماضی شکیہ بنانے کا طریقہ: ماضی مطلق کے آخر میں ”ہوگا“ لگادینے سے ماضی شکیہ بن جاتی ہے۔

”لکھنا“ مصدر سے ماضی شکیہ کی گردان

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متكلم	جمع متكلم
ذکر	اس نے لکھا ہوگا	انہوں نے لکھا ہوگا	ٹو نے لکھا ہوگا	تم نے لکھا ہوگا	میں نے لکھا ہوگا	ہم نے لکھا ہوگا
مؤنث	اس نے لکھا ہوگا	انہوں نے لکھا ہوگا	ٹو نے لکھا ہوگا	تم نے لکھا ہوگا	میں نے لکھا ہوگا	ہم نے لکھا ہوگا



(۵) ماضی تمنائی: و فعل ہے جس سے گزرے ہوئے زمانے میں کسی کام کی آرزو، تمنا یا شرط معلوم ہو جیسے: کاش! وہ محنت کرتا۔ اگروہ آتا۔
ماضی تمنائی یا شرطیہ بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر میں ”نا“، ہٹا کر ”تا“، لگادیتے ہیں اور شروع میں ”کاش یا اگر“، لگادیتے ہیں۔ اس طرح
ماضی تمنائی یا شرطیہ بن جاتی ہے۔

”پڑھنا“ مصدر سے ماضی تمنائی کی گردان

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متكلم	جمع متكلم
ذکر	کاش! وہ پڑھتے	کاش! تم پڑھتے	کاش! تو پڑھتا	کاش! تم پڑھتے	کاش! میں پڑھتا	کاش! ہم پڑھتے
مؤنث	کاش! وہ پڑھتیں	کاش! تم پڑھتیں	کاش! تو پڑھتی	کاش! تم پڑھتی	کاش! میں پڑھتیں	کاش! ہم پڑھتیں

”پڑھنا“ مصدر سے ماضی شرطیہ کی گردان

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متكلم	جمع متكلم
ذکر	اگروہ پڑھتے	اگروہ پڑھتے	اگر تو پڑھتا	اگر تم پڑھتے	اگر میں پڑھتا	اگر ہم پڑھتے
مؤنث	اگروہ پڑھتیں	اگروہ پڑھتیں	اگر تو پڑھتی	اگر تم پڑھتیں	اگر میں پڑھتیں	اگر ہم پڑھتیں

(۶) ماضی استمراری: و فعل ہے جس سے کسی کام کا کرنا گزرے ہوئے زمانے میں لگاتا اور مسلسل معلوم ہو جیسے: وہ لکھتا تھا۔
ماضی استمراری بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے ”نا“، ہٹا کر ”تاھا“ یا ”رہا تھا“، لگادینے سے ماضی استمراری بن جاتی ہے۔

”دوڑنا“ مصدر سے ماضی استمراری کی گردان

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متكلم	جمع متكلم
ذکر	وہ دوڑتے تھے	وہ دوڑتے تھے	تو دوڑتا تھا	تو دوڑتے تھے	میں دوڑتا تھا	ہم دوڑتے تھے
مؤنث	وہ دوڑرہاتھا	وہ دوڑرہاتھا	تو دوڑرہاتھا	تو دوڑرہاتھا	یا دوڑرہاتھا	یا دوڑرہاتھا

فعل حال

و فعل ہے جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا موجودہ زمانے میں معلوم ہو جیسے: فوز یہ کتاب پڑھتی ہے۔ فریدہ مضمون لکھ رہی ہے۔
فعل حال بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے ”نا“، ہٹا کر ”تاھے“، لگادینے سے فعل حال اور ”رہا ہے“، لگادینے سے فعل حال جاری بن جاتا ہے۔



”کھیانا“، مصدر سے فعل حال اور فعل حال جاری کی گردان

زمانہ	جن
فعل حال	ذکر
فعل حال جاری	
فعل حال	
فعل حال جاری	مؤنث

فعل مستقبل

وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا آئندہ زمانے میں معلوم ہو جیسے: رضوان ملتان جائے گا۔

فعل مستقبل بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے ”نا“ ہٹا کر ”ے“ گا، لگادینے سے فعل مستقبل بن جاتا ہے۔

”لکھنا“، مصدر سے فعل مستقبل کی گردان

جنس
ذکر
مؤنث

فعل مضارع

وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا موجودہ اور آئندہ زمانے میں معلوم ہو جیسے: عدنان آئے۔ ”آئے“، فعل مضارع ہے۔

فعل مضارع بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے ”نا“ ہٹا کر ”ئے“ گا، لگادینے سے فعل مضارع بن جاتا ہے۔

”کھانا“، مصدر سے فعل مضارع کی گردان

مشکلم	حاضر	غائب
واحد مشکلم	واحد حاضر	واحد غائب
جمع مشکلم	جمع حاضر	جمع غائب
ہم کھائیں	تو کھائے	وہ کھائے
میں کھاؤں	تم کھاؤ	وہ کھائیں

فعل امر

وہ فعل ہے جس سے کسی کام کے کرنے یا ہونے کا حکم معلوم ہو جیسے: تو آ۔ تم کھاؤ۔

فعل امر بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر سے "نا" ہٹا کر جو باقی بچے فعل امر واحد حاضر کا صیغہ ہوگا۔ فعل امر کے حقیقت میں دو صیغے واحد حاضر اور جمع حاضر ہوتے ہیں کیوں کہ حکم حاضر اور موجود کو دیا جاتا ہے چنانچہ باقی صیغے فعل مضارع کے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ گردان سے ظاہر ہے۔

”آنا“ مصدر سے فعل مضارع کی گردان

مشتمل	حاضر	غائب
جمع مشتمل	جمع حاضر	جمع غائب
واحد مشتمل	واحد حاضر	واحد غائب
جمع آئین	تم آؤ	وہ آئے
میں آؤں	تو آ	
ہم آئیں	آؤں	

فعل نہی

و فعل ہے جس سے کسی کام کے نہ کرنے پانہ ہونے کا حکم معلوم ہو جیسے: تو نہ جا۔ تم مت آؤ۔

فعل نبی بنانے کا طریقہ: فعل امر کے شروع میں ”نہ“ یا ”مت“ لگادینے سے فعل نبی بن جاتا ہے۔ اس کی حالت بھی فعل امر کی طرح ہے۔

”لکھنا“ مصدر سے فعل نہیں کی گردان

مشکلم	حاضر	غائب
جمع مشکلم	جمع حاضر	جمع غائب
واحد مشکلم	واحد حاضر	واحد غائب
ہم نہ لکھیں	تم ملت کھو	وہ نہ لکھے
میں نہ لکھوں	تو مت لکھو	وہ نہ لکھیں

فعل لازم

و فعل ہے جو صرف فعل کو چاہے جیسے: ندیم ہنسا۔ گھوڑا دوڑا۔ ان دونوں جملوں میں ”ہنسا“ اور ”دوڑا“ دونوں فعل لازم ہیں کیوں کہ ندیم اور گھوڑا دونوں فاعل ہیں جن کا ذکر کرنے کے بعد غلوں کے معانی بورے ہو گئے آبادگا۔ دوڑا۔ چلا۔ ہنسا۔ روما۔ بھاگا گا غیرہ سے فعل لازم ہیں۔

فعل متعدد

وہ فعل ہے جو فعل کے ساتھ مفعول بھی چاہے جیسے: استاد نے سبق پڑھایا۔ اس جملے میں ”پڑھایا“، فعل متعدد ہے۔ استاد فاعل ہے جس کے ذکر کرنے کے بعد سبق جو مفعول ہے کے ذکر کیے بغیر فعل کے معنی کامل نہیں ہوتے۔ چنانچہ لکھا۔ پڑھا۔ کھایا۔ پیا۔ بیٹھا۔ دیکھا وغیرہ سے فعل متعددی ہیں۔

فعل معروف

و فعل ہے جس کا فاعل معلوم ہو جسے طاہرہ آئی۔ اس جملے میں ”آئی“، فعل معروف سے کیوں کہ اس کا فاعل ”طاہرہ“، معلوم ہے۔

فعل مجهول

وہ فعل ہے جس کا فاعل معلوم نہ ہو جیسے: ”خط لکھا گیا“، اس جملے میں ”لکھا گیا“، فعل مجهول ہے۔ کیوں کہ اس کا فاعل معلوم نہیں ہے۔ فعل مجهول جس اسم پر واقع ہوتا ہے اسے نائب فاعل یا مفعول المسمّ فاعله کہتے ہیں۔ فعل مجهول ہمیشہ فعل متعدد سے بنتے ہیں۔ فعل لازم سے مجهول نہیں بتا۔

فعل مجهول بنانے کا طریقہ: جس مصدر سے فعل مجهول بنانا ہو پہلے اس مصدر کو مصدر مجهول بنالیں جس کا طریقہ یہ ہے کہ اس مصدر کی ماضی مطلق کے آخر میں ”جانا“ لگا کر پہلے مصدر مجهول بنایا جائے اس کے بعد مذکورہ بالاطریقوں سے تمام قسم کے فعل مجهول بن جائیں گے جیسے: لکھنا مصدر سے فعل مجهول بنانے کے لیے اس مصدر کو مجهول بنایا ”لکھا جانا“، جس سے مثلاً ”لکھا گیا“، ماضی مطلق مجهول بن گئی اسی طرح دوسرے افعال بھی مجهول بن جاتے ہیں۔

فعل تام

وہ فعل ہے جو اگر فعل لازم ہے تو فعل کا ذکر کر دینے کے بعد اس کے معنی مکمل ہو جائیں جیسے: سعید آیا۔ یہاں آیا ”فعل تام“ ہے۔ سعید ”فاعل“ کے ذکر کر دینے کے بعد اس کے معنی پورے ہو گئے اور اگر فعل متعدد ہے تو فعل اور مفعول دونوں کا ذکر کر دینے کے بعد اس کے معنی مکمل ہو جائیں جیسے: اسلم نے خط لکھا۔ اس جملے میں لکھا ”فعل تام“ ہے کیوں کہ اسلم ”فاعل“ اور خط ”مفعول“ کے بعد معنی مکمل ہو گئے۔ یہ فعل تام کہلاتے ہیں۔

فعل ناقص

وہ فعل ہے جس کے ساتھ ایک اسم ذات کا ذکر کرنے کے بعد جب تک دوسرے اسم صفت کا ذکر نہ کیا جائے اس کے معنی مکمل نہ ہوں جیسے: ندیم نیک ہے۔ ”ہے، فعل ناقص ہے ندیم کے ا تم کا ذکر کرنے کے بعد جب تک ”نیک“ اسی صفت کا ذکر نہیں کیا گیا اس کے معنی مکمل نہیں ہوئے۔ فعل ناقص یہیں ہے۔ ہیں۔ ہوا۔ ہوئے۔ ہوگا۔ ہوگئی۔ ہو گئی۔ تھا۔ تھیں۔ رہا۔ بنا۔ نکلا۔ سہی وغیرہ

[افعال معاون]

افعال معاون یا امدادی افعال سے ایسے افعال مراد ہیں جو دوسرے فعلوں کے ساتھ مل کر مرکب فعل بناتے ہیں جیسے بسا سے پڑا، دیکھا سے دیکھ چکا، رویا سے رو نے لگا، پکارا سے پکارا ٹھا، سننا سے سن کا، رکھا سے رکھ لو، چلا سے چل دیا، لیٹا سے لیٹ گیا، مارا سے مار ڈالا، پیا سے پی لیا، سنایا سے سننا چاہا وغیرہ۔ ان تمام مثالوں میں دو دو فعل استعمال ہوئے ہیں، ہر دوسرے فعل، فعل معاون ہے جو اصل فعل کے ساتھ مل کر مرکب فعل بناتا ہے۔

عام طور پر فعل معاون اصل فعل کے بعد ہی آتا ہے جیسا کہ مندرجہ بالامثالوں سے ظاہر ہے۔

اردو میں بالعموم استعمال ہونے والے امدادی افعال جن مصادر سے بنتے ہیں، وہ یہ ہیں:

دینا، لینا، آنا، جانا، ڈالنا، پڑنا، ہونا، بیٹھنا، اٹھنا، رہنا، چکنا، سکنا، پانا، کرنا، نکنا، لگنا، چاہنا، رکھنا وغیرہ

یہ مثلیں ملاحظہ کیجیے، جن الفاظ کو اور لائے کیا گیا ہے، وہ امدادی افعال ہیں:

- | | |
|--------------------------------------|-------------------------------|
| (۱) وہ چل دیا۔ | (۲) یہ قم رکھ لیجیے۔ |
| (۳) اسے اندر آنے دو۔ | (۴) چور بھاگ اٹھے۔ |
| (۵) تم اب جاسکتے ہو۔ | (۶) پڑے بکھر گئے۔ |
| (۷) میں خط لکھ چکا ہوں۔ | (۸) کیا سوچ رہے ہو۔ |
| (۹) پھوڑا پھوٹ نکلا۔ | (۱۰) بچہ دیر تک رویا کیا۔ |
| (۱۱) آج اسے کوئی ملنے نہ پایا۔ | (۱۲) چاند آنکن میں اتر پڑا۔ |
| (۱۲) بارش آیا چاہتی ہے۔ | (۱۳) وہ کہنے لگا۔ |
| (۱۴) وہ اپنی قسمت کو رو بیٹھے ہیں۔ | (۱۵) میں نے اسے سمجھا کھا ہے۔ |
| (۱۶) لکڑاہارے نے تمام لکڑی چیر ڈالی۔ | (۱۷) بات میری سنبھالی ہے۔ |



حروف کا پیان

حروف وہ کلمہ ہے جو نہ تو کسی شخص یا چیز کا نام ہو، نہ کسی کام کے کرنے یا ہونے کو ظاہر کرے اور نہ ہی اپنے الگ کوئی معنی رکھتا ہو بلکہ یہ مختلف کلموں کو آپس میں ملاتا اور ان کے ساتھ کر بامعنی بنتا ہے۔ جیسے: ”نمازی مسجد میں ہے۔“ اس جملے میں لفظوں کا تعلق ”میں“ کی وجہ سے ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو جملہ بے معنی ہو جائے اور ”میں“ حرف ہے۔ اسی طرح پر، کا، اور وغیرہ بھی حروف ہیں جو کلموں کو آپس میں ملاتے ہیں۔

حروف کی اقسام

اردو میں حرف کی بہت اقسام ہیں جن میں چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

حروفِ جار: حروفِ جار وہ حروف ہیں جو اسماء اور افعال کو آپس میں ملاتے ہیں۔ مثلاً میں، سے، پر، تک، ساتھ، اوپر، یونچ، لیے، واسطے، آگے، پیچھے، اندر، باہر، پاس، درمیان وغیرہ۔

حروفِ اضافت: وہ حروف ہیں جو اسموں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ اردو میں کا، کے، کی حروفِ اضافت ہیں اور زیادہ تر یہی استعمال ہوتے ہیں۔

حروفِ عطف: وہ حروف ہیں جو دو اسموں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً: امیر و غریب، احمد اور سلیم، بچہ ذرا ساجا گا پھرسو گیا۔ ان مثالوں میں و، اور، پھر حروفِ عطف ہیں، جو دو اسموں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔

حروفِ استفہام: وہ حروف ہیں جو کچھ پوچھنے یا سوال کرنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: کیا، کیوں، کہاں، کب، کون، کیسا، کس لیے، کس طرح، کتنا، کیوں کر، کس قدر وغیرہ۔

حروفِ تحسین: وہ حروف ہیں جو تحسین و آفرین اور تعریف کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: شاباش، بہت خوب، واہ واہ، کیا کہنے، سبحان اللہ، ماشاء اللہ، جزاک اللہ، مرجب، آفرین، واہ رے واه، اللہ رے، اللہ اللہ، وغیرہ۔ حروفِ تحسین کے استعمال کے فوری بعد فرمائی کی علامت ”!“ لگانی چاہیے۔

حروفِ نفرین : وہ حروف ہیں جو نفرت یا ملامت کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً: توبہ، عنت، ہزارعنت، تھو، اخْ تھو، تف، پھٹکار۔

حروفِ ندا : وہ حروف ہیں جو کسی اسم کو ندادینے یا پکارنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً:

اے دوست! ہم نے ترکِ محبت کے باوجود
محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی

(ناصر کاظمی)

یارب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرمًا دے، جو روح کو تڑپا دے

(علامہ اقبال)

ان مثالوں میں ”اے دوست“ اور ”یارب“ حروفِ ندا ہیں۔ اسی طرح: ابی حضرت، ابے حمق، او جانے والے، ارے بھائی وغیرہ کبھی حروفِ عد ہیں۔

حروفِ تشییہ : وہ حروف ہیں جو کسی ایک چیز کو کسی دوسرے چیز کے مشابہ یا مانند قرار دینے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً: مانند، طرح، جیسا، سا، جوں، مثل، صورت، بعینہ، ہو بہو، کاسا، کی وغیرہ

حروفِ علّت : وہ حروف ہیں جو کسی بات کے سبب، وجہ یا علت کو ظاہر کریں۔ جیسے: کیوں کہ، اس لیے، بدیں سبب، کہ، تاکہ، اس لیے کہ، تا، با ایں وجہ، چنانچہ، اس واسطے، اسی باعث کہ، الہذا وغیرہ

حروفِ انبساط : وہ حروف ہیں جو خوشی اور مسخرت و انبساط کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: واہ، واہ وواہ، آہا، اوہ، اخاہ، ماشاء اللہ، خوب، کمال ہے، بہت خوب، سبحان اللہ، کیا بات ہے وغیرہ

حروفِ تائف : وہ حروف ہیں جو افسوس اور غم کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: ہائے ہائے، ہے ہے، ہیہات، حیف، صدحیف، افسوس، صد افسوس، آہ، دریغا، حسرتا، واحرستا، اف، وائے وغیرہ

حروفِ استدرآک : استدرآک کے لغوی معنی ہیں: بدی کا بدلہ نیکی سے دینا، کسی بات کی تلافی کرنا مگر حروفِ استدرآک وہ حروف ہیں جو پہلے جملے میں آنے والے کسی شبہ کو دور کرنے کے لیے دوسرے جملے میں استعمال ہوں۔ اس طرح عام طور پر یا تو پہلے جملے کے قول کی مخالفت ہوتی ہے، یا اس میں کچھ تغیری پیدا ہو جاتا ہے یا اسے مدد و کردار دیا جاتا ہے۔ عام طور پر حروفِ استدرآک درج ذیل ہیں: مگر، اگرچہ، البتہ، الہ، بارے، بلکہ، پر، گو، لیکن، لیک (لیکن کا مخفف) مگر، ہاں، و لے، ہاں وغیرہ

حروفِ تاکید : وہ حروف ہیں جو کلام میں تاکید اور زور کا مفہوم پیدا کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً: ہرگز، ضرور، مطلق، بالکل، زنہار، سراسر، سراسر، اصلًا، خود، کبھی، سبھی، سب کے سب، کل، کلہم، سرتا پا، ہو بہو، ضرور بالضرور، عین میں وغیرہ

حروفِ شرط و جزا : وہ حروف جو شرط کے موقع پر بولے جائیں، حروفِ شرط کہلاتے ہیں۔ حروفِ شرط کے بعد دوسرے جملے میں جو حروف لائے جاتے ہیں، انھیں حروفِ جزا کہتے ہیں۔ مثلاً: اگر وہ محنت کرتا تو کامیاب ہو جاتا۔ جب وہ آیا تب میں گیا۔ ان

مثالوں میں ”اگر“ اور ”جب“ حروف شرط اور ”تو“ اور ”تب“ حروف جزا ہیں۔

حروفِ مفاجات: مفاجات کے لغوی معنی ہیں: اچانک یا کیا یک اور حروفِ مفاجات وہ حروف ہیں جو کسی امر کے اچانک واقع ہونے پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: یک بیک، یکا یک، یک بارگی، دفعتاً، اتفاقاً، ناگاہ، اچانک، ناگہاں وغیرہ وہ حرف بیان : مفاجات کے لیے استعمال کیا جائے اور وہ حرف ”کہ“ ہے مثلاً: استاد نے شاگرد سے کہا کہ سبق پڑھو۔ باپ نے بیٹے سے کہا کہ محنت سے کام لو۔ وغیرہ



متراوف الفاظ

بعض الفاظ آپس میں ہم معنی ہوتے ہیں، انھیں متراوف الفاظ کہتے ہیں۔ جیسے دکھ کا متراوف لفظ تکلیف اور سکھ کا متراوف چین یا راحت ہے۔ اسی طرح آفتاب اور خورشید کے ایک ہی معنی ہیں۔ اردو میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں متراوف الفاظ بول چال اور تحریر و تقریر میں بلا تامل استعمال ہوتے ہیں۔ ذیل میں عام استعمال آنے والے متراوف الفاظ کی ایک ناتمام فہرست پیش کی جاتی ہے:

الفاظ	متراوف	الفاظ	متراوف	الفاظ	متراوف	الفاظ
آخر	اخْتَر	اخْبُم	ابْخَمْ	بحر	بَحْر	سماں
تحسین	تَحْسِين	تصیف	تَصْيِيف	تحمل	تَحْمِيل	تحمل
جام	جَام	ساغر	سَاغِر	حیرت	حَيْرَة	تعجب
حدّت	حَدَّتْ	تپش	تَپِشْ	خلوت	خَلُوتْ	عزلت
دغا	دَغَا	فریب	فَرِيب	ذلت	ذَلَّتْ	رشته
رنج	رَنْج	الم	الْمَ	رجان	رَجَان	میلان
زادہ	زَادَه	متقی	مَتَقِي	بے کnar	بَيْكِيرَاں	خوش الحان
سخن گو	سَخْنَ گُو	سخنور	سَخْنُور	سهو	سَهْو	درخت
شرمسار	شَرْمَسَار	نادم	نَادِمْ	شجاع	شَجَاعَة	صلح
ضیافت	ضَيَافَة	دعوت	دَعْوَة	خسارہ	خَسَارَة	دلاور
ظفہر	ظَفَّهَر	دببه	دَبَّبَه	عداوت	عَدَاؤتْ	دشمن
فلک	فَلَكْ	چرخ	چَرْخَ	قہر	قَهْرَ	نصر
قصد	قَصْدَ	عزّم	عَزْمَ	کبر	كَبَرْ	غصب
لغہ	لَغَهْ	سرود	سَرُودْ	نخل	نَخْلَة	قراء

دُور	بعید	ہم نشیں	جلیس	دراثر	شگاف
جدل	جنگ	ڈُر	گوہر	زمام	عنان
رُت	فصل	نادر	محتاج	مشکل	دشوار
سکون	قرار	طبع	حرص	مرقد	مزار
قریب	زدیک	مخزن	گنج	تشفی	تسلى
معروف	مشہور	زیبائش	آرائش	حیلف	دوست
محفل	بزم	تمثنا	آزو	خورشید	آفتاب
طِسم	حر	غرور	رعونت	استعجاب	حیرت

متضاد الفاظ

بعض الفاظ معنوں کے لفاظ سے ایک دوسرے کی ضد یا ایک دوسرے کے الٹ ہوتے ہیں جیسے: امیر اور غریب، ابتداء اور انتہا، آزادی اور غلامی، اکثریت اور اقلیت وغیرہ۔ متضاد الفاظ بنانے کا کوئی خاص قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ متضاد الفاظ اہل زبان کی بول چال یا ان کی تحریروں کے بغور پڑھنے سے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ ہم ذیل میں اپنے طلبہ کی سہولت کے لیے متضاد الفاظ کی ایک ناتمام فہرست پیش کرتے ہیں۔ طلبہ کو چاہیے کہ انھیں از بر کر لیں:

متضاد	الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد	الفاظ
انجام	آغاز	انتہا	ابتداء	گزشتہ	آیندہ
اطاعت	بغافت	جنگ	امن	انکار	اقرار
مقلد	امام	سوار	پیادہ	زrixz	خبر
تخیر	تعیر	تکذیب	تصدیق	کاذب	صادق
تردید	تائید	تاخیر	تقديم	تحقیر	تو قیر
حریف	حیلف	خلوت	جلوت	ادبار	اقبال
فتح	حسن	راہنما	راہبر	شر	خیر
حضر	سفر	فرزانہ	دیوانہ	ریا	خلوص
سهول	دشوار	انتقام	عفو	باطن	ظاہر
مغرب	مشرق	قطع	مطلع	غروب	طلوع
وجود	عدم	سما	ارض	جنوب	شمال

ذم	مدح	غم	شادی	زيان	شود
رجائیت	قوطیت	آس	یاس	وصال	بحر
خدوم	خادم	پیش	پس	یگانہ	بیگانہ
محمود	حامد	محبود	ساجد	محکوم	حاکم
پرے	ورے	محترم	محبوري	طاخ	صالح
فارغ	مصروف	لیقین	وهم	نشیب	فراز
چکھم	پورب	پختہ	خام	قریب	بعید
تریاق	زہر	مقتول	قاتل	شیریں	تئخ
بے ڈول	سدول	محترک	ساکن	تحریری	زبانی
اٹوٹ	ٹوٹ	اچھل	سپھل	کپوت	سپوت
زمت	رحمت	مجازی	حقیقی	قرم	سنس
قاعت	طبع	رحمان	شیطان	قدامت	جدت
مفضل	مجل	کیف	لطیف	نهان	عیان
راست	کج	جزر	مد	ناقص	کامل
سزا	جزا	تغیر	ثبت	خار	گل
صح	شام	ممات	حیات	بے خودی	خودی
عایض	طويل	عرض	طول	قوى	ضعیف
ہنر	عیب	ظلم	عدل	جفت	طاقي
زاهد	رند	ضلالت	ہدایت	مستقل	عارضی
اعلیٰ	اوی	زیر دست	زبردست	دنیا	دین
آقا	بندہ	بڑی	بھری	حیوان	انسان
گناہ	ثواب	گند	تیر	تقدير	تدیر
دوزخ	جہت	روحانی	جسمانی	سیار	ثبت
سویر	دیر	نادان	دانا	ملحق	خلق
اکثریت	اقلیت	کثرت	قلت	کثیر	قلیل



مغموم	مسرور	مؤدب	گستاخ	زوال	کمال
بے وفا	وفدار	زوال	عروج	نقسان	نفع
گمان	یقین	چوڑا	لہما	ناہموار	ہموار
نفرت	رغبت	بعد	قرب	برباد	آباد
تر	خشک	رذیل	شریف	ضعف	قوت
کفر	ایمان	خاص	عام	روشن	تاریک
شک	توحید	فانی	باقي	تفریط	افراط
غربت	امارت	مخالفانہ	دوستانہ	براًمد	درآمد
مخالف	موافق	حریف	حیلف	قدیم	جدید



ذو معنی الفاظ

وہ الفاظ جن کے دو یادو سے زیادہ معنی ہوں، ذو معنی یا ذو معنین الفاظ کہلاتے ہیں۔ ایسے بعض الفاظ ایک معنی میں مذکور ہوتے ہیں تو دوسرے معنی میں مؤوث۔ بعض اوقات دونوں معنوں میں مذکور ہوتے ہیں یا مؤوث ذو معنی الفاظ کے ضمن میں بہت احتیاط برتنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے کسوٹی اہل زبان کی گفتگو (تحریر و تقریر) ہی ہے۔ بعض ذو معنی الفاظ کی ایک محضسری فہرست اور ان کے معنی درج ذیل ہیں:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آب	پانی، چکد دمک	طاق	محراب، ہندسه جودو پر تقسیم نہ ہو
اردو	لشکر، زبان	عرصہ	مدت، میدان
اوقات	وقت کی جمع، حیثیت	عرض	چوڑائی، انتراس
بار	بوجھ، باری	ظرف	برتن، حوصلہ
بیت	گھر، شعر	غريب	نادر، مفلس
باز	ایک شکاری پرندہ، پرہیز، دوبارہ، کھلا ہوا	تاك	انگور کی نیل، تاک چھانک
قصور	قصیر کی جمع بمعنی محلات، غلطی	کف	چھاگ، ہتھیلی
تکیہ	بھروسہ، سرہانہ	تکرار	چھکڑا، بار بار دھرانا
کل	مشین، آرام، دوسرا دن (گزشتہ یا آئینہ)	جست	ایک دھات، چھلانگ
محل	بڑا شاندار مکان، موقع	مثل	مانند، کاغذات



ایک سیارے کا نام، خریدار	مشتری	عینک، پانی کا چشمہ	چشمہ
سورج، عنایت	مہر	مقامِ غروب آفتاب، بوقتِ شام	مغرب
انتظام، شاعری	نظم	چھوٹ بولنے والا، بچا ہوا کھانا	چھوٹا
مالک، دوست، خدار سیدہ	ولی	زمانہ، کاروبار	روزگار
گلے میں پہنے کازیور، شکست	ہار	گواہی، راہ حق میں جان فدا کرنا	شہادت



بامثال و متشابه الفاظ

بعض الفاظ کی آواز تقریباً ایک جیسی ہوتی ہے یا ان کے اعراب میں معمولی سافر ق ہوتا ہے مگر وہ معنوں کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہوتے ہیں۔ ایسے الفاظ کو مثال یا متشابه الفاظ کہا جاتا ہے۔ مثال الفاظ کے استعمال میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ طلبہ کی سہولت کے لیے اہم مثال و متشابه الفاظ کی ایک ناتمام فہرست درج ذیل ہے:

معانی	مثال الفاظ	معانی	مثال الفاظ
جھنڈا	علم	رنج	الم
چوڑائی یا درخواست	عرض	زمین	ارض
شرم و حیا	عار	اوزار کا نام	آر
زمانہ	عصر	نتیجہ	اثر
ضد یا تکرار	اصرار	برتر کی جمع بے معنی بھید	اسرار
شہد	عسل	جز یا بنیاد	اصل
الفاظ پر زیر، زبر، پیش وغیرہ دینا	اعراب	عرب کی جمع	اعراب
سیاروں کو دیکھنے کا مقام	رَصْد	فوج یا قافلے کا زادراہ	رسد
لکھنا، تحریر کرنا	رُقْم	دولت، روپیا پیسما	رقم
موجودگی، قیام	حضر	پرہیز	حدر
اچھا، نیک	حسن	خوب صورتی، خوبی	حسن
پختہ ارادہ، انہاک	دُھن	دولت، مال	دھن
خیال یا گمان	ظلن	عورت	زن
وقت صبح	سَخْر	جادو	سحر



آواز	صدا	ہمیشہ	سدا
دنیا جہان، حالت یا کیفیت	علم	ذی علم	علم
ورزش کرنا	گسرت	زیادتی	کثرت
یاقوت، ایک قیمتی پتھر کا نام	لعل	سرخ	لال
بھرا ہوا، پُر ورنق	معمور	مقصر	مامور
باریک بات، دیقین خیال	ٹکنے	صفر، بندی	نقطہ



رموزِ اوقاف

رموزِ رمزی جمع ہے، جس کے لغوی معنی اشارہ کے ہیں اور اوقاف وقف کی جمع ہے، جس کے معنی توقف یا ٹھہراؤ کے ہیں، چنانچہ رموزِ اوقاف کے معنی ہوئے توقف یا ٹھہراؤ کے اشارے۔ رموزِ اوقاف سے مراد وہ علامتیں ہیں جو تحریر میں ایک جملے کو دوسرے جملے سے یا کسی جملے کے ایک حصے کو دوسرے حصوں سے علیحدہ کریں۔ ان مفید علامتوں کو بہت سے لوگ ضرورت کے مطابق استعمال نہیں کرتے، حالانکہ کلام کی وضاحت، معنویت اور صحیح خوانندگی کے لیے ان کا استعمال بہت اہم ہے۔ جس طرح تحریر میں اضافت کی زیر اور تشدید لگانا ضروری ہے، اسی طرح رموزِ اوقاف، جس کو انگلش میں Punctuation کہتے ہیں، کی علامتیں لگانا بھی لازمی ہے، کیوں کہ علاماتِ وقف کی مدد سے، جہاں قاری (پڑھنے والا) عبارت کو بڑی روانی اور سہولت کے ساتھ پڑھتا چلا جاتا اور عبارت کے مفہوم کو بخوبی سمجھ لیتا ہے، وہیں لکھنے والا بھی سوچ سمجھ کر قلم چلاتا ہے۔ ہر چند ادویہ میں رموزِ اوقاف کے طور پر کافی علامتیں استعمال ہوتی ہیں تاہم طلبہ کے لیے درج ذیل بالعموم استعمال ہونے والی علامتوں کا سیکھنا از بس ضروری ہے۔ انگلش میں بھی یہ علامتیں تقریباً اسی طور پر استعمال ہوتی ہے۔

انگلش نام	شکل و صورت	نام علامت
Comma	,	سکتہ یا وقفِ خفیف
Semi Colon	:	وقفہ یا نصف وقف
Colon	:	رابطہ یا وقفِ لازم
Full Stop	-	نہتہ یا وقفِ مطلق
Sign of Interrogation	?	سوالیہ یا استفہامیہ
Sign of Exclamation	!	نداشیہ یا فوجی کشیہ
Inverted Commas	“ ”	واوین
Brackets	()	قوسین



سکتهٔ پا وقف خفیف (Comma) ، (1)

یہ علامت تحریر میں سب سے کم توقف کے لیے استعمال ہوتی ہے، جس لفظ کے بعد یہ علامت آئے وہاں قاری کو بغیر سانس ٹوٹے بالکل ذرا سی دیر کے لیے ٹھہرنا چاہیے۔ مثلاً:

- (ii) دن ہو کر رات، سفر ہو کے حضر، خلوت ہو کے جلوٹ، انسان کو چاہیے کہ وہ کسی لمحے بھی اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے۔

(iii) کراچی، حیدر آباد، کوئٹہ، ملتان، لاہور اور پشاور پاکستان کے بڑے بڑے شہر ہیں۔

: (Semi Colon) وقفه يانصف وقف (2)

یہ علامت سکتہ سے ذرا زیادہ ٹھہراؤ کے لیے آتی ہے۔ یہ علامت دو مقاصد کے تحت استعمال ہوتی ہے: جب ایک طویل جملے میں چھوٹے چھوٹے جملے آئیں یا کسی جملے کے مختلف اجزاء پر زور دینا مقصود ہو۔ مثلاً:

- (i) مولانا حالی کی مسدّس، یادگارِ غالب، حیات جاوید؛ ڈپٹی نذیر احمد کی توبۃ النصوح، مرآۃ العروض، ابن الوقت؛
مولانا شبلی عجمی کی سیرت النبی خاتم النبیین ﷺ، الفاروق، المامون پڑھنے اور بار بار پڑھنے کے قابل ہیں۔

(ii) جو کرے گا، سو بھرے گا؛ جو بوئے گا، سو کاٹے گا۔

(iii) آنا، تو خفا آنا؛ حانا تو رُلا حانا۔

راپطہ یا وقف لازم (Colon) (3)

اس علامت کا ٹھہراؤ و قفسے سے قدرے زیادہ ہوتا ہے۔ اس علامت کو وقف لازم بھی کہا جاتا ہے اور اس کا عام طور پر استعمال وہاں کیا جاتا ہے، جہاں جملے کے سابقہ خیال یا بات کی شریح یا تصدیق کی جاتی ہے۔ یا مختصر مقولے یا ضرب المثل کو بیان کرنا ہو۔ چونکہ تفصیلہ (Colon and Dash) کی علامت عام استعمال میں جگہ نہیں پا سکی اس لیے تفصیلہ کی جگہ بھی رابطہ ہی کی علامت لکھتے ہیں۔ مثلاً:

- (i) کسی حکیم کا قول ہے: آپ کاج، مہما کاج
 (ii) سچ ہے: گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
 (iii) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تم کسی کے معبدوں کو بُرا ملت کہو، ورنہ وہ تمہارے معبدوں کو بُرا کہیں گے۔

- ختمه با وقف مطلق (Full Stop) (4)

یہ علامت، جسے انگلش میں فُل اسٹاپ (Full Stop) کہتے ہیں، نقطے سے ذرا بڑی ہوتی ہے اور تحریر میں جملے کے خاتمے پر اس وقت لگائی جاتی ہے، جہاں ٹھہر اور بھر بور ہوتا ہے۔ مثلاً:

- (i) جب طبیعت خراپ ہو تو کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہو سکتا۔

- (ii) دنیا آخرت کی حیثیتے۔ (iii) مجھے پھل بہت پسند ہیں۔

؟ (Sign of Interrogation) سوال پر استفہا میں (5)

علامت کسی سوالیہ جملے کے آخر میں لگائی جاتی ہے۔ جسے:



(i) کیا ہے؟ (ii) آج کون سی تاریخ ہے؟ (iii) یہ کتاب کس کی ہے؟

(6) ندانیہ یا خجھائیہ (Sign of Exclamation)

(الف) یہ علامت دراصل لفظ ”ندا“ کا مخفف ہے اور الف اور نون کا نقطہ ملا کر بنائی گئی ہے۔ یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے جہاں کسی کو نداد دینا یا پکارنا یا خطاب کرنا مقصود ہو۔ جیسے:

(i) احمد! ادھر آؤ۔ (ii) خدا یا! رحم فما۔ (iii) ارے بھائی! ذرا میری بات سنو۔

(ب) جب کسی بھی جذبے مثلاً: خوشی، غم، حیرت یا ادب وغیرہ کا اظہار کا موقع ہو تو بھی یہی علامت استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً:

(i) معاذ اللہ! (ii) اُف! میرے پاؤں میں سخت تکلیف ہے۔

(iii) وہ اور حرم! اس کی امید فضول ہے۔

اس صورت میں اس علامت کو فجائیہ کہتے ہیں اور اس کے لیے بھی وہی علامت استعمال کرتے ہیں جو ندانیہ جملوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

(7) داوین (Inverted Commas)

اس علامت کا استعمال کسی قائل کا قول میں وغیرہ اسی کے الفاظ میں درج کرتے وقت کیا جاتا ہے اور یہ علامت قول کے آغاز اور اختتام پر لگائی جاتی ہے۔ جیسے:

(i) باپ نے کہا: ”بیٹا! منہت کرو، منہت کا پھل ضرور ملے گا۔“

(ii) قائدِ اعظم کا قول: ”اتخاد، یقین، محکم اور تنظیم، ہمارے لیے آج بھی مشعلی راہ ہے۔

(iii) ابنِ عربی کا قول ہے: ”سفر و سیلہ ظفر ہے۔“

(8) قوسین (Brackets)

اس علامت میں ایسے وضاحتی الفاظ یا جملے لکھے جاتے ہیں جو لفظِ مفترضہ یا جملہ مفترضہ کے طور پر آتے ہیں اور انھیں حذف کر دینے سے عبارت کے ربط و تسلسل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسے:

(i) انور صاحب (مرحوم) سے ہمارے بھی پرانے تعلقات تھے۔

(ii) اب تو اسی تنوہ میں (وہ جتنی بھی ہے) گزارہ کرنا ہو گا۔

(iii) میرا گھر (مکان کا وہ حصہ جس میں میری سکونت ہے) بوسیدہ ہو گیا ہے۔

سابقے اور لاحقے

اردو زبان میں سابقوں اور لاحقوں کی اہمیت کسی بیان کی محتاج نہیں۔ ان کی مدد سے بے شمار نئے نئے الفاظ بننے رہتے ہیں اور زبان کا دائرة وسیع سے وسیع تر ہوتا رہتا ہے۔ اردو میں ہندی، فارسی اور عربی کے بیشیوں سابقے اور لاحقے مستعمل ہیں اور یہ عمل جاری و ساری ہے۔



سابقہ سے مراد وہ علامت ہے جو نیا لفظ یا نئی ترکیب بنانے کے لیے کسی لفظ کے شروع میں لگائی جائے اور لاحقہ سے وہ علامت مراد ہے جو کسی لفظ کے آخر میں لگائی جائے۔ مثلاً: خود غرض، خود شناس، خود پسند، خود مختار وغیرہ الفاظ میں ”خود“ سابقہ ہے۔ اسی طرح خطرناک، دردناک، غم ناک، خوفناک وغیرہ الفاظ میں ”ناک“ لاحقہ ہے۔

طلبہ کی سہولت کے لیے چند مشہور سابقے اور لاحقے درج ذیل ہیں:

سابقے

آن	آن پڑھ، آن مول، آنجان، آن گنت، آن تھک، آن دیکھا، آن کہی، آن ہونی
اہل	اہل بیت، اہل نظر، اہل کمال، اہل قلم، اہل وطن، اہل علم، اہل حدیث
با	با ادب، با خدا، با وفا، با وقار، با کمال، با قاعدہ، با اثر، با ضابطہ، با وضو
بد	بد چلن، بد نصیب، بد شکل، بد مزاج، بد اخلاق، بد اصل، بد بخت
بر	برآمد، برآمدہ، بر باد، بر پا، بر تر، بر حق، بر خاست، بر طرف، بر عکس، بر قرار، بر وقت، برداشت
بلا	بلا امتیاز، بلا ناغہ، بلا قیمت، بلا جاگزت، بلا رادہ، بلا تکلف، بلا تاثل
بلند	بلند کردار، بلند نظر، بلند ہمت، بلند اقبال، بلند فطرت، بلند پرواز، بلند آواز
بن	بن بليا، بن دیکھا، بن بیاہا، بن داموں، بن روئے
بے	بے ادب، بے علم، بے عقل، بے خبر، بے نصیب، بے مثال، بے پروا، بے کار
پر	پر دیس، پرایا، پر چون، پر چھائیں، پر دادا، پر نانا، پرتال، پرسال
پر	پر جوش، پر کیف، پر ہول، پر درد، پر وقار، پر آب، پر آشوب، پر معنی، پر نعم
پس	پس منظر، پس ماندہ، پس پرده، پس خورده، پس انداز، پس خیمه
پیش	پیشانی، پیشاب، پیش بندی، پیش خدمت، پیش خیمه، پیش دست، پیش رفت، پیش رو، پیش قدی، پیش گو
چو	چو بارہ، چو پایی، چو پال، چو پڑ، چو تھائی، چو راہا، چورس، چوسر، چوکور، چو گھٹی
خر	خر گوش، خر گس، خر مست، خر سنگ، خر مہر، خر گاہ
خوب	خوب صورت، خوب صورتی، خوب رو، خوب روئی، خوب سیرت
خود	خود غرض، خود غرضی، خود راو، خود فریب، خود آرا، خود آشنا، خود ارادیت، خود پسندی، خود نمائی
خوش	خوش بُو، خوش خلق، خوش باش، خوش گلو، خوش دامن، خوش مزاج، خوش خط
دار	دار پرده، دار پیپے، دار پیش، دار کار، دار ہم، دار میان، دار ماہد، دار انداز، دار گزر، دار آمد، دار خواست، دار کنار، دار یافت
زیر	زیر سایہ، زیر علاج، زیر دست، زیر لب، زیر بار، زیر حراست، زیر جامہ



زُودپیمان، زُودرنج، زُودهضم، زُوداشر، زُودفهم، زُودنویس، زُودگو، زُودخیز	زُود
سرچڑھا، سربلند، سربمہر، سرپرست، سرخیل، سررشته، سرزیین، سرسبز، سرشاری، سرگزشت	سر
شاہراہ، شہرگ، شہباز، شہتوت، شہ بالا، شہسوار، شہ سواری، شہزاد، شہزاد، شہزاد	شاہ/شہ
غیرمکن، غیرمعمولی، غیرموزوں، غیرذمہ دار، غیرحاضر، غیرآباد، غیرمستقل، غیرمشروط	غیر
کم نظر، کم ظرف، کم بہت، کم حوصلہ، کم عقل، کم گو، کم خرچ، کمزور	کم
لازوال، لاحصل، لااعلاج، لاوارث، لاتعداد، لا جواب، لاولد، لاثانی	لا
مہابلی، مہابھارت، مہابیر، مہاپاپ، مہا بھجال، مہا جن، مہا جنت، مہاراج، مہا منتری	مہا
نا بکار، نامراد، نالائق، ناتواں، نادان، ناجائز، ناپاک، ناجربہ کار، نابالغ، نادانستہ	نا
نوعمر، نوجوان، نوخیز، نونہال، نومسلم، نووارد، نوزائیدہ، نوبہار، نوآموز، نوآباد	نو
نیم جان، نیم روز، نیم حکیم، نیم ملّا، نیم مردہ، نیم پختہ، نیم برہنہ، نیم بکل، نیم کش	نیم
هم سفر، هم صیف، هم راز، هم نام، هم وطن، هم جماعت، هم چشم، هم خیال، هم پلّه	هم
یک رنگ، یک زبان، یک دل، یک لخت، یک دم، یک جھنی	یک



لاحقة

خیراندیش، بداندیش، مصلحت اندیش، دوراندیش، غلطاندیش، عاقبت اندیش	اندیش
نفرت انگیز، حیرت انگیز، عبرت انگیز، دردانگیز، فکر انگیز، تعجب انگیز، حل انگیز	انگیز
خلل انداز، دست انداز، دست اندازی، دراندازی، رخنه انداز، رخنه اندازی، تیرانداز، تیراندازی، پس انداز، نگاه انداز، نگاه اندازی	انداز/اندازی
سرہانه، اگلشانه، دستانه، مردانه، زنانه، سالانه، جاہلانه، عالمانه، ماہانه، مستانه، دوستانه، طلبانه	انه
رکاوٹ، بناؤٹ، لگاؤٹ، پھیلاؤٹ، سجاوٹ، گلاؤٹ، ملاوٹ، گللاوٹ، کساوٹ	اوٹ
اخیمن آراء، جہاں آراء، بزم آراء، صفح آراء، عالم آراء، مند آراء، گلیت آراء	آراء
خون آلود، خون آلوده، زنگ آلوده، زنگ آلود، گرد آلود، گرد آلوده، غبار آلود، غبار آلوده، قهر آلود، قهر آلوده، خشم آلود، خشم آلوده، عرق آلود، عرق آلوده	آلود/آلوده
تناور، زور آور، زور آوری، دلاور، دلاوری، بختاور، حملہ آور، نشہ آور، زبان آور، نام آور، گرد آور، گرد آوری، دست آور، تد آور، قد آوری	آور/آوری





باز/بازی	آتش باز، دھوکه باز، دغا باز، بیٹر باز، پتیگ باز، جاں باز، جاں بازی، پچھڑ باز، پچھڑ بازی، راست باز، راست بازی، شطرنج باز، شطرنج بازی، فقرے باز، فقرے بازی
بان	در بان، شتر بان، فیل بان، مہربان، باغبان، ساربان، نگہبان، گله بان، میز بان
بخش	فرحت بخش، منفعت بخش، جان بخش، حیات بخش، خدا بخش، صحبت بخش، مولا بخش
بردار	علم بردار، ناز بردار، فرمال بردار، مشعل بردار، حاشیه بردار، عصا بردار، کمال بردار
بند/بندی	از از بند، هتھیار بند، نقش بند، نظر بندی، نظر بندی، از از بندی، پابندی، پابندی، ترکیب بند، حلقة بندی، جماعت بندی، زبان بندی، صفت بندی، فرقه بندی، دستار بندی، گلو بند
بین	بار یک بین، پیش بین، تماثل بین، خور دیں، کوتاه بین
پرداز	کار پرداز، انشا پرداز، فتنه پرداز، ہنگار پرداز، لرقه پرداز، شکم پرداز، غزل پرداز، گلتہ پرداز
پرست/پرستی	آتش پرست، بت پرست، حق پرست، خود پرست، سر پرست، زر پرست، قدمات پرست، قدامت پرست، قدرامت پرستی
پرور/پروری	بنده پرور، بنده پروری، ذرّه پروری، تن پرور، تن پروری، سخن پرور، سخن پروری، احباب پرور، احباب پروری، غریب پرور، غریب پروری، کنه پرور، کنه پروری، قوم پرور، قوم پروری
پن	گنوار پن، بچپن، لڑکپن، دیوانه پن، بھولپن، اکھڑپن، بائپن
پوش	میز پوش، سفید پوش، سرخ پوش، سیاه پوش، پاپوش، گرد پوش، کبل پوش، پلنگ پوش
پچی	طلپچی، طنور پچی، بندو قچی، نقار پچی، تو پچی، خزا پچی، کبا پچی
چیل	گل چیل، گل چینی، سنگ چیل، سنگ چینی، ناخن چیل، ناخن چینی
خانه	قید خانه، پاگل خانه، جیل خانه، کارخانه، چھاپه خانه، شراب خانه، پاچانه، باور پچی خانه، قمارخانه، شفاغانه، بت خانه، غریب خانه، غسل خانه، کبوتر خانه
خواں/خوانی	ناظرہ خواں، ناظرہ خوانی، مولود خواں، مولود خوانی، قرآن خواں، قرآن خوانی، قصہ خواں، قصہ خوانی، فاتحہ خواں، فاتحہ خوانی، کتاب خواں، کتاب خوانی، شاخواں، شاخوانی، نعث خواں، نعث خوانی، مرثیہ خواں، مرثیہ خوانی، نوحہ خواں، نوحہ خوانی
خواه	خیرخواه، تختخواه، بدخواه، قرضخواه، خاطرخواه، ہی خواه، لخواه، عذرخواه، دادخواه
خورخوره	چغل خور، چغل خوری، غوط خور، حرام خور، حلال خور، روزہ خور، آدم خور، مردار خور، بیان خور، شراب خور، آب خوره، خیرات خوره، میل خوره
خیز	زرخیز، مردم خیز، نوچیز، سحرخیز، فتنه خیز، بلا خیز، دھماکا خیز، تجرب خیز، قیامت خیز
دار	وفادار، چہاں دار، داغدار، جاندار، سمجھدار، سرمایہ دار، تاجدار، آبدار، پھرے دار





دان	قلم دان، قدردان، پان دان، عطردان، سیاست دان، ریاضی دان، نکته دان
رسان	چنگی رسان، خبر رسان، فیض رسان، هراغ رسان، پیغام رسان، ضرر رسان، ایده رسان، نفع رسان
زار	لاله زار، سبزه زار، چمن زار، ریگ زار، گل زار، مرغزار، خارزار، بازار
زده رزدگی	آفت زده، آسیب زده، مصیبت زده، غم زده، آتش زده، ملامت زده، تکلیف زده، وحشت زده، بیت زده
سازرسازی	قانون ساز، قانون سازی، جلد ساز، جلد سازی، دوا ساز، دوا سازی، زمانه ساز، زمانه سازی، حیله ساز، حیله سازی، چاره ساز، چاره سازی، سخن ساز، سخن سازی، حیله ساز، حیله سازی
ستان	کوهستان، گستاخ، خارستان، پاکستان، بلوچستان، افغانستان، هندوستان، قازاقستان، ازبکستان، ترکستان، ترکمنستان، نخستستان، قبرستان، کافرستان
شکن	بت شکن، بت شکنی، حوصله شکن، قانون شکن، قانون شکنی، دندان شکن، پیان شکن، پیان شکنی، خجیر شکن، عهد شکن، عهد شکنی، دل شکن، دل شکنی
شناس	اداشناس، مراج شناس، حق شناس، خودشناس، موقع شناس، قدرشناش، روشناس، فیض شناس
طلب	خیر طلب، آرام طلب، انصاف طلب، محنت طلب، جفا طلب، شهرت طلب، مرمت طلب
فروش	جو فروش، سرفروش، گل فروش، ضمیر فروش، کتب فروش، برده فروش، غله فروش
کار	پیش کار، بے کار، تخم کار، آزموده کار، کاشت کار
کده	بت کده، آتش کده، دولت کده، آرام کده، نعمت کده، خصم کده، غم کده، حیرت کده
گار	پروردگار، کردگار، روزگار، خدمتگار، پرهیزگار، مددگار، کامگار، طبلگار، سازگار
گاه	آرامگاه، پناهگاه، بارگاه، شکارگاه، قیامگاه، چراگاه، عیدگاه، شکارگاه، کمینگاه
گر	آهمنگر، بازیگر، کارگر، کاریگر، زرگر، غارتگر، جادوگر، چارهگر، دریوزهگر، شیشهگر، کیمیاگر، فتنهگر
گزار	کارگزار، تجدیگزار، سپاسگزار، بایانگزار، اطاعتگزار، خدمتگزار، شکرگزار
گو	حق گو، بدگو، بیچوگو، داستان گو، دروغ گو، بسیار گو، قصه گو، زودگو، راست گو، قانون گو، غزل گو
گیر	بغل گیر، خبرگیر، دستگیر، دامنگیر، راهگیر، دلگیر، عالمگیر، ماہیگیر، جاگیر، بختگیر
مند	حاجت مند، درمند، دولتمند، فتح مند، خردمند، تنومند، هشمند، آرزومند، غرضمند
ناک	خطرناک، دردناک، غم ناک، دهشت ناک، افسوس ناک، بیت ناک، عبرت ناک
نشین	خاکنشین، کرسی نشین، دلنشین، صحرائشین، گوشه نشین، خلوت نشین، تخت نشین، سجاده نشین، بوریا نشین





نویس	خوش نویس، اخبار نویس، خانہ نویس، عرضی نویس، چھٹی نویس، نمر و نویس، خلاصہ نویس، نقشہ نویس، وقائع نویس، لغت نویس
ور	سخن ور، دیدہ ور، دانش ور، تا جور، پیشہ ور، طاقت ور، جانور، بہرہ ور، ہنر ور، نامور
یاب	فتح یاب، هزا یاب، ظفر یاب، کمیاب، فیض یاب، کامیاب، زریاب، دستیاب، نایاب



﴿ مُرْكَب ، مُرْكَبَاتِ کی اقسام ﴾

مرکب/کلام: دو یادو سے زیادہ بامعنی لفظوں کے مجموعے کو مرکب یا کلام کہتے ہیں۔ جیسے: میری کتاب۔ بچہ نیک ہے۔

مرکب/کلام کی قسمیں: (الف) مرکب ناقص (ب) مرکبِ تام

(الف) مرکب ناقص: وہ مرکب ہے جس سے کہنے والے کا مقصد پورا نہ ہو اور بات سننے والے کی سمجھ میں پوری نہ آئے۔ جیسے: تیز گھوڑا۔ نیک آدمی۔ رات اور دن۔ ان مرکبات سے کہنے والے کا مقصد سننے والے کی سمجھ میں پوری طرح نہیں آتے۔

مرکب ناقص کی قسمیں:

- | | | | |
|-----------------|------------------|----------------------|----------------------|
| (۱) مرکبِ اضافی | (۲) مرکبِ توصیفی | (۳) مرکبِ عطفی | (۴) مرکبِ عدی |
| (۵) مرکبِ اشاری | (۶) مرکبِ جاری | (۷) مرکبِ تابع موضوع | (۸) مرکبِ تابعِ مہمل |

۱۔ مرکبِ اضافی: دو اسموں میں تعلق پیدا کرنا اضافت کہلاتا ہے۔ مثلاً محمود کی کتاب۔ خدا کا بندہ۔ مدرسے کے لڑکے۔ ان تینوں مجموعوں میں کتاب کا تعلق محمود سے، بندہ کا تعلق خدا سے اور لڑکے کا تعلق مدرسے سے پیدا کیا گیا ہے۔ جس سے تعلق پیدا کیا گیا ہے وہ مضاف الیہ اور جس کا تعلق پیدا کیا گیا ہے وہ مضاف کہلائے گا۔ اسی مضاف الیہ اور مضاف کے مجموعے کو مرکب اضافی کہتے ہیں۔ اردو میں مضاف الیہ پہلے اور مضاف بعد میں آتا ہے۔ عربی اور فارسی میں مضاف پہلے اور مضاف الیہ بعد میں آتا ہے۔ کا۔ کی۔ کے اضافت کی علامت ہیں۔

اضافت کی قسمیں:

- | | | | |
|------------------|---------------------|-------------------|--------------------------|
| (i) اضافتِ تمکنی | (ii) اضافتِ تخصیصی | (iii) اضافتِ توجی | (iv) اضافتِ ظرفی |
| (v) اضافتِ تشییی | (vi) اضافتِ استعاری | (vii) اضافتِ ابنی | (viii) اضافتِ بادنی تعلق |

۲۔ اضافتِ تمکنی: ایسے دلفظوں میں اضافت کرنا جن میں مضاف الیہ مالک اور مضاف مملوک ہو جیسے: ندیم کا گھر۔ فوزیہ کی کتاب۔ بادشاہ کا ملک۔

۳۔ اضافتِ تخصیصی: جس میں مضاف الیہ کی وجہ سے مضاف خاص ہو جائے مثلاً آم کا درخت۔ مدرسے کا حصہ۔

۴۔ اضافتِ توجی: ایسے دلفظوں کا مجموعہ جس میں مضاف الیہ کی وجہ سے مضاف کی وضاحت ہو جائے جیسے: جمع کا دان۔ رمضان کا مہینا۔





- ۷۔ اضافتِ ظرفی: جس میں مضاف الیہ اور مضاف میں سے ایک ظرف دوسرا مظروف ہو جیسے: پانی کا کنوں۔ دودھ کا گلاس۔
- ۷۔ اضافتِ بیانی: جس میں مضاف اپنے مضاف الیہ سے بناتا ہو جیسے: چڑے کا جوتا۔ مٹی کا برتن۔ سونے کی آگوٹھی۔
- ۷۔ اضافتِ تشبیہ: مضاف الیہ اور مضاف میں تشبیہ کا تعلق ہو جیسے: غصے کی آگ۔ نظر کا تیر۔ زلف کا سانپ۔
- ۷۔ اضافتِ استعاری: جس میں مضاف کو مضاف الیہ کا حصہ سمجھ لیا جائے لیکن حقیقت میں وہ اس کا جزو نہیں ہوتا جیسے: عقل کے ناخن۔ ہوش کے قدم۔
- ۷۔ اضافتِ رابنی: مضاف الیہ اور مضاف میں باپ، ماں یا بیٹے کا تعلق ہو جیسے: ابراہیم آزر۔ عیسیٰ مریم۔
- ۸۔ اضافتِ بادنی تعلق: جس میں مضاف الیہ اور مضاف میں معمولی تعلق ہو جیسے: ہمارا مدرسہ۔ تھمارا ملک۔ میرا محلہ۔
- ۲۔ مرکبِ توصیفی: وہ مرکب ہے جس میں اسم کے ساتھ اس کی صفت بھی شامل ہو اس طرح صفت اور موصوف کے مجموعہ کو مرکب توصیفی کہتے ہیں۔ مثلاً شریف آدمی۔ ٹھنڈا پانی۔ اردو میں صفت پہلے اور موصوف بعد میں آتا ہے لیکن عربی اور فارسی میں موصوف پہلے اور صفت بعد میں آتی ہے جیسے: رجلِ کریم (شریف آدمی)۔ مرد بزرگ (بڑا آدمی)
- ۳۔ مرکبِ عطفی: وہ مرکب ہے جو دو اسموں کو آپس میں ملانے کا کام دیتا ہے۔ ان دو اسموں کو ملانے کے لیے اردو میں ”اور“، فارسی میں ”و“، استعمال ہوتا ہے انھیں حروف عطف کہتے ہیں۔ حرف عطف سے پہلے آنے والے اسم کو معطوف الیہ اور بعد میں آنے والے اسم کو ”معطوف“ کہتے ہیں۔ اس طرح یہ مرکب معطوف الیہ، معطوف اور حرف عطف کا مجموعہ بھی کہلاتا ہے۔ مثلاً: اردو میں قلم اور دوات، سیب اور انگور اور فارسی میں صبح و شام۔ مردوزن۔ شام و سحر۔ شب و روز غیرہ مرکب عطفی ہیں۔
- ۴۔ مرکبِ عددی: وہ مرکب ہے جو کسی اسم کی تعداد یا لنتی کو ظاہر کرے جیسے: گیارہ کتابیں۔ بیس آم۔ چالیس جوته۔ ان میں گیارہ، بیس اور چالیس اس عدد اور کتابیں، آم اور جوته معدود ہیں اس طرح اسے اسم عدد اور اسم معدود کا مجموعہ بھی کہا جاتا ہے۔
- ۵۔ مرکبِ اشاری: وہ مرکب ہے جس میں کسی اسم کے لیے دور یا نزدیک کا اشارہ پایا جائے جیسے: یہ مسجد۔ وہ مدرسہ۔ ان میں ”یہ“ اور ”وہ“، اسم اشارہ ہیں۔ مسجد اور مدرسہ مشارِ الیہ ہیں۔ اس طرح سے اسے اسم اشارہ اور اسم مشارِ الیہ کے مجموعہ کا نام بھی دیا جاتا ہے۔
- ۶۔ مرکبِ جاری: یہ وہ مرکب ہے جس میں بات نامکمل ہونے کے ساتھ ساتھ ابھی جاری ہو اس طرح یہ مرکب حرفِ جار اور اسم مجرور کا مجموعہ ہے جیسے: گھر میں۔ لاہور سے۔ پشاور تک۔ چھٹ پر۔ ان میں، پر، تک، سے، میں، حرفِ جار اور حچھت، پشاور، لاہور، گھر اسی مجرور ہیں۔
- ۷۔ تابعِ موضوع: ایسے لفظوں کا مجموعہ جس میں ایک بامعنی لفظ کے ساتھ دوسرا بامعنی لفظ بلا ضرورت استعمال کیا جائے جیسے: دیکھ بھال۔ چال ڈھال۔ دانہ پانی۔ روکھی سوکھی اس مجموعے کو تابعِ موضوع کہتے ہیں۔
- ۸۔ تابعِ مہمل: ایسے لفظوں کا مجموعہ جس میں ایک بامعنی لفظ کے ساتھ دوسرا بامعنی لفظ بلا ضرورت استعمال کیا جاتا ہے مثلاً رولی و دوٹی۔ جھوٹ موت۔ خلط ملٹ۔ اس مجموعے میں بے معنی لفظ تابع کہلاتا ہے اور بامعنی لفظ کو متبوع کہتے ہیں۔ لہذا اس مجموعے کو مرکبِ تابعی بھی کہتے ہیں۔



(ب) مرکبِ تام: دو یادو سے زیادہ بامعنی لفظوں کا ایسا مجموعہ جس سے کہنے والے کا مقصد پورا ہو جائے اور سننے والے کو بات سمجھ میں آجائے جیسے: سعید آیا۔ اسلام نیک ہے۔

اسناد: کسی چیز کو دوسرے کے لیے ثابت کرنا جیسے: ”سعید آیا“، میں ”آیا“ کو سعید کے لیے ثابت کیا گیا ہے۔ جسے ثابت کیا جائے مُسند اور جس کے لیے ثابت کیا جائے وہ مُسند الیہ کہلاتا ہے۔ مثلاً اسلام ”نیک“ ہے۔ اس جملے میں نیک مُسند اور ”اسلام“ مُسند الیہ ہے۔ مُسند اسم اور فعل ہو سکتا ہے لیکن مُسند الیہ ہمیشہ اسم ہوتا ہے۔

مرکبِ تام کے دو حصے: (۱) مُسند (۲) مُسند الیہ

مرکبِ تام کی قسمیں: (۱) جملہ انشائیہ (۲) جملہ خبریہ

جملہ انشائیہ: وہ جملہ ہے جس میں فعل امر، فعل نہیں، سوال، نداء، تمنا پائی جائے جیسے: تو سبق پڑھ۔ اسلام شرارت نہ کر۔ کیا سعید نے کتاب پڑھی؟ اے اللہ! رحم کر۔ کاش! میں محنت کرتا۔ یہ تمام جملے انشائیہ ہیں۔

جملہ خبریہ: وہ جملہ جس میں کسی بات کی خبر دی جائے اور اس جملے کے بولنے والے کو جھوٹا یا سچا کہ سکتیں۔

جملہ خبریہ کی قسمیں: (۱) جملہ اسمیہ خبریہ (۲) جملہ فعلیہ خبریہ

جملہ اسمیہ خبریہ: وہ جملہ ہے جس میں مُسند اور مُسند الیہ دونوں اسم ہوں مثلاً سعید نیک ہے۔ اس جملے میں ”نیک“، اسم صفت مُسند اور ”سعید“، اسم مُسند الیہ ہے۔

جملہ اسمیہ کے اجزاء: (۱) اسم یا مبتدا (۲) متعلق خبر (۳) خبر (۴) فعل ناقص

جیسے: سعید گھر میں موجود ہے۔ اس جملے میں ”سعید“، اسم یا مبتدا ہے اور ”گھر میں“، متعلق خبر ہے۔ ”موجود“، خبر اور ”ہے“، فعل ناقص ہے۔

جملہ فعلیہ خبریہ: وہ جملہ جس میں مُسند فعل ہو اور مُسند الیہ اسم ہو جیسے: اسلام نے قلم سے خط لکھا۔ اس جملے میں ”لکھا“، مُسند فعل ہے ”اسلام“، مُسند الیہ ہے۔

جملہ فعلیہ کے اجزاء: (۱) فعل (۲) فاعل (۳) مفعول (۴) متعلق فعل

جیسے: اسلام نے قلم سے خط لکھا۔ اس جملے میں لکھا ”فعل“ ہے۔ اسلام ”فاعل“، خط ”مفعول“ اور قلم سے ”متعلق فعل“ ہے۔

ترکیبِ نحوی کی تعریف: جملے کے اجزا کو الگ الگ کرنا اور ان کے باہمی تعلق کو ظاہر کرنا ترکیبِ نحوی کہلاتا ہے۔



”نے“ اور ”کو“ کا استعمال

”نے“ کا استعمال

اردو زبان میں ”نے“ فاعل کی علامت ہے۔ اس کے استعمال میں احتیاط ضروری ہے:

- ۱۔ ”نے“ متعدد افعال میں فاعل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔
- ۲۔ فعل متعدد کے مضی مطلق، مضی قریب، مضی مشکیہ کے ساتھ ”نے“ استعمال ہوتا ہے جیسے: حسین نے کتاب پڑھی۔ حمزہ نے خط لکھا۔ مدثر نے قرآن پڑھا ہوگا۔
- ۳۔ بعض متعدد افعال ایسے ہیں جن کے فاعل کے ساتھ ”نے“ نہیں آتا مثلاً ”لانا“ اور ”بولنا“ کے افعال میں متعدد ہونے کے باوجود ”نے“ استعمال نہیں ہوتا۔
- ۴۔ افعال لازم کے فاعل کے ساتھ ”نے“ استعمال نہیں ہوتا۔ جیسے: دوڑا۔ رویا۔ چلا۔ بھاگا۔ کے ساتھ ”نے“ نہیں آتا۔
- ۵۔ بعض فعل لازم ایسے ہیں جن کے فاعل کے ساتھ ”نے“ آتا ہے جیسے: عزیز نے گلاس توڑا۔ رقیہ نے کھانا پکایا۔
- ۶۔ چاہنا مصدر کے فعل کے ساتھ ”نے“ آتا ہے۔ لیکن اگر فعل دل طبیعت جی ہوں تو ”نے“ کا استعمال نہیں ہوتا ہے جیسے: دل چاہا تو ضرور آؤں گا۔ طبیعت چاہی تو چلا جاؤں گا۔ جی چاہا تو آؤں گا۔
- ۷۔ مجھ اور تجھ اگر فعل ہوں تو ”نے“ نہیں آتا لیکن ان کے ساتھ کوئی صفت ہو تو ”نے“ استعمال ہو گا جیسے: مجھ بد نصیب نے یہ نہیں کیا تھا۔ تجھ شریف نے یہ کیوں کہا؟
- ۸۔ مصدر کے ساتھ ”نے“ کا استعمال غلط ہے۔ جیسے: امجد نے کتاب پڑھنا ہے۔ میں نے حج کرنا ہے۔ ان کی صحیح صورت یہ ہوگی: امجد کو کراچی جانا ہے۔ مجھے کتاب پڑھنا ہے۔ ہمیں حج کرنا ہے۔

”کو“ کا استعمال

اردو زبان میں ”کو“ مفعول کی علامت ہے جس کے استعمال میں احتیاط لازمی ہے:

- ۱۔ جب کسی جملے میں مفعول عاقل جاندار ہو تو اس کے ساتھ ”کو“ ضرور آتا ہے۔ جیسے: عثمان نے شاگرد کو پڑھایا۔ میں نے فرمان کو دیکھا۔
- ۲۔ اگر کسی جملے میں مفعول بے جان ہو تو ”کو“ نہیں آتا جیسے: میں نے کتاب پڑھی۔ طارق نے اخبار خریدا، بولنا چاہیے۔ ان جملوں میں ”کو“ کا استعمال غلط ہے۔
- ۳۔ مرکب مصدر جو محاورے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں وہاں ”کو“ کا استعمال غلط ہے جیسے: کمر باندھنا کے بجائے کمر کو باندھا۔ ہمت ہارنا کے بجائے ہمت کو ہارنا غلط ہو گا۔

۳۔ اگر کسی جملے میں جاندار و العقول دو مفعول ہوں تو ان میں دوسرے مفعول کے ساتھ ”کو“ استعمال کرنا لٹھیک ہو گا نہ کہ دونوں مفعولوں کے ساتھ ”کو“ استعمال کیا جائے۔ جیسے: اسماء نے بچہ اس کی ماں کو دیا۔ اس جملے میں ”بچہ“ اور ”ماں“ دونوں مفعول ہیں لیکن ”کو“ صرف دوسرے مفعول ماں کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔

فعل کی فاعل کے ساتھ مطابقت

- ۱۔ فعل لازم عام طور پر اپنے فاعل کے مطابق آتا ہے۔ فاعل کے واحد جمع۔ مذکور موتّث ہونے کی صورت میں فعل بھی اس کے مطابق ہو گا۔ جیسے: علی آیا۔ لڑکے بھاگے۔ لڑکی دوڑی۔ لیکن اگر فعل متعدد ہو تو فعل مفعول کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے مثلاً میں نے کیلا کھایا۔ میں نے کیلے کھائے۔ یا میں نے کیلا کھایا۔ صباۓ روٹی کھائی۔ ہم نے روٹی کھائی۔ اگر مفعول کے بعد ”کو“ استعمال ہو تو فعل واحد مذکور ہو گا۔ مثلاً اسماء رہنے نے عمر کو مارا۔ عمر نے سارہ کو مارا۔ شہر یا رنے کبریوں کو مارا۔ لڑکیوں نے کتنے کو مارا۔
- ۲۔ فاعل اگر اسم جمع ہو تو فعل واحد آئے گا۔ جیسے: فوج نے جملہ کیا۔ جماعت کراپی چلی گئی۔ رویڑ جگل میں چرہا ہے۔
- ۳۔ جب دو اسم بغیر حرف عطف اکٹھے آئیں تو فعل جمع آئے گا۔ جیسے: حسیب، منیب اور مجیب آئے۔
- ۴۔ جب دو اسم بغیر حرف عطف اکٹھے آئیں اور آخر میں ”دونوں“ کا لفظ لکھا جائے تو فعل جمع آئے گا۔ جیسے: سعد اور لیں دونوں آگئے۔
- ۵۔ جب کسی جگہ بہت سے اسم آجائیں تو فعل آخري اسم کے مطابق آئے گا۔ جیسے: دس جگ پانچ پلیشیں، ایک گلاس ٹوٹ گیا یا ایک گلاس پانچ پلیشیں، دس جگ ٹوٹ گئے۔
- ۶۔ اگر بہت سے اسم ایک جگہ آئیں اور فعل ایک ہو اور آخر میں ”سب کچھ“ بڑھادیا جائے تو فعل واحد مذکور آئے گا۔ جیسے: سامان مکانات، دکانیں سب کچھ جل گیا۔
- ۷۔ اگر کسی جملے میں ضمیر جمع متكلّم ”ہم“ فعل ہو تو مذکور اور موتّث دونوں کے لیے ایک ہی فعل آتا ہے۔ جیسے: عورتوں نے کہا ہم آتے ہیں۔ مردوں نے کہا ہم آگئے ہیں۔ عورتوں نے کہا ہم آگئے ہیں۔ مردوں نے کہا ہم آگئے ہیں۔

اسم صفت اور اسمِ موصوف میں مطابقت

- ۱۔ صفت اور موصوف کے مذکور اور موتّث ہونے میں مطابقت ہونی چاہیے، جیسے: اچھا لڑکا۔ برے لوگ۔
- ۲۔ جو صفت واحد موتّث کے لیے آتی ہے وہی صفت جمع موتّث کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔ نیک لڑکی۔ نیک لڑکیاں۔
- ۳۔ عربی کے اسمائے صفات اردو میں مذکور موتّث اور واحد جمع میں ایک حالت پر رہتے ہیں۔ جیسے: شریف آدمی۔ شریف عورتیں۔
- ۴۔ صفت عدد تریتبی میں مذکور موتّث کے لحاظ سے موصوف اور اسم صفت میں مطابقت ہو گی۔ پانچواں لڑکا۔ پانچویں لڑکی۔ لیکن اعداد میں جمع نہیں آتی۔
- ۵۔ جب صفت خبر کے طور پر آئے اور علامت مفعول مذکور ہو تو فعل واحد آتا ہے جیسے: میں نے ان لوگوں کو مقابل سمجھا۔

اسم ضمیر اور مرجع کی مطابقت

اسم ضمیر

وہ اسم ہے جو کسی دوسرے اسم کی جگہ آتا ہے۔ جس اسم کی جگہ آتا ہے اسے ”مرجع“ کہتے ہیں۔

مرجع

ضمیر جس اسم کی جگہ یا اُس کے بد لے آرہا ہو اسے ”مرجع“ کہتے ہیں۔

- ۱۔ ضمیر کو اپنے ”مرجع“ کے مطابق آنا چاہیے۔ جیسے: اسامہ آیا اور وہ چلا گیا۔ شانزہ نے کتاب پڑھی اور وہ سوگئی۔
- ۲۔ ضمیر کی فاعلی، مفعولی اور اضافی حالت میں ضمیر اپنے مرجع کے مطابق آنی چاہیے۔
- ۳۔ ضمیر میں تذکیرہ و تائیث کا فرق نہیں ہے، لہذا مرجع کے ساتھ ضمیر کی مطابقت صینے اور تعداد کے مطابق ہو گی۔
- ۴۔ ضمیر واحد غائب دونوں کے لیے فعل لازم میں ضمیر صرف ”وہ“ آتی ہے لیکن فعل لازم کے علاوہ باقی ضمیر میں جمع غائب کے لیے الگ ہیں جیسے: علی رضا اور شہریار آئے اور وہ دونوں چلے گئے۔ دوسری مثال جیسے: مبشر اور مدثر دونوں اپنی جگہ بیٹھے، انہوں نے اپنی باتیں کیں اور کھانا کھانے لگے۔ پہلے جملے میں ”وہ“، ضمیر جمع کے لیے استعمال ہوئی اور دوسرے جملے میں جمع کے لیے ضمیر ”انہوں“ استعمال ہوئی۔ یہی حال واحد حاضر اور جمع حاضر کی ضمیر وہ کا ہے۔



تَلْفُظٌ

تَلْفُظٌ کے معانی ہیں الفاظ کو زیرِ زبر اور پیش کے لحاظ سے صحیح طرح ادا کرنا۔ اسی لیے الفاظ کا صحیح تَلْفُظ سکھنے کے لیے حرکات سے واقفیت ضروری ہے۔ حرکات ان علامات کو کہتے ہیں جو الفاظ کا تَلْفُظ واضح کرنے کے لیے ان کے مختلف حروف پر لگائی جاتی ہیں۔ اعراب کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ زبر	یہ علامت حرف کے اوپر لگائی جاتی ہے۔ (۱) اس علامت کو ”فتح“، بھی کہتے ہیں۔ جس حرف پر یہ علامت ہوگی وہ ”مفتوح“ کہلاتے گا۔ مثلاً ”تَلْفُظٌ“ کے الفاظ میں اول دونوں مفتوح ہیں۔ یا ”عَلَى“ میں اور دوں مفتوح ہیں۔
۲۔ زیر	یہ علامت حرف کے نیچے لگائی جاتی ہے۔ (۱) اس علامت کو ”كسرة“، بھی کہتے ہیں۔ جس حرف کے نیچے یہ علامت ہوگی اسے ”مكسور“ کہیں گے۔ مثلاً ”لَفْظٌ“ انسان میں الف مكسور ہے اور ”جَسْمٌ“ میں نج مكسور ہے۔
۳۔ پیش	یہ علامت حرف کے اوپر لگائی جاتی ہے۔ (۱) اس علامت کا دوسرا نام ”ضم“ ہے۔ جس حرف پر پیش ہوا سے ”مضموم“ کہتے ہیں۔ مثلاً ”خُرُوفٌ“ میں ح مضموم ہے۔ یا ”رَكَامٌ“ اور ”بَخَارٌ“ میں زادرب مضموم ہیں۔
۴۔ سکون	کسی حرف کو ساکن ظاہر کرنے کے لیے اس کے اوپر جرم یا سکون کی علامت لگادی جاتی ہے۔ مثلاً (م) جس حرف پر یہ علامت ہوگی وہ ”سَاكَنٌ“ کہلاتے گا۔ مثلاً ”لَفْظٌ“، ”عَقْلٌ“ میں ف ساکن ہے۔ ”حَرْفٌ“ میں ر ساکن ہے۔
۵۔ تشید	تشدید کو شد بھی کہتے ہیں۔ یہ علامت حرف کے اوپر لگائی جاتی ہے۔ مثلاً (ش) جس حرف پر یہ علامت ہوگی اسے ہم ”مشدّد“ کہیں گے اور اس حرف کی آواز ایسی ہوگی جیسے اسے دوبار پڑھا جا رہا ہو۔ لفظ ”تَلْفُظٌ“ میں ف پر تشید ہے۔ یا ”مشدّد“ میں پہلے ”د“ پر تشید ہے۔ ”مَعْلَمٌ“ میں ل مشدّد ہے اور بولے وقت اسے دوبار ادا کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا پانچ علامات اردو میں عام طور سے استعمال ہوتی ہیں لیکن ان کے علاوہ کچھ علامات ایسی بھی ہیں جو نسبتاً کم استعمال کی جاتی ہیں لیکن صحیح تَلْفُظ کے لیے ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔ یہ علامات حسب ذیل ہیں:

۱۔ مد	یہ علامت صرف الف پر لگائی جاتی ہے (۲) جس الف پر یہ ہوگی اسے ”الف مدد“، کہیں گے۔ جہاں یہ علامت ہو وہاں الف کو لمبا کر کے پڑھتے ہیں مثلاً آم۔ آن۔ آگ۔ وغیرہ
۲۔ کھڑی زبر	یہ علامت صرف عربی الفاظ میں استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً لفظ اسْتَقْنٌ میں ح پر کھڑی زبر ہے۔ اسی طرح عیسیٰ، موسیٰ اور اللہ پر بھی کھڑی زبر ہے۔
۳۔ کھڑی زیر	یہ علامت حرف کے نیچے لگائی جاتی ہے۔ جیسے آله، بعینہ، فی، نفسہ، بذاتہ، اور مشتبہ ہے وغیرہ



۴	اٹی پیش	یہ علامت پیش اور واو کی قائم مقام ہے۔ مثلاً داود کو اگر ہم ایسے لکھیں ”داو“ تو واو پر الٹی پیش لگائیں گے۔
۵	تو نین	اگر کسی حرف پر دوز بر لگادیں جیسے (آ) یا اس کے نیچے دوزیر جیسے (ا) یا اس کے اوپر دو پیش (ا) لگادیں تو اسے تنوین کہیں گے۔ یہ علامت اردو کے چند الفاظ میں استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً فوراً آنا۔ فاماً۔ نسلماً اور مشاراً الیہ وغیرہ

علامات کے علاوہ تلفظ کے سلسلے میں چند اور باتیں بھی جانتا ضروری ہیں:

- ۱۔ واو کی دواو ایزیں ہیں۔ اگر واو سے پہلے حرف پر پیش لگادیا جائے تو اس کی آواز پوری طرح ظاہر کر کے پڑھی جائے گی جیسے: خوب۔ بوب۔ نور۔ اس واو کو واو معروف کہتے ہیں۔ دوسرا واو، واو مجھول کہلاتا ہے۔ اس سے پہلے حرف پر کوئی علامت نہیں لگائی جاتی۔ مثلاً کو۔ بولو۔ سوچوا اور روکو وغیرہ
- ۲۔ واو کی طرح ”ی“ کی بھی دواو ایزیں ہیں۔ جس ”ی“ سے پہلے حرف کے نیچے زیر ہو گا اسے خوب ظاہر کر کے پڑھا جائے گا۔ مثلاً تیر۔ تیتر۔ پیر۔ کھیر۔ ہیر۔ ایسی ”ی“ کو یا ے معروف کہتے ہیں۔ دوسرا ”ی“ جس کے پہلے حرف کے نیچے علامت نہیں ہوتی، یا ے مجھول کہلاتی ہے۔ مثلاً۔ شیر۔ بیر۔ بیٹھوں کی سہولت کے لیے یا ے معروف کو ”چھوٹی ی“ اور یا ے مجھول کو ”بڑی ی“ بھی کہتے ہیں۔ اب ہم ذیل میں چند مشہور الفاظ کا تلفظ تحریر کرتے ہیں۔ ایک سالفظ رکھنے والے الفاظ کو سہولت کے لیے ایک جگہ پر جمع کر لیا ہے اور اعراب صرف ایک لفے پر لگائے ہیں۔

عَمَان	عَمْل	پہلے دونوں حرف مفتوح جیسے: غُض۔ مِرْض۔ بَدَن۔ بَدَل۔ اَدَب۔ اَذَل۔ بَشَر۔ حَمَد۔ فَلَك۔ شَفَق۔ عَدَد۔ چَنْ۔ نَمَك۔ سَحْر (بمعنی صح) غَلَط۔ شَرْف۔ مَش (بمعنی کہاوت) اور جنم وغیرہ
عَقْل	عَقْل	پہلا حرف مفتوح۔ دوسرا ساکن اور تیسرا بھی ساکن جیسے: اَصْل۔ اَمْن۔ اَمْر۔ بَرْق۔ تَرْك۔ جَذْب۔ ضَرْب۔ حَمْد۔ وَجْد۔ صَبْر۔ صَدْر۔ نَظَم۔ نَثْر۔ نَقْش۔ رَقْص۔ فَرْض۔ عَرْض۔ عَدْل۔ قَلْم۔ دَخْل۔ خَتْم۔ رَسْم۔ بَزْم۔ تَخْ۔ بَرْف۔ اَبْرَاوْرَجَش وغیرہ
جَسْم	جَسْم	پہلا حرف مکسر۔ آخری دونوں ساکن جیسے: اَسْم۔ حَرْص۔ ذَكْر۔ عَلْم۔ فَكْر۔ عَشْق۔ شَرْك۔ عَطْر۔ مَش (بمعنی مانند)۔ اَرْدَاوْرَگَر وغیرہ
شُكْر	شُكْر	پہلا حرف مضموم اور آخری دونوں ساکن جیسے: حَسْن۔ حَكْم۔ ظَلْم۔ عَذْر۔ كَفْر۔ جَرم اور بَغْض۔
آخْلَاق	آخْلَاق	پہلا اور تیسرا حرف مفتوح۔ دوسرا ساکن جیسے: اخْبَار۔ اَسْلَاف۔ اَقْسَام۔ اَفْوَاج۔ اَضْلَاع۔ الْقَاب۔ اَفْرَاد۔ یَسْب الفَاظ جمیع ہیں۔
أُمَّرَا	أُمَّرَا	پہلا حرف مضموم۔ دوسرا اور تیسرا مفتوح جیسے: عَلَم۔ غَرْبَا۔ فَقْرَا۔ شَعْرَا۔ شَهَدَا اور اَدَبَا۔ یَه الفَاظ بھی جمیع ہیں۔





پہلے دونوں حرف مفتوح، چوتھا مکسور جیسے: فوائد۔ قواعد۔ مقاصد۔ مساجد۔ مدارس۔ عقائد۔ مجالس۔ نتائج۔ وظائف۔ حقائق۔ ممالک۔ مشاغل۔ فضائل اور مناظر۔ یہ تمام الفاظ اسیم جمع ہیں۔	مَذَاهِبٌ	مَذَاهِبٌ
پہلے دو حرف مضموم، آخری دو ساکن جیسے: خلوص۔ وصول۔ حصول۔ فضول۔ عیوب۔ حدود۔ علوم۔ نجوم اور رسم، ان میں آخری پانچ لفظ جمع ہیں اور ان کے واحد ہیں: عیب۔ حد۔ علم۔ بخم اور رسم۔	جُلُوسٌ	جُلُوسٌ
پہلا حرف مفتوح۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مکسور جیسے: آخر۔ تاجر۔ باطن۔ باعث۔ صاحب۔ جاہل۔ جانب۔ بالغ۔ طالب۔ حاضر۔ ظالم۔ ساکن۔ بارش۔	عَالِمٌ	عَالِمٌ
پہلا حرف مضموم۔ تیسرا مکسور جیسے: مغلس۔ مخلص۔ منصف۔ مشق۔ مجرم۔ مشرك۔ مشکل۔ مومن۔ محسن۔ پہلا مضموم۔ دوسرا مفتوح۔ چوتھا مکسور جیسے: محافظ۔ موافق۔ مخالف۔ مجاہد۔ معالج۔ منافق۔ مطابق۔	مُسْلِمٌ	مُسْلِمٌ
پہلا حرف مضموم۔ دوسرا مفتوح۔ تیسرا مشدود مکسور جیسے: مبلغ۔ محقق۔ مردوج۔ مرتب۔ موافق۔	مُصَوَّرٌ	مُصَوَّرٌ
(نوٹ: اس فہرست کے الفاظ تو اعادی رو سے اسم فعل ہیں)		
پہلا مکسور۔ دوسرا مفتوح جیسے: کتاب۔ بساط۔ علاج۔ مزاج۔ جہاد۔ خلاف۔ فراق۔ وصال۔ قیام۔ نکات۔ صفات۔ آخری دو لفظ نکتہ اور صفت کی جمع ہیں۔	حِسَابٌ	حِسَابٌ
پہلا مضموم۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مفتوح۔ چوتھا مکسور پانچواں ساکن جیسے: مفترض۔ مشتعل۔ منتظر (معنی انتظار کرنے والا)۔ ملتمن۔ معتقد۔ منتشر۔ معرف۔	مُخْتَلِفٌ	مُخْتَلِفٌ
پہلا مضموم۔ دوسرا مفتوح۔ تیسرا مشدود مفتوح جیسے: کرم۔ منصل۔ مقدر۔ مثلث۔ مہذب۔ مردوج۔ مقدس۔ مسدس۔ مدل۔ مخفف۔	مُعَظَّرٌ	مُعَظَّرٌ
(نوٹ: اس فہرست کے الفاظ اسم مفعول ہیں۔ ان لفظوں کو اون لفظوں کے ساتھ ملا کر پڑھیں جیسیں ہم نے اس سے پہلے اسم فعل کہا تھا)		
پہلا مفتوح۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مضموم جیسے: مغلوب۔ مفتوح۔ مجرد۔ مذکور۔ محسوس۔ معقول۔ مقبول۔ مضمون۔ ممنون۔ موجود۔ مفقود۔	مَحْبُوبٌ	مَحْبُوبٌ
پہلا مضموم۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا اور چوتھا مفتوح جیسے: مختصر۔ منتظر (انتظار کیا گیا)۔ معتبر۔ منتخب۔	مُحْتَرَمٌ	مُحْتَرَمٌ
پہلا مکسور۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مفتوح جیسے: محراب۔ منقار۔ مضراب۔ مقراض۔ مقلاج۔ مصباح۔	مِعَارِجٌ	مِعَارِجٌ
پہلا مفتوح۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مکسور جیسے: مسجد۔ مغرب۔ محل۔ مجلس۔	مَذْنَبٌ	مَذْنَبٌ
پہلا مفتوح۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا اور چوتھا مفتوح جیسے: مقبرہ۔ مشغله۔ مشورہ۔ مسئلہ۔	مَذَرَسَه	مَذَرَسَه
پہلا مفتوح۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مفتوح جیسے: اکبر۔ مرکز۔ مصدر۔ مکتب۔ مطلع۔ مقطع۔	أَفْضَلٌ	أَفْضَلٌ





پہلا مکسور۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مفتوح جیسے: اخلاص۔ احسان۔ اقبال۔ انصاف۔ ادراک۔ انعام۔ ارشاد۔ ارسال۔ اصلاح۔ اظہار۔ اعرب۔ اعزاز۔ اقرار۔ افلاس۔ افطار۔ اکرام۔ الزم۔ امداد۔ امکان۔ ان لفظوں کو اس فہرست کے لفظوں کے ساتھ ملا کر پڑھیں جن کا پہلا لفظ ”اخلاق“ ہے۔ لفظوں کی پہلی صورت جمع کی ہے اور دوسرا مصدر کی۔	اُن ان ام	اسلام
پہلا مکسور۔ دوسرا ساکن۔ تیسرا مکسور۔ چوتھا۔ مفتوح جیسے: احترام۔ اجتناب۔ ابتداء۔ انتہا۔ اختتام۔ اختصار۔ اختلاف۔ اشتہار۔ اعتراض۔ اعتدال۔ اعتراض۔ اعتقاد۔ اعتقاد۔ امتحان۔ الہام۔ انتخاب۔ انبساط۔ انہصار۔ انحراف۔ انقلاب۔ اکشاف۔ انسار	اعتبار	اعتبار
پہلا مکسور۔ دوسرا مشدد مکسور۔ تیسرا مفتوح جیسے: اتفاق۔ اطلاع	اتحاذ	اتحاذ
پہلا اور دوسرا مفتوح۔ تیسرا مشدد مضموم جیسے: تخلص۔ خل۔ تدبر۔ تبسم۔ تحس۔ تشدد۔ تصوف۔ تعجب۔ تعلق۔ تعلم۔ تقریر۔ تنزل۔ تکف۔ تملک۔ توکل۔ تمدن	تَرْكُم	ترکم
پہلا مفتوح۔ تیسرا مکسور جیسے: تشریح۔ تقریر۔ تشید۔ تشریف۔ تشویش۔ تصدیق۔ تعمیر۔ تعییل۔ تقسیم۔ تقریب۔ تقدیس۔ تعظیم	تَعْظِيم	تعظیم
پہلا اور دوسرا مفتوح۔ چوتھا مضموم جیسے: تغافل۔ تعارف۔ تصادم۔ تقاوٹ۔ تدارک۔ تناول	تعاون	تعاون
پہلا اور تیسرا حرف مکسور۔ پانچواں مفتوح جیسے: استقبال۔ استعداد۔ استحکام۔ استغفار۔	استعمال	استعمال
پہلا حرف مکسور۔ دوسرا اور چوتھا مفتوح جیسے: اطاعت۔ اشاعت۔ اقامۃ۔ افاقہ۔ حکایت۔ عبارت۔ حمایت۔ تجارت۔ زیارت۔ رعایت۔ کتابت۔ سیاست۔	تلاوت	تلاوت
پہلا دوسرا اور چوتھا حرف مفتوح جیسے: امانت۔ بشارت۔ بغاوت۔ صداقت۔ سخاوت۔ نزاکت۔ ممتاز۔ وکالت	نفاست	نفاست
پہلا مفتوح۔ تیسرا مکسور۔ جیسے: معرفت۔ معرفت۔ معصیت	معذرت	معذرت
پہلا مضموم۔ دوسرا، چوتھا اور پانچواں مفتوح جیسے: مباحثہ۔ مبالغہ۔ محاصرہ۔ مرا سلمہ۔ مشاپدہ۔ معاملہ۔ معاوضہ۔ مشاہرہ۔ مقابلہ۔ مناظرہ۔ موازنہ۔ ملاحظہ	مشاغرہ	مشاغرہ
(اردو میں مفافعہ کے وزن پر آنے والے یہی مصادر و اسما بکسر عین بھی مستعمل ہیں)		
پہلا مضموم۔ دوسرا مفتوح مثلًا زکام۔ سوال	بُخَاز	بخاز
پہلے تینوں حروف مفتوح۔ تیسرا مشدد جیسے: مضرت۔ مذلت۔ مشقت۔ مسرت	مرحَبَث	مرحبث
پہلا مفتوح۔ تیسرا مفتوح جیسے: ساغر۔ آپ۔ مائم۔ کاغذ۔ ساعت	حاجَث	حاجث
پہلا اور دوسرا مفتوح۔ جیسے: جلال۔ کمال۔ زوال۔ سلام۔ کلام۔ نشاط۔ اذان۔ جہاز۔ شباب۔ خراب۔ بیان۔ طواف	حلَال	حلال



متفرق الفاظ کا مکلف

- ۱۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے پہلے حرف پر زبر ہے:
بہار۔ بلند۔ چکنا چور۔ ڈکار۔ گلساں۔ سمت۔ طلبہ۔ عمود۔ قلعہ۔ ہرن۔ گھپا۔ گھج۔ گواہ۔ گھمسان۔ گھسیرہ۔ مبادا۔ لٹاڑتا۔ متوا لا۔
محبّت۔ مذاق۔ مزار۔ مسافت۔ مہارت۔ نماز۔ نمک۔
- ۲۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے پہلے حرف کے نیچے زیر ہے:
خواں۔ خضر۔ خطاب۔ اکسیر۔ الائچی۔ چکنا ہٹ۔ رسالہ۔ رعایا۔ سفارش۔ شکار۔ شکوہ۔ عبادت۔ غذا۔ قیامت۔ قید میل۔
کردار۔ گلاس۔ مرچ۔ مزان۔ رکات۔ زنانوے۔
- ۳۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے پہلے حرف پر پیش ہے:
عنصر۔ عنوان۔ وصول۔ وضو۔ طفیل۔ سہانا۔ سنسان۔ گزارش۔ مدیر۔
- ۴۔ مندرجہ ذیل الفاظ پر واو مجهول ہے:
لومڑی۔ گوند۔ گھنگھور۔ شرابور۔ چڑور۔ ٹھہمول۔ غول۔
- ۵۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں واو معروف ہے:
لئڑورا۔ سونا۔ قیولہ۔ گھوست۔ بگولہ۔ بھوکا۔ ٹھونٹا۔
- ۶۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں واو سے پہلے حرف پر زبر ہے:
بوجھاڑ۔ بھوچکا۔ بوكھانا۔ جوق۔ گوندا۔
- ۷۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں یائے معروف ہے جیسے: آجیر ان۔ چہینتا۔ لیکھ۔
- ۸۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں یائے مجهول ہے جیسے: ٹھیس۔ ٹھیٹ۔ جھمیلا۔ جھیلنا۔ سوتیلا۔ رگیدنا۔
- ۹۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں نون کی آواز کو ظاہر کرنا لازم ہے: کنبہ۔ بھانجا۔ بھنک۔ دھنک۔ بھیانک۔ پھنسی۔ نک۔
- ۱۰۔ جن الفاظ میں ”ب“ سے قبول نہ کیا جائیں تو اس کو نون کی آواز میں مبدل جاتی ہے۔ مثلاً:
منبر۔ منبع۔ استنباط۔ دنبہ۔ تنبیہ۔ انبیا۔ عنبر۔ انبوہ۔
- ۱۱۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں واو معدولہ ہے۔ (واو کی آواز ظاہر نہیں ہوتی)
خواجه۔ خویش۔ خواب۔ خواہر۔ خواستگار۔ خوانخواہ۔ خوانچہ۔ خواہش۔ خوش، درخواست
- ۱۲۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں واو معدولہ نہیں، لہذا واو کی آواز ظاہر کرنا ضروری ہے جیسے: خواص۔ خواتین۔ خوازم۔

مندرجہ ذیل الفاظ کا تلفظ عام طور پر غلط ادا کیا جاتا ہے۔ درست تلفظ یہ ہے :

بے وقوف	وقوف کے پہلے واو پیش ہے
مبارک برکت دیا ہوا	'ر، پر زبر
خلط - ملط	دونوں لام ساکن
یکم - دوم - سوم	تینوں کا دوسرا حرف مضموم ہے
خود گشی	'ک، پر پیش
خیر مقدم	پہلا مفتون - 'ق، ساکن - 'د، مفتون
خراثا	'خ، مفتون - 'ر، مشدد مفتون
واویلا	دوسرہ واو مفتون
الحالہ	'م، پر زبر
مُتَّرِّجُ (ترجمہ شدہ)	'ج، پر زبر - 'ر، ساکن
مُتَّرِّجُ (ترجمہ کرنے والا)	'ج، مکسور ہے - 'ر، ساکن
جهنم	'ج، اور 'ه، پر زبر، 'ن، مشدد مفتون
چہلم	'ل، پر پیش
فرشتہ	'ف، - 'ر، مکسور
یوسف	'س، پر پیش
یونس	'ن، پر پیش
مُتَّحِدَة	میم پر پیش - 'ت، پر شد اور زبر - 'ح، کے نیچے زیر - 'د، پر زبر
مُنتَظر	انتظار کیا گیا
مُنتَظِر	انتظار کرنے والا
مصور	تصویر وں والا
مصور	تصویر بنانے والا



روزمرہ اور محاورہ

روزمرہ : اُس بول چال کا نام ہے جو خاص اہل زبان استعمال کرتے ہیں لیکن روزمرہ میں الفاظ کے استعمال کا ایک خاص انداز ہوتا ہے اور وہ الفاظ اپنے لغوی معنی دیتے ہیں۔ اس میں قیاس کو خل نہیں بلکہ ساعت پردار و مدار ہے۔ مثال کے طور پر انیس میں کے فرق کو ہم میں اکیس کا فرق اور دو چار ہاتھ کو دو پانچ ہاتھ نہیں کہ سکتے۔

محاورہ : دو یادو سے زیادہ الفاظ کا ایسا مجموعہ ہے، جس سے حقیقی کے بجائے مجازی معنی مراد لیے جائیں۔ مثال کے طور پر بزیغ دکھانا، آنکھ لگانا، یادِ اللہ ہونا، گھوڑے پیچ کرسونا وغیرہ۔

محاورہ زبان کا زیور ہے۔ اس کے مناسب اور بھل استعمال سے تحریر و تقریر میں ایک خاص قسم کی دل کشی اور حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ محاورے کے الفاظ میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی اسے قواعد زبان کے اصولوں کے خلاف استعمال کیا جاسکتا ہے۔ محاورے کے استعمال میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اور اس مقصد کے لیے اہل زبان کی تحریروں کا بغور مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ ہم ذیل میں اپنے طالب علموں کی سہولت کے لیے کچھ محاورات، ان کے معانی اور ان کا جملوں میں استعمال لکھے دیتے ہیں۔ طالب علموں پر لازم ہے کہ انھیں از بر کر لیں۔

محاورات	مفہوم	جملے
آبروخاک میں ملانا	ذلیل کرنا	اُس نے اتنے بڑے کام کیے کہ اپنے بزرگوں کی آبروخاک میں ملا دی۔
آپ سے باہر ہونا	حد درج کاغذہ	احمد گالی سن کر آپ سے باہر ہو گیا۔
آڑے آنا	مشکل میں کام آنا	سچا دوست وہی ہے جو مصیبت میں دوستوں کے آڑے آئے۔
آب و دانہ اٹھنا	رزق ختم ہونا	سچ ہے جب انسان کا آب و دانہ اٹھ جاتا ہے تو کوئی دوا کا گرنہیں ہوتی۔
آگ بکولا ہونا	بہت غصے میں آنا	وہ میری بات سنتے ہی آگ بکولا ہو گیا۔
آنکھیں چڑانا	نظریں بچانا	آنکھیں کیوں چڑاتے ہو، سچے ہو تو سامنے آ کر بات کرو۔
آفت کا پرکالہ ہونا	نہایت شرارتی	یہ بڑھیا تو آفت کا پرکالہ ہے، ادھر کی ادھر کا کروگوں میں بڑائی کر دیتی ہے۔
آسمان سے باہمیں کرنا	بلند و بالا	کوہ ہمالیہ کی چوٹیاں آسمان سے باہمیں کرتی ہیں۔
اپنا سامنھے لے کر رہ جانا	شرمندہ ہونا	احمد سے جب میری دلیل کا جواب نہ بن پڑا تو وہ اپنا سامنھے لے کر رہ گیا۔
اپنے منہ میاں مٹھو بننا	اپنی تعریف خود کرنا	اپنے منہ میاں مٹھو بننا کوئی خوبی نہیں، جزہ توبہ ہے کہ دوسرے لوگ آپ کی تعریف کریں۔

آدمی کو چاہیے کہ دوسروں کو فصیحت کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں بھی منہڈاں کر دیکھ لے۔	اپنے گریبان میں منہڈاں	اپنا جائزہ لینا
سامعین مقشر کی دل پذیر تقریر سن کر آش اش کراٹھے۔	جیران ہونا	آش اش کرنا
میاں! اگر تم حمارے بھی اللہ تعالیٰ رہے تو یہ دن بھیک مانگتے نظر آؤ گے۔	بے دریغ خرچ کرنا	اللہ تعالیٰ کرنا
نادر شاہ نے ایران سے آ کر دی کی اینٹ سے اینٹ بجادا۔	تبادہ و بر باد کرنا	اینٹ سے اینٹ بجانا
بیٹھے کی کامیابی کی خبر سن کر باپ کا دل باغ باغ ہو گیا۔	بہت خوش ہونا	باغ باغ ہونا
بڑھیا نے لڑکوں کو وہ بے نقط سنا تکیں کہ تو یہ بھلی۔	برا بھلا کہنا	بے نقط سنا نا
کسی مہم کو انجام دینے کا قائدِ عظیم نے بڑی عظیم کے مسلمانوں کو آزادی سے ہم کنار کرنے کا پڑا اٹھانا	ذمہ لینا	پڑا اٹھانا
یہ بستی بر سوں پہلے دریا برد ہو گئی تھی، اس وقت سے آج تک بے چراغ چلی آ رہی ہے۔	اجاڑ، سنسان ہونا	بے چراغ ہونا
فی زمانہ انسانوں کو اپنے بچوں کی خاطر بڑے پا پڑ بیلانا پڑتے ہیں۔	محنت مشقت کرنا	پا پڑ بیلانا
خدا کرے تم حمار کسی احمق سے پالانہ پڑے۔	واسطہ ہونا	پالا پڑنا
آپ نے میرے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا ہے۔	بر باد کرنا	پانی پھیر دینا
آج جب میں نے صدیقی صاحب کو غصے میں دیکھا تو یوں لگا جیسے کسی نے پانی میں آگ لگا دی ہو۔	متحمل مزاج کو بھڑکانا	پانی میں آگ لگانا
میرے ساتھ تین پانچ کرنے کی ضرورت نہیں، سیدھی طرح سے میری رقم واپس کرو۔	چھکڑا کرنا، بحث کرنا	تین پانچ کرنا
میں ہمیشہ چغل خوروں پر تین حرفاں بھیجتا ہوں۔	لعنت ملامت کرنا	تین حرفاں بھیجننا
حملہ کی تاب نہ لا کر کلکار کا شکر آن واحد میں تین تیرہ ہو گیا۔	منتشر ہونا	تین تیرہ ہونا
دوسری بیوی نے خاوند کو ایسا تنگی کا ناج نچایا کہ وہ دنیا ہی سے بیزار ہو گیا۔	بہت پریشان کرنا	تنگی کا ناج نچانا
اس پچھے کو چوت نہیں لگی، یہ سوے بہار ہا ہے۔	جھوٹ مٹوٹ رونا	ٹسوے بہانا
اس منکے کا حل میرے بس میں نہیں، یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔	کام کا مشکل ہونا	ٹیڑھی کھیر ہونا
بعض لوگ ایسے بے حس ہوتے ہیں، انھیں لا کھ سمجھا، مگر وہ اُس سے مُس نہ ہونا	ذریحی اثر نہ ہونا	اُس سے مُس نہ ہونا

جاءے میں پھولانہ سانا	بہت خوش ہونا	اکرم اپنی کامیابی پر جائے میں پھولانہ سماتا تھا اور خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹی محسوں ہوتی تھی۔
بھنے کی کوشش کرنا	بعض لوگ اپنے ہاتھ سے کچھ کام نہیں کرتے، محنت سے جی چراتے ہیں۔	بھنے کی کوشش کرنا
جلی ڈالنا	چھڑے کے کوار بڑھانا	کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بیچ بچاؤ کرانے کے بجائے جلتی پر تیل ڈالتے ہیں۔
جان پر کھلینا	انہائی مشکل کام کرنا	کمانڈوز نے جان پر کھلیل کر دہشت گردوں کو آن واحد میں ٹھکانے لگادیا۔
جلی کٹی سانا	بڑا بھلا کھانا	ساس بہوکی نہ بنتی تھی اور وہ اکثر ایک دوسرے کو جلی کٹی ساتی رہتی تھیں۔
چراغ پاہونا	غصے کی کیفیت	جب سے حامد نے سنا ہے کہ محمود اس کا مخالف ہے، تو وہ چراغ پاہے۔
چراغ خُجھی ہونا	مرنے کے قریب ہونا	میاں! ہمارا کیا ہے، ہم تو چراغ خُجھی ہیں۔ آج مرے کل دوسرا دن ہو گا۔
چھکے چھڑانا	حوال گم کرنا	مجاہدین نے پئے درپئے حملے کر کے شمن کے چھکے چھڑا دیے۔
چار چاند رکانا	قدرو قیمت بڑھانا	علام اقبال کے کلام نے اردو شاعری کو چار چاند لگادیے۔
چھاتی پر سانپ لوٹنا	حسد ہونا	پاکستان کی ترقی اور خوش حالی سے دشمنوں کی چھاتی پر سانپ لوٹ رہے ہیں۔
چھٹی کا دودھ یاد آنا	آرام کے دنوں کا یاد آنا	پولیس نے چور کی ایسی پٹانی کی کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔
حرف آنا	بدنا می ہونا	کوئی ایسا کام نہ کرو کہ بزرگوں کی عزت پر حرف آئے یا ان کے نام کو دھبٹا لگے۔
حوال باختہ ہونا	گھبرا جانا	خطرے کے وقت حواس باختہ نہیں ہونا چاہیے۔
خاطر میں نہ لانا	پروا نہ کرنا	خلیل اتنا خود پسند ہے کہ وہ اپنے مقابلے میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔
خاک چھاننا	بہت جتو کرنا	خاک چھاننے کا شوق خوف و خطر پر غالب آگیا۔
خون سفید ہونا	بے مرقت ہونا	کیا زمانہ آگیا ہے، عزیزوں اور قریبی رشتہ داروں کا بھی خون سفید ہو گیا ہے، کوئی کسی کا پرسان حوال نہیں رہا۔
خبر گرم ہونا	چرچا ہونا	یہ خبر گرم ہے کہ کل پورے ملک میں تعطیلیں عام ہو گی۔
داغ بیل ڈالنا	بنیاد رکھنا	ہے خبر گرم اُن کے آنے کی آج ہی گھر میں بوریانہ ہوا (غالب)
ڈول ڈالنا	بنیاد رکھنا	علام اقبال نے اردو شاعری میں ایک نئے انداز فکر کی داغ بیل ڈالی۔
دام میں آنا	جال میں پھنسنا	لوگوں نے بڑائی بھڑائی کی باتیں کیں مگر میں نے صلح صفائی کا ڈول ڈالا۔
دانست کھٹے کرنا	عاجز کرنا	اس آدمی کے دام میں نہ آنا، یہ بڑا مگار و عیار ہے۔
دست بردار ہونا	چھوٹ دینا	مشتعلی بھر مجاهدین نے کافروں کے لشکر گزار کے دانت کھٹے کر دیے۔

دل بھر آنا	غم گین ہونا	اس کی دکھ بھری داستان سن کر سب کا دل بھر آیا۔
دوڑھوپ کرنا	بہت کوشش کرنا	آپ اپنی دوڑھوپ جاری رکھیں، ان شاء اللہ منزل پانے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔
دامن تر ہونا	گناہ گار ہونا	مولانا! ہمیں ایسا بھی تردامن نہ سمجھ لینا تو بے کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔
دھان پان ہونا	دبلا پتلہ ہونا	قائدِ عظم دیکھنے میں دھان پان تھے مگر عزم و حوصلہ کے پھاڑ تھے۔
ڈکارتک نہ لینا	ہضم کر جانا	وہ لاکھوں کامال ہضم کرنے اور ڈکارتک نہ لی۔
ڈیرے ڈالنا	قیام کرنا	اُس آدمی کے گھر میں ایک عرصہ ہوا مفلسی نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔
ڈنکا بجنا	شہرت ہونا	شہر بھر میں صدقیقی صاحب کی شرافت اور نیکی کا ڈنکا بجتا ہے۔
رات دن ایک کرنا	سخت منٹ کرنا	اُس نے رات دن ایک کیا لیالت، ہم بچنچا ہی، تب اس مرتبے کو بچنچا ہے۔
راہی کا پھاڑ بانا	بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا	راہی کا پھاڑ بانا تو کوئی تم سے سکھے۔ کیا بات تھی اور تم نے کیا بنا دیا۔
رفوچکر ہونا	کھسک جانا	پولیس کو دیکھتے ہی دونوں ٹھنگ رفوچکر ہو گئے۔
رنگ فتنہ ہونا	چہرے کارنگ اڑ جانا	جب کبھی بچلی چمکتی ہے تو ڈر پوک نجم کارنگ فتنہ ہو جاتا ہے۔
ریل پیل ہونا	کشت ہونا	اکثر کاروباری لوگوں کے گھروں میں روپے پیسے کی ریل پیل ہوتی ہے۔
زخم پر نمک چھڑ کرنا	دھمکی کو ستانا	میں تو پہلے ہی افسر دہ بیٹھا ہوں، طعنہ زدنی کر کے تم میرے زخموں پر نمک کیوں چھڑ کتے ہو؟
زمین آسمان کے قلبے ملانا	مبالغہ کرنا	وہ اپنے کارنامے کو اس طرح سناتا ہے کہ زمین آسمان کے قلبے ملا دیتا ہے۔
زیر وزیر کرنا	الٹ پلٹ کرنا	پچھلے دنوں مہمان بچوں نے میرا سارا اکتب خانہ زیر وزیر کر دیا۔
زمین میں گڑ جانا	سخت شرمندہ ہونا	جب باپ نے اپنے بیٹے کو جھوٹ بولتے سناتوہ مارے غیرت کے زمین میں گڑ گیا۔
زندہ در گور ہونا	دکھ بھری زندگی گزارنا	آج کل غریب غربا مفلسی کے ہاتھوں زندہ در گور ہیں۔
سر قلم کرنا	سرکاٹ دینا	جلاد نے قاتل کا سر قلم کر دیا۔
سبز باغ دکھانا	لائچ دینا، دھوکا دینا	آصف نے مجھے بہت سبز باغ دکھائے مگر میں اُس کے جھانسے میں نہ آیا۔
سبز قدم ہونا	منخوس ہونا	ساس نے کہا: ”ہماری بہو سبز قدم ہے، جب سے آئی ہے کاروبار میں نقصان ہو رہا ہے۔“
سانپ سو نگہ جانا	خاموشی چھا جانا	جب صدر جلسہ نے چندے کی اپیل کی تو پورے جلے کو گویا سانپ سو نگہ کیا۔

سینگ سانا	جلہ مانا	میری شب بسری کا کیا ہے، جہاں سینگ سانیں گے، پڑھوں گا۔
شش و پنج میں پڑنا	سوق بچار کی کیفیت	میں اس شش و پنج میں پڑا ہوں کہ یہ سفر اختیار کروں یا نہ کروں۔
شیر و شکر ہونا	میل ملاپ ہونا	آج کل و سیم اور اکرم آپس میں خوب شیر و شکر ہیں۔
شیطان کی آنت ہونا	طویل ہونا	یہ مسافت تو میرے لیے شیطان کی آنت ہو گئی ہے، صبح سے طے کر رہا ہوں مگر منزل کو کوئی نشان نہیں۔
شگوفہ چھوڑنا	نئی بات کرنا	آپ جب بھی آتے ہیں، کوئی نہ کوئی شگوفہ ضرور چھوڑتے ہیں۔
شخی بگھارنا	ڈینگ مارنا	مجھے تو شخی بگھارنے والے لوگ ایک آنکھیں بھاتے۔
صبر کا پیمانہ لبریز ہونا	صبرہ ہوسکنا	ساس کے آئے دن کے طنوں سے تنگ آ کر آخر بھوکے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔
طرح دینا	چشم پوشی کرنا	آپ اُسے طرح دیے جاتے ہیں اور وہ منہ چڑھتا جا رہا ہے۔
طوطا چشم ہونا	آنکھیں پھیر لینا	بعض لوگ ایسے طوطا چشم ہوتے ہیں کہ مطلب نکل جانے پر پہنچانے سے ہی انکار کر دیتے ہیں۔
عبرت پکڑنا	سبق حاصل کرنا	جنگ میں بُری طرح شکست کھائی، اس لیے عبرت پکڑنی چاہیے تھی۔
عقل پر پتھر پڑنا	بے صحی کی بات کرنا	خداجانے تھماری عقل پر کیوں پتھر پڑ گئے ہیں کہ سیدھی سی بات بھی نہیں سمجھتے ہو۔
عقل کے ناخن لینا	ہوش کی بات کرنا	میاں! عقل کے ناخن لو، اپنے باپ سے لڑنے چلے ہو۔
عید کا چاند ہونا	کبھی کبھی نظر آنا	اخاہ! احمد صاحب، آپ تو عید کا چاند ہو گئے، عرصہ کے بعد آج دکھائی پڑے ہو۔
غضہ پینا	غضے کو بالینا	مجھے اس کے کرتوت دیکھ کر غضہ تو بہت آیا مگر میں اپنا غصہ پی گیا۔
غثیر بود کرنا	گذڈ کرنا	تم نے تمام اشیا کو اس طرح غثیر بود کر دیا ہے کہ پیچاں دشوار ہو گئی ہے۔
فاختہ اڑانا	عیش کرنا، مزے کرنا	وہ وقت گیا جب خلیل خال فاختہ اڑایا کرتے تھے، اب تو محنت سے کمانے کا زمانہ ہے۔
فرٹے بھرنا	تیزی سے گزرجانا	گاڑی فرٹے بھرتی ہوئی ہمارے پاس سے گزرنگی۔
قافیہ تنگ کرنا	عاجز کر دینا	بچوں نے پے در پے سوال کر کے استاد کا قافیہ تنگ کر دیا۔
قلعی کھل جانا	اصلیت ظاہر ہونا	بڑا شاعر بنا پھرتا تھا، آج مشاعرے میں قلعی کھل گئی۔
قیامت ڈھانا	غضب کرنا	اس فلک ناہنجار نے ہم پر کیا کیا قیامتیں ڈھائی ہیں۔

* * * * *

آپ جب بھی لاہور آئیں، ہمارے یہاں ضرور قدم رنج فرمائیں۔	تشریف لانا	قدم رنج فرما
یہ تیل گرم کر کے مل لیجیے، درد بھی کافور ہو جائے گا۔	غائب ہوجانا	کافور ہونا
ہمارے دادا ابو سرکاری امور حل کرنے کے سلسلے میں کاغذی گھوڑے دوڑانے کے بہت شوقین تھے۔	بہت خط کتابت کرنا	کاغذی گھوڑے دوڑانا
پچھے کے منہ سے مرزا غالب کے اشعار نہ کرس ب کے کان کھڑے ہو گئے۔	چوکتا ہونا	کان کھڑے ہونا
بات تو بہت شریف تھا مگر بیٹا آئے دن کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلاتا رہتا ہے۔	عجیب کام کرنا	گل کھلانا
جو انی میں ہم بھی گھوڑے پیچ کر سویا کرتے تھے۔	بے فکری سے سونا	گھوڑے پیچ کر سونا
ملک میں امن و امان ہوا تو لوگوں نے گھی کے چراغ جلائے۔	خوشیاں منانا	گھی کے چراغ چلانا
دنیا کی چند روزہ دل کشی پر لٹو ہونا کہاں کی عقل مندی ہے!	فریفتہ ہونا	لٹو ہونا
اُسے یہاں دیکھتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ کوئی نیا گل ضرور کھلنے والا ہے۔	پہلے سے برے آشار ظاہر ہونا	ماتھا ٹھنکنا
ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے تھی، مسیں جھیگ رہی تھیں کہ موت کا پیغام آ گیا۔	نوجوانی کا آغاز ہونا	مسیں بھیگنا
بھیڑیا چروادا ہے کے سامنے میمنا اٹھا کر لے گیا اور چروہا منہد دیکھتا رہ گیا۔	حیران رہ جانا	منہد دیکھتے رہ جانا
میداں جنگ میں دشمن نے منہکی کھائی اور اسے میداں سے بھاگتے ہی بی۔	ٹکست کھانا	منہکی کھانا
ہمارے یہاں پولیس کا بہت براحال ہے، کوئی کام مُٹھی گرم کیے بغیر نہیں ہوتا۔	رشوت دینا	مُٹھی گرم کرنا
یہ افسر موم کی ناک ہے، جو ما تھت بھی جاتا ہے، ابھی بات منوالیتا ہے۔	غیر مستقل مزاج ہونا	موم کی ناک ہونا
حلوائی کی دکان پر تازہ تازہ مٹھائی دیکھ کر اسلام کے منہ میں پانی بھر آیا۔	بھی لچانا	منہ میں پانی بھر آنا
ڈاکو تالہ کلوٹ کر نو دو گیارہ ہو گئے۔	رفو چکر ہونا	نو دو گیارہ ہونا
بری صحبت میں پڑنے کے باعث دونوں لڑکے والدین کے لیے و بالی جان بننے ہوئے ہیں۔	مصیبت کا باعث ہونا	وابالی جان ہونا
امیری ہو یا غربی، بہر حال وقت کا ٹانپڑتا ہے۔	وقت گزارنا	وقت کا ٹان
ان دونوں تجارت پیشہ لوگوں کے وارے نیارے ہیں۔	خوب فائدہ اٹھانا	وارے نیارے ہونا
گھر آ کر اتنی کا ہاتھ بٹایا کرو۔	مد کرنا	ہاتھ بٹانا
وہ پہلے ہی بھرا بیٹھا تھا، تم معا ملے کو مزید ہوادے رہے ہو۔	اکسانا	ہوادینا
ماں نے پچھے کے گم ہو جانے کی خبر سنی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔	حوالہ ہونا	ہاتھوں کے طوطے اڑانا

* * * * *



کوچوان نے چا بک دکھایا تو گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔	بہت تیز ہونا	ہوا سے باتیں کرنا
بیچارے اسلام نے ملازمت کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔	کوشش کرنا	ہاتھ پاؤں مارنا
حامد اور محمود آپس میں یک جان، دو قالب ہیں۔	نہایت گھرے دوست ہونا	یک جان، دو قالب ہونا
میرا اس سے آج کا تعلق نہیں، بہت پرانی یادِ اللہ ہے۔	جان بیچان یا واقعیت ہونا	یادِ اللہ ہونا
حکیم محمد سعید طیبی امور میں پُر طولی رکھتے تھے۔	مکمل مہارت ہونا	پُر طولی رکھنا



ضرب الامثال

ضرب کے معنی ہیں بیان کرنا اور مثال کے معنی ہیں مثال کے معنی ہوئے مثال دے کر بیان کرنا۔ ضرب المثل کو اردو میں مقولہ یا کہاوت بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد ایسا جملہ ہے جو مثال کے طور پر پیش کیا جائے۔ اس جملے میں جوبات کی جائے اسے عالم گیر سچائی (Universal Truth) کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ضرب الامثال یا کہاوتیں صدیوں کے تجربات اور انسانی زندگی کے لاتعہ دامشاہدات کے جواہر پارے ہوتے ہیں اور انھیں علم و حکمت کا نچوڑ سمجھا جاتا ہے۔

بیشتر ضرب الامثال کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ یہ کب سے ہیں اور کیوں کرنی ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ ضرب الامثال کلام میں زور اور حسن پیدا کرتی ہیں۔ ہم اپنے طالب علموں کی سہولت اور استفادے کے لیے ذیل میں اردو ضرب الامثال کا مختصر ساختاً تھا اور ان کا مفہوم اور محل استعمال پیش کرتے ہیں:

ضرب الامثال	مفہوم اور استعمال کا موقع محل
آپ کاج، مہما کاج	جو کام خود کیا جائے، وہ سب سے بہتر ہوتا ہے۔
آبیل مجھے مار	خواہ مخواہ کی لڑائی مول لینا۔
آپ آئے، بھاگ آئے	آپ کے آنے سے ہمارے فصیب جاگ اٹھے۔
آخ تھوکھتے ہیں	کسی چیز کے حصول میں ناکامی ہو تو کھسپاں پن مٹانے اور شرمندگی دور کرنے کے لیے کہتے ہیں۔
آدمی کا شیطان آدمی ہے	آدمی کو آدمی ہی بہکاتا ہے۔
آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا	ایک مصیبت سے نکل کر دوسروں میں پھنس جانا۔
آج کا کام مل پرمت چھوڑو	آدمی جو کام آج کر سکتا ہو، اسے کل پر اٹھانہ رکھو۔
اکیلا چنزا کیا بھاڑ پھوڑے گا	اکیلا چنزا کیا بھاڑ پھوڑے گا۔
ایک ایک دو گیارہ	دو آدمی مل کر اکیلے کی نسبت کہیں زیادہ کام کر سکتے ہیں۔
ایک چھلی سارے جمل لوگنہ کرتی ہے	ایک برا آدمی سارے خاندان کو بدnam کرتا ہے۔



الٹے بانس بریلی کو	الٹا کام کرنا۔
اندھوں میں کانارا جا	ایسے موقع پر بولتے ہیں کہ جہاں بہت سارے بے قوف ہوں اور ان میں ایک آدمی ذرا سی عقل رکھتا ہو۔
اندھا کیا جانے بستت کی بہار	قدرناسن اس آدمی اچھی چیز کی قد نہیں کرتا۔
اوٹ رے اوٹ تیری کون سی	اُس آدمی کی نسبت بولتے ہیں جس کی ہربات انوکھی ہو۔
کل سیدھی	
اوچی دکان، پچیکا پکوان	شہرت تو بہت زیادہ ہو مگر اصلیت کچھ بھی نہ ہو۔
ایک انار سو بیمار	اس وقت بولتے ہیں جب ایک چیز کے بہت سے خواہش مند ہوں۔
ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا	کسی برے آدمی کے لیے مزید برائی کا سبب پیدا ہونا۔
بوڑھی گھوڑی لال لگام	اس بوڑھی عورت کی نسبت بولتے ہیں، جو بڑھاپے میں بھی جوانی کے سے نازخرے کرے۔
بیکشوی بی، چوہالندور ای بھلا	کسی کی بھلانی جب اصل میں برائی کی نسبت سے ہوتا سے ٹالنے کے لیے بولتے ہیں۔
بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی	بد اپنی بدی کی سزا کسی نہ کسی دن ضرور پاتا ہے۔
بات کھٹائی میں پڑگئی	کسی بات کا اتوامیں پڑ جانا
بادہ رس دلی میں رہے بھاڑ جھونکا کیے	مراد ہے کہ لا اُن لوگوں کی صحبت میں رہ کر بھی کچھ حاصل نہ کیا۔
باسی کرھی میں ابال آیا	بے وقت جوش آنے کے وقت یہ بات کہتے ہیں۔
بد اچھا، بدنام برا	لیعنی بدنام سے بد کار بہتر ہے۔
بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا	کسی قیمتی چیز کا بغیر کوشش کے اتفاق ہے تھا آجانا۔
پاک رہو، بے باک رہو	ایمان دار اور دیانت دار کو کچھ دریا خوف نہیں ہوتا۔
پچ کہیں بلی تو بلی ہی سہی	بڑے آدمیوں کی بات کو مان لینا چاہیے۔
تالی ایک ہاتھ سے نہیں بھتی	لڑائی جھگڑا یا محبت یک طرف نہیں ہوتی۔
تخت متأثیر، صحبت اثر	پاس اٹھنے بیٹھنے کا اثر پکھننے کچھ ضرور ہوتا ہے۔
تو بھی رانی، میں بھی رانی، پھر	سب برابری کا دعویٰ کریں تو پھر کام کیسے ہو۔
کون بھرے گا پانی	
تو ڈال ڈال، میں پات پات	میں تجھ سے بھی ہو شیار ہوں۔
جتنی چادر دیکھو، اتنے پاؤں پھیلاو	آدمی کے مطابق خرچ کرو۔
جس کی لاٹھی، اس کی بھینس	زور آؤ اور طاقت و رجیت جاتا ہے۔

زیادہ باتیں کرنے والے کام نہیں کرتے ہیں۔	جو گر جتے ہیں وہ برستے نہیں
کام کے مطابق نتیجہ نکلتا ہے۔	جیسا کرو گے، ویسا بھرو گے
جهال رہیں، وہاں کے طور پر یقہ اختیار کریں۔	جیسا دیں، ویسا بھیں
اس وقت بولتے ہیں جب کسی آدمی سے دور دور کے لوگ توفیض حاصل کریں لیکن اپنے محروم رہیں۔	چراغ تلے اندھیرا
اپنا عیب خود خود ظاہر ہو جاتا ہے۔	چور کی داڑھی میں تنکا
معمولی آدمی کا حیثیت سے بڑھ کر بات کرنا۔	چھوٹا منہ بڑی بات
حاکم حاکم اور موت دونوں ایسی چیزیں ہیں جن کو ٹالا نہیں جا سکتا۔	حکمِ حاکم، مرگِ مفاجات
کوڑی کوڑی کا حساب ہونا چاہیے۔	حسابِ جو جو، بخششِ سوسو
خدا کی لائھی میں آواز نہیں	خدا کا اعذاب اچانک آتا ہے۔
خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے	خدمت کا اثر ضرور ہوتا ہے (خصوصاً بُری صحبت کا)
کارگزاری ہی سے درجہ ملتا ہے۔	خدمت سے عظمت ہے
دل کو دل سے راہ ہوتی ہے	دل کو دل سے راہ ہوتی ہے
پورا پورا انصاف، کھرا اور کھوٹا الگ الگ	دو دھن کا دو دھن اور پانی کا پانی
آوارہ آدمی جو کسی کام کانہ ہو۔	دھوپی کا کلتا، نہ گھر کانہ گھاٹ کا
جو شخص مصیبت میں بتلا ہو وہ تھوڑی سی مدد کو بھی غنیمت شمار کرتا ہے۔	ڈوبتے کو تینکے کا سہارا بہت ہے
موقعِ نکل جانے کے بعد کچھ نہیں ہوتا۔	رات گئی، بات گئی
تکلیف اٹھائی لیکن بُری عادت نہ چھوڑی	رُشی جل گئی، پر بل نہ گیا
جس بات کا لوگوں میں عام چرچا ہو جائے، وہ عموماً پُتھی ہوتی ہے۔	زبانِ خلق کو فقارہ خدا سمجھو
جسے بہت تکلیف پہنچی ہو وہ معمولی چیز سے بھی ڈرتا ہے۔	سانپ کا کثاری سے ڈرتا ہے
آخر کا سچ غالباً رہتا ہے۔	سانچ کو آنچ نہیں
صیحت اس کو کرنی چاہیے جس کو نصیحت اچھی معلوم ہو، نہ کہ بندر کو جس نے یہ کا گھر تباہ و سیکھ دیجیے جا کو سیکھ سہائے بر باد کر دیا تھا۔	سیکھ دا کو دیجیے جا کو سیکھ سہائے
دھوکا یا فریب ہمیشہ نہیں دیا جا سکتا۔	سدانا و کانڈ کی نہیں بہتی
کسی کے عدل و انصاف کی تعریف میں کہتے ہیں۔	شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں
پاس کچھ نہ ہونا مگر شیخی مارنا۔	شیخی اور تین کانے



صورت نہ شکل، بھاڑ سے نکل	بد صورت آدمی کی نسبت طفراً کہتے ہیں۔
ضرورت آدمی سے سب کچھ کرالیت ہے۔	ضرورت ایجاد کی مال ہے
بہت سے لوگوں کی آفت کسی اکیلے پر پڑنا۔	طولیے کی بلا، بندر کے سر
ظلم ہمیشہ نہیں ڈھایا جا سکتا اور خدا مظلوم کی ضرورستا ہے۔	ظلم کی ہنی کبھی چھاتی نہیں
ایسے موقع پر بولتے ہیں جب کام کا موقع ہاتھ سے نکل گیا ہو۔	عید پچھپڑو
عقل بڑی کی بھینس	دماغی قوت جسمانی قوت سے بہتر ہے۔
عقل کا اندھا، گانٹھ کا پورا	بے وقوف مال دار آدمی کی نسبت بولتے ہیں۔
غیریں کی جورو، سب کی بھابی	غیریں آدمی پر سب کا بس چلتا ہے۔
فقیر کی صورت ہی سوال ہے	حاجت مند کے چہرے ہی سے اس کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔
قاضی کے گھر کے چوہے بھی سیانے	عقل مندوگوں کے بچے بھی عقل مند ہوتے ہیں۔
گڑ سے جومرے تو زہر کیوں دو	جو کام آسانی سے ہو سکے، اسے مشکل سے نہیں کرنا چاہیے۔
لاد دے لدادے، لادنے	چیز بھی دے، اس کو لدوا بھی دے اور ایک آدمی بھی دے جو جا کر اتر وا بھی دے۔ یعنی ہر طرح کا بوجھ دوسرے پر ڈالنے والا۔
مفت کی شراب قاضی کو بھی حلال ہے	مفت چیز ملے تو پھر جائزہ و ناجائز کی کوئی پرواہیں کرتا۔
ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ	بے جوڑ اور بے مل بات پر کہتے ہیں۔
ناچ نہ جانے آنکن ٹیڑھا	اپنی نالائقی اور کوتاہی کا الزام دوسرے کو دینا۔
نو سوچو ہے کھا کے بلی ج کو چلی	ساری عمر گناہ کرتے رہنا اور آخر عمر میں پارساہن بیٹھنا۔
نو نقذ نہ تیرہ ادھار	قرض کے تیرہ سے نقد کے نوا پچھے
نہ رہے بانس نہ بجے بانسی	جب جھٹرے والی چیز ہی نہ رہے تو پھر جھٹرہ کیسا؟
نیکی کر دیا میں ڈال	نیکی کر کے بھلا دینی چاہیے۔
ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور	مراد ہے ظاہر کچھ باطن کچھ کھانے کے اور
یہ منخ اور مسور کی دال	یہ شخص اس عزّت اور کام کے لائیں نہیں ہے۔
یہاں کا بابا آدم ہی نرالا ہے	یہاں کے طور طریقے قطعی مختلف ہیں۔



علم بیان

تحریر و تقریر کی خوبیوں کے ذکر اور ان کی بحث کو علم بیان کہتے ہیں علم بیان کی چار قسمیں ہیں: تشبیہ، استعارہ، مجاز و مرسل اور کناہ۔

۱ تشبیہ

بنانے سنوارنے سے ہر چیز خوب صورت نظر آنے لگتی ہے۔ درود یا پر رنگ نہ ہو تو گھر بے رونق معلوم ہوتا ہے۔ سادہ تصویر کو رنگین کر دیا جائے تو قیمت بڑھ جاتی ہے۔ رنگین اور بچول دار کپڑے اسی لیے تو پند کیے جاتے ہیں کہ ان میں بیل بوٹے اور طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں۔ نثر کے مقابلے میں نظم پسند کرنے کی وجہ لفظوں کا خوب صورت استعمال اور اس میں مختلف صنعتوں کا استعمال ہے۔ صنعت کاری گری کو کہتے ہیں اور صنائع جمع ہے۔ صنائع لفظی، الفاظی کی کاری گریاں اور صنائع معنوی، معنی و مفہوم کی کاری گریاں اور حسن پیدا کرنے والے طریقے جیسے: تشبیہ، استعارہ، مجاز و مرسل، کناہ ایسی چیزیں ہیں جن سے عبارت میں آرائش کا کام لیا جاتا ہے۔ ان سے عبارت چمک اٹھتی ہے۔ فتوروں میں حسن اور مضمون میں دل کشی پیدا ہو جاتی ہے۔ لوگ اپنے روزمرہ میں ان سب چیزوں کو استعمال کرتے ہیں، لیکن انجان آدمی پہچانتا نہیں۔ گھر کی صفائی اور کمرے کی سفیدی دیکھ کر مختلف حضرات مختلف انداز میں تعریف کرتے ہیں۔

- ۱۔ گھر کس قدر صاف ہے، وہ اس سفید براق نظر آتا ہے۔
- ۲۔ کمرہ آئینے کی طرح سفید ہے۔
- ۳۔ کمرہ کیا ہے آئینہ ہے۔

تمیوں جملوں کا مطلب ایک ہی ہے، مگر غور کرنے سے مطلب ادا کرنے اور خیال واضح کرنے میں کچھ فرق نظر آئے گا۔ الفاظ کی ترتیب اور معنوں کی ادائیگی میں پہلا جملہ سادہ اور صفت موصوف کی ترکیب سے مرکب ہے۔ دوسرے جملے میں تشبیہ اور تیسرے میں استعارہ، تشبیہ اور استعارے سے عبارت میں حسن پیدا ہوتا ہے اور مضمون میں جان پڑ جاتی ہے۔

زید حاتم کی طرح سخنی ہے۔	بکر شیر جیسا بہادر ہے۔
شیم کا طوطے کی طرح رُنٹا ہے۔	مجید کوے کی طرح سیانا ہے۔

ان جملوں کو اگر یوں تقسیم کر دیا جائے تو کچھ باقی میں زیادہ اچھے طریقے سے ذہن میں آجائیں گی۔

زید حاتم کی طرح سخنی	بکر شیر جیسا بہادر
شیم کا طوطے کی طرح رُنٹا	مجید کوے کی طرح سیانا

زید کو حاتم، بکر کو شیر، شیم کو طوطا اور مجید کو اکھا گیا ہے۔ زید بڑا سخنی ہے اور حاتم بہت بڑا سخنی تھا اور اس کی سخاوت بہت مشہور ہے۔ زید کی سخاوت سمجھانے یا اس کی بڑائی واضح کرنے کے لیے حاتم سے مشابہ بتایا گیا۔ اس عمل کو ”تشبیہ“ کہتے ہیں، یعنی کسی ایک چیز کو کسی مشترک خوبی یا براہی کی وجہ سے کسی دوسری چیز جیسا قرار دینا۔ ”تشبیہ“ کہلاتا ہے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ ”سخاوت“ کی وجہ سے ”زید“ کو ”حاتم“ سے مشابہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی طرح شیر بڑا دلیر اور بڑا بہادر ہوتا ہے،
بکر کی بہادری کی تعریف میں اسے شیر کی مانند کہا گیا ہے۔

رنے میں طوٹے اور سیان پن میں کوئے کو شہرت اور امتیاز حاصل ہے۔ جب کسی طالب علم کی رٹنے کی صفت کو اجاجہ گر کرنا ہو یا کسی کے سیان پن کی تصویر دکھانا ہو تو طوٹے اور کوئے کی مثال سے کام لیتے ہیں۔

ارکان تشپیہ:

(١) مشبّهه (٢) مشبّهه (٣) وجّه شبهه (٤) حرف تشبيهه

مشہد: جسے تشپیہ دیں..... زید

مشبہ پہ: جس سے تشپیہ دیں..... حاتم

وچہ شبہ: وہ صفت جس کی بنا پر تشبیہ دی جائے۔ عام طور سے مشبہ ہے اس مخصوص صفت میں اتنا مشہور ہوتا ہے کہ سب کو معلوم ہوتی ہے۔ اسی لیے دوسری چیز یعنی مشبہ کو اس کے مانند بنا کر مشبہ کی ایک خاص صفت کو نمایاں کیا جاتا ہے۔

حرف تشبیہ: وہ کلمے یا کلمے جو مشبہ اور مشبہ بے کو ملائیں جیسے: مانند، جیسا، کی طرح، دشمن، بچہ چاند جیسا خوب صورت ہے، اس نظرے میں:

مچہ	مشبہ	چاند	مشبہ	جیسا	حرفت شیبہ	خوب صورتی	وجہ شبہ ہے
-----	------	------	------	------	-----------	-----------	------------

”کیا خوب صورت بچے ہے، چہرہ چاند کی طرح گول اور چپک دار، گال گلاب جیسے سرخ، ہونٹ پنچھڑی کی مانند نازک۔“

ایک عبارت میں کئی مشتبہ اور مشتبہ پہ جمع ہو گئے ہیں۔

مشبہ	وجہ شبه	حرف تشبیه	مشبہ	وجہ شبه	حرف تشبیه	مشبہ	چیز
چہرہ	گولائی، چمک	کی طرح	چاند	گال	سرخی	گلاب	جیسے
ہونٹ	نزاکت	مانند	پنکھڑی				

میر کا شعر ہے:

سخت دل تنگ یوسفؑ جاں ہے گھر کہ تاریک و تیرہ زندگی ہے

اور علامہ اقبال کا مصرع ہے:

ہر مسلمان رگ باطل کے لیے نشرتھا

گھر کو زندان، جان کو یوسف اور مسلمان کو نشرت کہنا تشبیه ہے۔ گھر اور زندان میں وجہ شبہ تاریکی ہے اور جان کو یوسف سے تشبیہ دینے کی وجہ قید میں دل کی تنگی ہے اور مسلمان کو نشرت سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ باطل کو کاٹ دیتا ہے۔

۲ استعارہ

استعارہ: لغت میں عاریتاً لینے اور کچھ دیر کے لیے ادھار مانگ لینے کو کہتے ہیں یعنی ہم نے ذیل میں دی گئی مثالوں میں لفظ ”شیر“ کو ”حضرت عباس“ کے لیے اور لفظ ”چاند“ کو ”بیٹے“ کے لیے عاریتاً لے لیا۔

تعریف: کسی ایک چیز کو کسی مشترک خوبی برائی یا لفظ کی وجہ سے بعینہ دوسرا چیز قرار دے دینا ”استعارہ“ کہلاتا ہے جیسے: بہادر کو شیر۔ بزدل کو گلڈ۔ شریڑ کے کوشیطان کہنا۔ مثالیں:

- ۱۔ کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے رن ایک طرف، چرخ کہن کانپ رہا ہے
- ۲۔ ماں کہتی ہے میرا چاند آیا۔

پہلی مثال میں جرأت و شجاعت کے باعث حضرت عباس رض کو شیر کہا گیا ہے لیکن شعر میں ان کا ذکر نہیں۔ اسی طرح مثال میں ماں اپنے خوب صورت بیٹے کو چاند کہتی ہے اور بیٹے کا نام نہیں لیتی۔

سب جانتے ہیں کہ شیر ایک دلیر جانور کا نام ہے اور چاند ایک سیارہ ہے مگر ہم اصلی اور مجازی معنوں کا خیال کیے بغیر لفظ بعینہ دوسرے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔

استعارہ کے ارکان: استعارے کے دو حصے یا دو اطراف ہوتے ہیں۔ ایک مستعارہ اور دوسرا مستعارمنہ۔ شریڑ کا، مستعارہ اور شیطان، مستعارمنہ ہے۔ استعارے میں مستعارہ کا تذکرہ نہیں ہوتا۔ یہی اس کا امتیاز ہے۔ اسی طرح ”مستعارہ“ اور ”مستعارمنہ“ میں مشترک بات یعنی ”وجہ جامع“ (تشییہ میں وجہ شبہ کہتے ہیں) بھی بیان نہیں کرتے۔ اگر مستعارمنہ وجہ جامع اور حرف استعارہ جیسی چیز بیان کر دیں تو اسے تشییہ کہیں گے۔

شعب صدایں پنکھریاں جیسے پھول میں بلبل چک رہا تھا ریاض رسول میں

پہلے مصرے میں، آواز کے اتار چڑھاؤ اور اس کے جوڑ کو پھول کی پنکھریوں سے تشبیہ دی ہے اور حرف ”تشییہ“ جیسے موجود ہے۔ دوسرے مصرے میں حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کو ”بلبل“ اور مجمع اہل بیت علیہم السلام کو ”ریاض“، (باغ) رسول سے استعارہ کیا ہے۔

(الف) مستعارہ: جس کے لیے استعارہ کیا جائے (تشییہ میں اسے مشبہ کہتے ہیں) حضرت علی اکبر رحمۃ اللہ علیہ جن کے لیے بلبل کا کلمہ استعمال ہوا ہے۔

(ب) مستعارمنہ: جس کا استعارہ کیا جائے (تشییہ میں اسے مشبہ بہ کہتے ہیں) بلبل مستعارمنہ ہے۔

(ج) وجہ جامع: مستعارہ اور مستعارمنہ میں پائی جائے والی مشترک خصوصیات۔ حضرت علی اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا اذان دینا اور بلبل کی خوش آوازی اور کشش ایک جیسی ہے۔

۳ مجاز مرسل

تعریف: وہ لفظ جس کے مجازی معنی مراد ہوں مگر حقیقی اور مرادی معنوں میں تشبیہ کا تعلق نہ ہو۔

رسم سہراب کا باب تھا۔ رسم نے لاہور میں انتقال کیا۔

چڑیا گھر میں شیر بھی ہے۔ شیر کا تیور دیکھا تو سب ڈر گئے۔

رسم: (۱) ایران کا پہلوان تھا، جو زال کا پیٹا اور سہرا ب کا باپ تھا۔ (۲) بہت بہادر آدمی۔ وہ بہادر جس کے مقابلے میں کوئی نہ ٹھہر سکے۔

شیر: (۱) ایک درندہ جانور جو سب جانوروں سے زیادہ بہادر اور خوف ناک ہوتا ہے۔ (۲) بہادر آدمی، نذر انسان، رعب دا برکھے والا۔

گدھا: (۱) مضبوط جفا کش بار بردار چوپا پیر۔ (۲) بے قوف آدمی جاہل، کندا ناتراش۔

مذکورہ باللفظوں میں ہر لفظ کے دو معانی درج ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر لفظ کو شروع شروع میں صرف ایک معنی کے لیے استعمال کیا گیا۔ رفتہ رفتہ لوگ اسے دوسرے معنوں میں بھی استعمال کرنے لگے۔ لفظ جب پہلے معنوں میں استعمال ہو تو یہ استعمال "حقیقت" کہلاتا ہے اور جب دوسرے معنوں میں استعمال ہو تو "مجاز" ہے۔

(۱) یونین کی صدارت تک اس کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ (۲) ہم آپ کی چشم عنایت کے محتاج ہیں۔

(۳) ایک گلاس ہمیں بھی دیجیے۔

ہاتھ : جسم کا ایک جزو (حقیقی معنے)

چشم : آنکھ (حقیقت)

گلاس : ایک برتن کا نام (حقیقت)

کلمات کا یہ استعمال "مجازِ مرسل" ہے۔

چشمِ کرم - دستِ عنایت

کرم کی آنکھ اور عنایت کا ہاتھ نہیں ہوتا۔ نہ آنکھ اور ہاتھ کے ساتھ کرم یا عنایت کو تشبیہ دی جاسکتی ہے، مگر آنکھ سے توجہ اور ہاتھ سے سخاوت ہوتی ہے اور توجہ و صفت سخاوت سے احسان ہوتا ہے۔ اس سب سے دونوں لفظوں کے مجازی معانی مراد لیے گئے ہیں۔ یونین کی صدارت تک ہاتھ نہیں پہنچتا۔ یہاں کل (ہاتھ) بول کر اس کا اثر یعنی قابو مراد لیا گیا ہے۔

ایک گلاس ہمیں بھی دیجیے..... یہاں ظرف (گلاس) بول کر مظروف لیعنی پانی مراد لیا گیا ہے۔

پروفیسر سے ملیے..... یہاں ایم۔ اے کے طالب علم کو پروفیسر کہنا مستقبل کی امید کے تعلق سے ہے۔

تحصیل دار آئے تھے..... ریاضتِ تحصیل دار کی آمد کی خبر دیتے ہوئے یہ جملہ عام ہے۔ مراد یہ ہے کہ ماضی میں جو تحصیل دار تھے وہ آئے تھے۔

مجازِ مرسل کے استعمال کی کئی صورتیں ہیں، کل بول کر جزو مراد لینا۔ جزو بول کر کل مراد لینا۔ مسبب کی جگہ سبب اور سبب کی جگہ مسبب بولنا۔ اسی طرح ظرف کی جگہ مظروف اور مظروف کی جگہ ظرف بولنا۔ مثالیں ذیل میں دی جاتی ہیں:

(الف) جزو کہ کر کل مراد لینا: مثلاً یہ کہیں کہ "زندگی دو دن کی ہے"، زندگی کو فانی سمجھتے ہوئے دو دن کی کہا۔ زندگی طویل بھی ہو سکتی ہے سو سال کی بھی ہو سکتی ہے۔ اسے دو دن کی زندگی کہا گویا جزو کہ کر کل مراد لیا۔

(ب) کل کہ کر جزو مراد لینا: بچے کے ہاتھ میں چھری دیکھ کر کہتے ہیں۔ ”بیٹے! چھری رکھو کہیں ہاتھ نہ کٹ جائے۔“ ہاتھ تو نہیں کتنا البتہ ہاتھ کے کسی حصے پر زخم لگ سکتا ہے۔ گویا کل کہ کر جزو مراد لیا۔ جب کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے دنیا دیکھی ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے دنیا کا کچھ حصہ دیکھا ہے۔

(ج) سبب کہ کرنیجہ مراد لینا: مثال کے طور پر کہیں کہ بادل خوب برسا۔ یہاں بادل سبب ہے اس کا نتیجہ بارش ہے، کیوں کہ بادل نہیں برستا بلکہ بارش ہوتی ہے۔ گویا بادل کہ بارش مرادی، یعنی سبب کہ سبب یا نتیجہ مراد لیا۔

(د) مسبب کہ کرسب مراد لینا: مثلاً یہ کہیں کہ ”آگ جل کرہی۔“ آگ نہیں جلت بلکہ لکڑی جلتی ہے۔ یہاں آگ مسبب ہے اور لکڑی سبب۔ گویا ذکر ہم نے آگ (مسبب) کا کیا اور مراد لکڑی (سبب) تھی۔

کناہ ۲

کناہ کے معانی ہیں اشارے سے بات کہنا اور کناہ کی تعریف ہے: ”کسی لفظ سے ایسی بات مراد لینا جو اس کے معنوں کو لازم ہو،“ مثلاً شتر بے مہار: زبان دراز۔ بے ہودہ باتیں کرنے والا۔

پیٹ کاہکا: راز کی بات کہ دینے والا۔

”شتر بے مہار،“ کا معنی ہے ”وہ اونٹ جس کی نکیل نہ ہو،“ دوسرے مرکب کا معنی ہے ”پتلے اور ہلکے پیٹ والا آدمی،“ لیکن جب ان کلمات سے ایسے معانی مراد لیے جائیں جو ان کے اصل معنوں کے لیے لازمی یا صفائی ہیں تو اس لفظ یا کلمے یا مرکب کو کناہ کہیں گے۔ جب اونٹ کے نکیل نہ ہوگی تو لازماً وہ بلبلاتا پھرے گا۔ ہلکے پیٹ کی لازمی صفت یہ ہوگی کہ کوئی چیز اس میں نہ ٹھہرے گی۔ علم بیان کی یہ بہت اچھی صفت ہے جس سے بیان میں لطف پیدا ہوتا ہے اور بات واضح طور پر بیان بھی نہیں ہوتی۔

مرزا غالب کا شعر ہے:

کیوں رِ قدح کرے ہے زاہد نے ہے یہ مگس کی قَ نہیں ہے
قدح : پیالہ مراد شراب (مجازِ مرسل)

مگس : مکھی، شہد کی مکھی

مگس کی قَ : شہد کے معنوں میں کناہ

غالب کا ہی ایک شعر ہے:

صحح آیا جانب مشرق نظر اک نگار آتشیں رخ سر کھلا
دوسرامصرع آفتاب کے لیے کناہ ہے، شاعر نے ایک چیز کے لیے بہت سی صفتیں بیان کر دی ہیں:

(۱) مشرق میں نظر آیا۔ (۲) صحح کا وقت۔ (۳) چہرہ گرم اور سرخ ہونا۔

(۴) سر جس پر کوئی پرده نہ ہو اور بال کھل اور پریشان ہوں۔ یہ کلیہ ہے کہ کناہ یہ بیوش وضاحت کرنے سے زیادہ لطف دیتا ہے۔

صناعَعِ بَدَائِع

اصطلاح میں علمِ صنائعِ بداع اُس علم کو کہتے ہیں جس سے تحسین و ترمیم کلام کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ صنائعِ بداع کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے چند کا ذکر ذیل کی صورت میں کیا جاتا ہے:

۱ تلمیح

کسی بات کو اچھی طرح سمجھانے کی ایک تدبیر یہ ہے کہ اسے کہانی یا لذت شستہ سنے اور دیکھنے ہوئے واقعہ کے حوالے سے واضح کیا جائے۔ یہ وضاحت و طرح سے ہوتی ہے۔ پہلے یہ سننے والے کو پورا قصہ سنایا جائے پھر اس سے موجودہ صورت حال کی مطابقت سمجھائی جائے۔ اس کے بعد نتیجے کی یکسانیت پر روشنی ڈالی جائے یاد و سرے یہ کہ اس قصہ کی جانب محض اشارہ کر دیا جائے اور نتیجے کی یکسانیت واضح کی جائے۔ مثلاً:

(۱) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اللہ کے بڑے بلند مرتبہ رسول تھے، لوگوں کو اللہ کی طرف بلا تے اور سچی راہ دکھاتے تھے۔ ایک مرتبہ نمرود نے آپ کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لکڑیوں سے میدان بھر کر آگ لگوائی۔ جب لکڑی جل چکی اور انگارے دہنے لگئے تو بادشاہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک خاص اہتمام سے آگ میں پھینک دیا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ ٹھنڈی ہو گئی اور اس میدان میں آگ کے بجائے چمن اہلہمانے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی تکلیف کے بغیر وہاں سے نکل آئے۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کا عقیدہ ہر کا اور خدا پر بھروسہ ہو، یاد و سرے لفظوں میں یہ کہ انسان کو اپنے مقصد سے عشق اور خلوص ہوتا دنیا کی مصیبتوں کا کیا ذکر ہے آگ بھی فزار بن سکتی ہے۔ ہاں عشق صادق اور ارادہ پختہ ہوتا آدمی ہمیشہ بحث مباحثہ اور دعوے دلیل ہی میں الجھار ہتا ہے کوئی کام نہیں کر سکتا۔

اس طویل عبارت اور لمبی چوڑی تقریر کو علامہ اقبال نے دو مصروفوں میں لکھا اور مذکورہ بالا واقعہ بیان کیے بغیر واضح کر دیا:

بے نظر کو پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشائے لبِ بامِ ابھی
”آتشِ نمرود میں کو دنا“، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کمال ایمان اور عشقِ الہی میں چنتگی کے مشہور امتحان کی طرف اشارہ ہے۔ واقعہ آپ نے پڑھا ہے اور سب کو معلوم ہے۔

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد کے بہت پیارے بیٹے تھے، یہ محبت بھائیوں کو ناپسند تھی۔ ایک مرتبہ سب بھائیوں نے حضرت یوسف کے خلاف سازش کی اور انھیں سیر و تفریح کے بہانے گھر سے لے جا کر ایک کنویں میں ڈال دیا۔ واپس آئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام سے جھوٹ موت کہ دیا: ”یوسف کو بھیڑ یا کھا گیا۔“ حضرت یعقوب یہ خبر سن کر نہ ہال ہو گئے، متلوں روتے رہے، گھر اجڑ گیا۔ ادھر حضرت یوسف علیہ السلام بے حد مصیبتوں میں بیٹلا ہوئے۔ غلام بنائے گئے، بازار میں بیچ گئے، قید و بند میں رہے۔ اسی طرح کی مصیبتوں حامد پر گزرا ہی ہیں۔ عزیزوں اور بھائیوں نے جینا و بھر کر دیا ہے۔ اسی بات کو یوں بھی کہا جاستا ہے:

”حامد بھرے پڑے خاندان کا آدمی ہے مگر وہ سب برادر ان یوسف ہیں۔“ اس حسن بیان اور خوب صورتی کا نام تلمیح ہے۔

تلمیح: نظم و نثر میں ایک لفظ یا چند مختصر الفاظ کے ذریعے سے کسی مشہور آیت، روایت، واقعہ یا تاریخی سانچے کی طرف اشارہ کرنا۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک ساجواب	آؤ نہ، ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی
------------------------------------	-----------------------------------

کوہ طور: وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے کلام کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے امت کے کہنے سے اللہ کے حضور درخواست کی کہ مجھے اپنا دیدار عطا فرمائیے۔ جواب ملا” لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی“ (تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہ گیا تو پھر دیکھ سکو گے) اس کے بعد ایک چمک ہوئی، پہاڑ سرمه ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ قرآن مجید میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اردو میں بہت سی تلمیحوں کے حوالے سے: ارنی لن ترانی۔ کوہ طور۔ تخلیٰ تخلیٰ کی تاب نہ لانا۔ طور سینا۔ مناجات موسیٰ علیہ السلام۔ آزو دیدار۔ برق طور وغیرہ تلمیحات اسی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

اُن مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی (غالب) عیسیٰ علیہ السلام، بیاروں کو چھو لیتے تو مرض جاتا رہتا تھا، مردے کو ”قُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ“ (اللہ کے حکم سے اٹھ بیٹھ) فرمایا تو مردہ زندہ ہو گیا۔ اس بات کے لیے بہت سی تلمیحیں استعمال ہوتی ہیں۔ عیسیٰ نفس۔ دم عیسیٰ۔ اعجاز مسیح۔

اک کھلیل ہے ”اورنگ سلیمان“ مرے نزدیک اک بات ہے ”اعجاز مسیح“ مرے آگے اورنگ سلیمان: حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے محبوب نبی تھے۔ آب و ہوا، جن و بیش خشک و تر کی باد شاہت میں ہوئی تھی، پرندوں کی بات سمجھتے اور جنات پر حکومت کرتے تھے۔ آپ کا تخت (اورنگ) ہوا لے کر چلتی تھی۔ آپ کے پاس ایک انگوٹھی تھی اور انگوٹھی میں ایک نقش تھا جس کے اثر سے جن و پری آپ کے فرمان بردار تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے متعلق یہ تلمیحات ہیں۔

نقش سلیمان۔ تخت سلیمان۔ ہدیہ مور سلیمان۔ چیونٹی اور سلیمان۔ بلقیس و سلیمان۔ ہدہ اور سلیمان۔

آبِ حیات: کہتے ہیں کہ طویل اور تاریک راستے کے بعد ایک چشمہ ہے جس کا پانی پینے والا کبھی نہیں مرتا۔ ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام (آبِ حیوان سے سکندر نے وہاں جانے کی خواہش کی۔ آپ نے فرمایا میں تجھے وہاں لیتے چلتا ہوں لیکن کچھ شرطیں ہیں۔ سکندر نے شرطیں چشمہ حیوان مان لیں، لیکن جب کلمات میں داخل ہوا تو ہمت ہار گیا اور راستے ہی سے واپس آگیا۔ حضرت خضر نے چشمے پر پکنچ کر پانی پیا۔ آبِ بقا) اس لیے خضر و سکندر کا ذکر انہما می، سکندر کا چشمہ آب حیات سے پیاسا پلٹنا وغیرہ کو تلمیحات کی حیثیت حاصل ہے۔

صریح ایوب۔ نالہ یعقوب۔ نغمہ داؤد۔ ملک سلیمان یعنی بے شمار تلمیحیں گذشتہ پیغمبروں اور پرانی ائمتوں کے واقعات سے متعلق رائج ہیں۔

خیر شکن: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیر کی جنگ میں یہودیوں کے قلعے قوم کو فتح کیا اور قلعے کا بہت بھاری دروازہ توڑا اور اپنے ہاتھ سے اٹھا کر بچینک دیا۔ اس جنگ میں مرحب و عنتر نامی بہادروں کو توار سے قتل کیا۔ علامہ اقبال کے ذیل کے شعر میں مر جی، عنتری، حیری جیسی تلمیحات سے مذکورہ حقائق مراد ہیں۔

۔ نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنج فگن نئے وہی فطرتِ اسد اللہی، وہی مر جی، وہی عنتری کر بلا اذن عظیم: امام حسینؑ و محرم ۶۱ کو کربلا نامی میدان میں یزید کے حکم سے شہید کر دیے گئے۔ اس واقعے سے تعلق رکھنے والی بہت سی تلمیحات اردو میں استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً شاہ شہید اہل شام غریبیاں، صبح عاشور وغیرہ۔

گنج بخش: جناب سید علی بجویریؑ کی کرامت اور گنج شکر بایا فرید الدینؑ کی کرامت و عطا کی تصحیح ہے۔ مذہبی تلمیحات کے علاوہ لیلے، مجنوں، شیریں، فراہد۔ سکی، پنوں۔ ہیرا نجما۔ محمود وایاڑ۔ مانی و بہزاد۔ لیکاڈھانا۔ ہفت خواہ رسم۔

صنعتِ تضاد

۲

دھوپ اور چھاؤں، چاندنی اور اندریاں، سیاہ اور سفید کو یکجا دیکھیے کیا لطف نظر آتا ہے! اسی طرح لفظوں اور معنوں کو ربط دیا جائے تو عبارت رنگین اور شعر خوب صورت ہو جاتا ہے۔ محمد حسین آزاد شہاب الدین غوری کی فوجی گشت کے سواروں کے گرفتار کردہ چند گھسیاروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

”سب کے سب جنگلی گنوار تھے، مگر دو بڑھے ہوشیار اور تجربے کا رنگلے۔“ چھوٹے سے جملے میں ”جنگلی گنوار اور ہوشیار تجربے کار۔“ کے لطف پر غور کرنا چاہیے۔ یہ لطف متنضاد الفاظ و معانی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

”الله نے دن کام اور رات آرام، صبح جانے اور شام سونے کے لیے بنائی ہے۔“

دن۔ رات۔ صبح۔ شام۔ کام۔ آرام۔ سونا۔ جا گنا۔ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

سکون محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثابت ایک تغیر کو ہے زمانے میں (اقبال) اس شعر میں سکون اور تغیر و متنضاد لفظ آئے ہیں اس لیے اس میں ”صنعتِ تضاد“ ہے۔

ایک سب آگ، ایک سب پانی دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں (میر قی میر)

حسن تعلیل

۳

دنیا میں ہر بات کسی وجہ سے ہوتی اور ہر واقعے کا کوئی سبب ہوتا ہے۔ کسی کو سب معلوم ہوتا ہے لیکن بعض اوقات کوئی اصل سبب سے ناواقف ہوتا ہے اور از خود کسی چیز کو علت (وجہ) قرار دے دیتا ہے۔ مثلاً شمع بھج جائے تو دھواں اٹھنے کا اصل سبب ناکمل طور پر جانا ہے مگر مرزا غالب کے خیال میں اصل علت اور نیادی سبب بکھرا ہے:

شمع بھجتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے شعلہ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد میرے مرنے کے بعد ”شعلہ عشق“، جو سرخ اور رنگین لباس پہنتا تھا، کالے کپڑے پہننے لگا آپ یہ سمجھتے ہوں گے کہ یہ معمولی بات ہے کہ شمع بھج گئی لہذا دھواں چھا گیا۔ نہیں یہ اتنی سرسری بات نہیں ہے:

پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی ساحل سے سر پکتی تھیں موجیں فرات کی (میرانیس) ساحل سے موجود کاٹکر ناد کیکھ کر انیس نے ایک علت یا وجہ بیان کی کہ سپاہ خدا یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ کے جاں نثار مجاہد تین دن سے پیاسے تھے۔ ان کے غم اور ان تک نہ پہنچنے کی شرم سے فرات کی موجیں ساحل سے سرکر رہی تھیں۔ وہ شدتِ غم اور انہٹائی مایوسی کے عالم میں تھیں۔ اس حسین انداز بیان اور اظہارِ خیال کو ”حسن تعلیل“ کہتے ہیں۔

حسن تعلیل کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے:

”کسی بات کی ایسی خوش نمائی اور شاعر اور جو بیان کرنا جو حقیقت میں اصلی وجہ نہ ہو،“

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بگف قارون نے راستے میں لٹایا خرانہ کیا! (غالب) سامنے میں پھول کے زیرے کی زردی کا کوئی بھی سبب ہو شاعر کے خیال میں اس کی وجہ کچھ اور ہے۔ قارون اپنے سونے کے خزانے سمیت زمین میں دھنس گیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ دولت محفوظ ہی مگر ایسا نہ ہوا، جو گلی زمیں سے ہو کر شاخ پر آتی ہے اس کی مٹھی میں سونا ہوتا ہے اور پھول وہ سونا ہتھیلی پر رکھ کر سب کو دکھاتا ہے۔

سب کہاں؟ کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پہاں ہو گئیں (غالب) یعنی آپ جانتے ہیں کہ لالہ و گل اور زنگار نگ پھولوں میں یہ حسن کہاں سے آیا؟ بات یہ ہے کہ سیکڑوں حسین چہرے قبر کے اندر اور زمیں کی تھیں جا چکے ہیں، ان چہروں میں سے تھوڑے سے چہروں کے جلوے ہیں جو لالہ و گل کی صورتوں میں آگئے ہیں۔ پھولوں کے حسن کو فن شدہ حسین صورتوں کا پرتوب تانا حسن تعییل ہے۔

”نسیمِ حر کیوں کو چھیڑتی، چڑیوں کو گدگداتی، ٹہنیوں کو ہلاتی، پتوں کی تالیاں بجاتی چلی، کلیاں کھلیں، پھول مہکئے، چڑیاں اڑیں، بلبل چہکی، فضناخشوبو اور طاڑوں کے نغموں سے بھر گئی۔“

یہ ہلال، آب ہے تنخ خم دار کی ستارہ، چمک بخت بیدار کی تعریف: ”ایک ہی مضمون سے تعلق رکھنے والے مناسب الفاظ کو سلیقے سے استعمال کیا جائے تو پڑھنے اور سننے میں عبارت اچھی لگتی ہے، اسے مراعاۃِ انظیر کا نام دیا جاتا ہے۔“ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

بانگ کے تذکرے میں روش، تنخ، سروچمن، گل و بلبل، خارو خس، پھول اور کلی، سبزہ اور درخت آئیں تو اس صفت کو مراعاۃِ انظیر کہیں گے۔

رات چھنکاتی ہے تارے صبح بر ساتی ہے نور موسم باراں بچھا دیتا ہے سبزہ دور دور اس شعر میں رات، تارے، نور، باراں، بر ساتی۔ ایک ہی مضمون سے تعلق رکھنے والے الفاظ ہیں۔ اس میں صفتِ مراعاۃِ انظیر مستعمل ہے۔

مراعاۃِ انظیر کی تعریف یوں بھی کر سکتے ہیں:

”کلام میں ایسے الفاظ کو جمع کرنا جن میں باہمی مماثلت اور مناسبت ہو، تصادم نہ ہو، جیسے:

رو میں ہے رخش عمر، کہاں دیکھیے تھے نے ہاتھ باگ پر ہے، نہ پا ہے رکاب میں شعر کے تمام کلمات گھوڑے کے مناسبات سے تعلق رکھتے ہیں۔ رو، تھمنا، ہاتھ، باگ، پا، رکاب۔

انشا پردازی

خطوط نویسی

ہدایات

خط ایک تحریری ملاقات ہے جس سے ہم اپنے اپنے حالات ایک دوسرے کو بتاتے ہیں۔ اسی وجہ سے خط کو ”نصف ملاقات“ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ ہم ایک دوسرے کو دیکھنے پتے، مگر اپنے اور دوسروں کے حالات سے آگاہ ہوجاتے ہیں۔ خط لکھنے وقت ان ہدایات پر عمل کریں:

(۱) خط کے آغاز میں پیشانی پر بسم اللہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھیے۔

(۲) خط لکھنے وقت یوں سمجھیے کہ آپ جسے خط لکھ رہے ہیں وہ آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہے اور آپ کی باتیں غور سے سن رہا ہے۔ اس لیے اس کے بڑے یا چھوٹے ہونے کا لاحاظہ رکھنے ہوئے بات کرنی چاہیے۔

(۳) جو کچھ آپ لکھنا یا کہنا چاہتے ہیں وہ مختصر الفاظ میں لکھیں تاکہ اپنا اور دوسرے کا وقت ضائع نہ ہو۔

(۴) خط میں کوئی فضول بات لکھیں۔ مطلب کی باتیں لکھیں اور جو کچھ لکھیں صاف اور خوش خط لکھیں۔

(۵) خط کو چھوٹے چھوٹے جملوں میں مرتب کرنا چاہیے۔ لمبے فقرے اکثر بچھن کا باعث ہوتے ہیں۔ تحریر میں بھدا پن پیدا ہوجاتا ہے۔ اسلوب بیان شفقتہ اور بے تکلف ہو۔

(۶) علامہ اقبال نے کیا خوب کیا ہے:

دل سے جو بات لکھتی ہے ، اثر رکھتی ہے
پر نہیں ، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

چنانچہ ایک تو خط میں صرف کام کی باتیں لکھنی چاہیں، دوسرے تکرار سے بچنا چاہیے اور تیسرے طوالت سے گریز کرنا چاہیے۔

(۷) خط کا نفس مضمون ایک ہی پیراگراف کے بجائے حسب ضرورت ایک سے زیادہ پیراگرافوں میں تقسیم ہو تو وہ نظر پر یوں جھینکیں بنتا۔

(۸) املا و انشاد رست ہوا و حتی الوضع کاٹ چھانٹ سے بچنا چاہیے۔ طلبہ کی رہنمائی کے لیے چند نمونے کے خط شامل کیے جاتے ہیں۔ انھیں بغور پڑھیے اور پھر اسی نداز میں خط لکھنے کی کوشش کیجیے:

(۹) خط کی پیشانی کے دائیں طرف اپنا مختصر پتا لکھیے جیسے:

(۱۰) ۲۹۱۔ شاد باغ، منڈی بہاء الدین

اس کے نیچے تاریخ درج کیجیے جیسے: ۵ فروری ۲۰۰۴ء

نوٹ: عربی زبان میں خط کو کتنے، لکھنے والے کو کاتب اور جسے خط لکھا جائے اسے مكتوب الیہ کہا جاتا ہے۔

خط کے حصے

عموماً خط مندرجہ ذیل حصول پر مشتمل ہوتا ہے:

- (۱) مقامِ روانگی اور تاریخ (۲) القاب (۳) آداب و تسلیمات (۴) خط کا مضمون (۵) اختتام مکتب
- (۶) کاتب یا نظر لکھنے والے کا نام اور پتا (۷) مکتب الیہ کا پتا

القاب و آداب

مکتب الیہ	القاب و آداب	خاتمه
والد	محترم ابا جان! السلام علیکم!	آپ کا بیٹا
والدہ	محترمہ امی جان! السلام علیکم!	آپ کا بیٹا
چچا	محترم چچا جان! السلام علیکم!	آپ کا بھتیجا
پیچی	محترمہ پیچی جان! السلام علیکم!	آپ کا بھتیجا
ماموں	محترم ماموں جان! السلام علیکم!	آپ کا بھانجا
ممائی	محترمہ ممائی جان! السلام علیکم!	آپ کا بھانجا
خالو	محترم خالو جان! السلام علیکم!	آپ کافرمانبردار
خالہ	محترمہ خالہ جان! السلام علیکم!	آپ کافرمانبردار
استاد	استاد محترم! السلام علیکم!	آپ کاشا گرد
دوست	سید بھائی، چودھری بھائی، پیارے دوست! السلام علیکم!	آپ کاصادق
بڑا بھائی	محترم بھائی جان! السلام علیکم!	آپ کانخا بھائی
چھوٹا بھائی	پیارے بھائی! السلام علیکم! عزیزم!	آپ کادعا گو
بڑی بہن	پیاری آپا جان! السلام علیکم!	آپ کاعزیز بھائی
چھوٹی بہن	پیاری بہن! السلام علیکم! مُتی آپا!	آپ کا بھائی
سمیلی	عزیز سیمیلی، پیاری سیمیلی، سلمی باجی، پیاری عظیمی! السلام علیکم!	آپ کی سیمیلی
اجنبی	کمرمی! محترمی!	نیازمند! خاکسار!
	شخ صاحب!	خیراندیش!
	سید صاحب!	آپ کا مخلص!
	کرم بندہ! السلام علیکم!	بھی خواہ! خیر طلب

نمونے کے چند خطوط

۱ والد کے نام

(سکول میں امتحانی نتیجہ کی رواداد بیان کرنا)

۹۲۔ واسا کالونی۔ لاہور

کیم اپریل ۲۰ء

محترم ابا جان! السلام علیکم!

مبارک ہو۔ کیم اپریل آئی، میری کامیابی کی خوشخبری لائی۔ بے رنگ سا سکول پہنچا۔ سکول کا وسیع صحن طلبہ سے بھر پور تھا۔ اساتذہ کرام تشریف لارہے تھے۔ نوجہ چکے تو ہیڈ ماسٹر صاحب جلوہ افروز ہوئے۔ ہر جماعت کی قطار لگ گئی، مگر دل دھڑک رہے تھے۔ معلوم نہیں کیا نتیجہ نکلے۔ پاس ہیں یا فیل یا زیر غور۔ خدا خدا کر کے نتیجہ کی فہرستیں اساتذہ کو میلیں وہ خراماں خراماں اپنی جماعت میں گئے۔ نتیجہ سنایا۔ پاس ہونے والے طلبہ کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ وہ ناچھتے نخھتے گاتے تھے، تکمیر کے نعرے لگاتے تھے۔ کبھی سکول زندہ باد کا نعرہ لگتا، کبھی ہیڈ ماسٹر صاحب زندہ باد کا نعرہ بلند ہوتا۔ کوئی آدھ گھنٹا یہی ہکیل ہوتا رہا۔ آخر سب لڑکے سکول سے نکل گئے۔ صرف نویں جماعت بیٹھی تھی جو والے طلبہ کو مبارک باد کی اور فیل ہونے والے طلبہ کو ماہی سے نکال کر آئیندہ سال زیادہ محنت کر کے اچھے نمبروں میں پاس ہونے کی نصیحت کی۔ پھر نتیجہ سنایا۔ ہمارے سیکشن کے پانچ لڑکے فیل ہوئے اور باقی ہم سب پاس۔ ہماری خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ اچھلے کو دنے، ناچنے کو جی چاہتا تھا، مگر پاس ادب سے خاموش اپنے اپنے گھروں کو چل دیے۔ فیل ہونے والے طلبہ گرد نیں جھکائے، منھ لٹکائے سکول سے نکل گئے۔ پیارے ابا جان! یہ سب آپ کی اور امیٰ جان کی دعاوں کا صدقہ ہے۔ ان شاء اللہ دسویں جماعت امتیاز کے ساتھ پاس کروں گا اور وظیفہ حاصل کرنے کے لیے سخت محنت کروں گا۔ امید ہے اللہ تعالیٰ مجھے مایوس نہیں کرے گا۔ آپ بھی دعا کرتے رہیں۔

امیٰ جان کو سلام۔ تنزیلہ کو دعا۔

آپ کا بیٹا

محمد سعد اسلم

۲ والدہ کے نام

(موسم گرم کی تعطیلات کا ذکر)

۲۶۲۔ محمد نگر، لاہور

۲۰ ربیعی ۲۰ء

محترمہ امیٰ جان! السلام علیکم!

میں نے ۱۳ اپریل کو آپ کی خدمت میں خلکھا تھا۔ آج تک انتظار کر رہا ہوں کہ آپ کا گرامی نامہ آئے تو جواب کچھ عرض کروں، مگر منتظر ہی رہا۔ اب میں کامہینا ختم ہونے کو ہے اور جوں کی آمد آمد ہے۔ یہ مہینا خصوصی طور پر گرم ہوتا ہے۔ اسی لیے موسم گرم کی تعطیلات اس مہینے



میں ہوا کرتی ہیں۔ امید ہے دس بارہ تاریخ تک تعطیلات ہو جائیں گی اور میں فوراً آپ کی خدمت میں پہنچنے کی کوشش کروں گا اور گھر آ کر ابا جان کا ہاتھ بٹاؤں گا اور کاشت کاری میں ان کی مدد کروں گا۔ مجھے ہر وقت آپ کی صحت کا خیال رہتا ہے۔ خدا کرے کہ آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سر پر قائم رہے اور ہم آپ کی دعاؤں کی برکت سے اس قابل ہو جائیں کہ ملک اور قوم کی خدمت کر سکیں۔ میں ہر نماز میں آپ کے لیے دعا نہیں مانگتا ہوں۔ آپ کی دعاؤں نے مجھے دسویں جماعت میں پہنچایا ہے اور آئندہ بھی میری ترقی میں رفیق رہیں گی۔ زیادہ آداب!

آپ کا بیٹا

ارشد محمد نا شاد

۳

(خط لکھنے کا تقاضا کرنا)

۷۸۶۔ ماذل ناؤن، راول پنڈی

۱۵ فروری ۲۰۲۰ء

محترم بھائی جان! السلام علیکم!

آپ کو گھر سے گئے ہوئے، ایک مہینا ہو گیا ہے۔ مگر آپ نے اپنی خیریت کا ایک خط بھی نہیں بھیجا۔ والدہ صاحبہ، بہت پریشان اور فکرمند ہیں۔ خدا کرے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں اور ہم لوگوں کی یاد آپ کو بے قرار کرتی رہے۔ اب ابا جان بھی فکرمند ہیں۔ نہ خدا آگو جو ابا ببا کی گردان سے تھکت نہیں، بسا اوقات آپ کی تصویر کارنس سے اتار لیتا ہے اور سارے گھر میں لیے پھرتا ہے۔ پرسوں آپا جان آئی تھیں، آپ کا پوچھتی رہیں۔ رات دلخواہ بھائی آگئے اور آج وہ اپنے گھر چل گئیں۔ اگر آپ کا خیریت نامہ جلد نہ آیا تو ابا جان کو یا سمجھیے اور پھر ان کی خنگی آپ کی لیت ولع کے لیے آفت بن جائے گی۔ وہ آپ کا کوئی عذر قبول نہیں فرمائیں گے۔ پس خیریت اسی میں ہے کہ اپنی خیریت سے جلد از جلد مطلع فرمائیں۔ زیادہ آداب!

آپ کا بھائی

عبد العزیز ساحر

۴ آپ کے نام

(دسمبر کی چھٹیاں ایک ساتھ گزارنے کے لیے)

۲۰۰/۱۔ غلام محمد آباد، فیصل آباد

۲۰ نومبر ۲۰۲۰ء

محترم آپا جان! السلام علیکم!

آپ کا خط آیا۔ پڑھا، ای جان کو سنایا۔ ابا جان نے بھی پڑھا۔ سب خوش ہوئے اور آپ کی صحت و سلامتی کے لیے دعا نہیں کیں۔ اچھی آپا! آپ نے اپنی خیریت توکھی، مگر دلخواہ بھائی کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دورے پر ہیں۔ اگر گھر پر ہوتے تو آپ ضرور لکھتیں۔





اچھا تو اب سعد سکول جانے لگا ہے یا نہیں؟ پیاری بہن! بچوں کی بھائی اسی میں ہے کہ وہ پڑھ لکھ کر بہترین آدمی بنیں۔ ملک کو قابل آدمیوں کی بے حضورت ہے۔ خاندان اور قبیلے کا نام اسی سے روشن ہوتا ہے اور یہی روشنی تمام متعلقین کی آنکھوں کے نور کو بڑھاتی ہے۔ دسمبر کی چھٹیوں میں آپ ضرور تشریف لاں گیں۔ ان دونوں ہم سب بہن بھائی اکٹھے تعطیلات گزاریں گے۔ امی جان کی بھی یہی تاکید ہے، لہذا آپ ضرور تشریف لاں گیں۔ زیادہ آداب و نیاز!

آپ کا بھائی

صہیب رومی

۵ چچا کے نام

(مزاج پر سی اور چچی کی پرتشویش ظاہر کرنا)

طارق کالونی، لاہور

۳۰ نومبر - ۲۰۱۴ء

محترم چچا جان! السلام علیکم!

شاید آپ نے خط نہ لکھنے کی قسم کھارکھی ہے۔ اب جان نے خط لکھا۔ جواب ندارد۔ امی جان نے مکتب بھیجا۔ رسیدنہیں ہے۔ اب میں خود یعنی آپ کا بھتیجا خط لکھ رہا ہوں۔ امید ہے جواب سے محروم نہیں رہوں گا۔ سب سے پہلے یہ بتائیں کہ اب چچی جان کی صحت کیسی ہے؟ بخار ترا یا نہیں؟ ڈاکٹر صاحب کی رائے کیا ہے؟ اگر آپ کے ہاں تشقی آمیز علاج ناممکن ہے تو انہیں یہاں لے آئیے۔ لاہور میں اپنے سے اچھا اور بہتر سے بہتر علاج میر آسکتا ہے۔ تکلیف فرمائیے اور چچی جان کو یہاں لے آئیے۔

دسمبر آرہا ہے۔ موسم سرما کی تعطیلات لارہا ہے۔ میں حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔ اگر افتخار بھائی آجائیں تو بہت اچھا ہو۔ لاہور کی سیر کریں گے اور مل کر پڑھیں گے۔ میں انہیں بھی خط لکھ رہا ہوں۔ چچی جان کی خدمت میں میر اسلام عرض کر دیں۔ زیادہ آداب!

آپ کا بھتیجا

شہریار احمد

۶ چھوٹے بھائی کے نام

(اچھی صحت اختیار کرنے کے لیے نصحت)

۲۵۔ جوہر ٹاؤن، جام پور

۲۱ رجنوری - ۲۰۱۴ء

نوید میاں! السلام علیکم!

آپ کا خط آیا، پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ اب صحت یا بھی موصول ہوا کہ نوید کو تعلیمی احتیاط کی ضرورت



ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ دل لگا کر پڑھتے لکھتے نہیں اور ایسے دوست پیدا کر رکھے ہیں جو شریف کم اور آوارہ زیادہ ہیں۔ یاد رکھیے ایسے دوستوں کی صحبت تعلیم میں ناکامی اور اخلاق میں پستی کا موجب ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو سنبھالو خوب محنت کرو اور پاکیزہ اخلاق سیکھو تو کہ نصرف آپ ذلت و رسولی سے نج جائیں بلکہ آپ کے بزرگوں پر بھی کوئی حرف نہ آئے۔

نوید! آپ میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ مجھے حق پہنچتا ہے کہ سزادوں، گمراہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ بہتر ہے کہ اب ایسے دوستوں کو سلام کرو اور پڑھنے لکھنے میں پوری توجہ صرف کرو۔ امتحان سر پر ہے، نہ پڑھو گے، محنت نہیں کرو گے تو فیل ہو کرنا کٹھاؤ گے۔ خاندان کے نام پر حرف آئے گا۔ دوستوں میں کیا عزت رہ جائے گی؟ ماں باپ کو کتنی کوفت ہوگی! مجھے امید ہے کہ آئندہ ایسی شکایت نہیں آئے گی اور آپ خود اپنی عزت کا پاس کریں گے۔ زیادہ دعا!

آپ کا بھائی

طیب ارمغان

۷ دوست کے نام

(جہیز اور شادی کے موقع پر بے جا اسراف کی نہ مت کرنا)

۱۵ فیصل کالونی، چونیاں۔ ضلع قصور

۲۰ ابر مارچ ۲۰۱۴ء

میرے پیارے دوست انساب ریحان! السلام علیکم!

آپ کا خط ملا۔ آپ نے لکھا ہے کہ اگلے ماہ آپ کی بڑی ہمسیرہ کی شادی ہو رہی ہے۔ برات دھوم دھام سے آئے گی، بینڈ موسیقی کا پروگرام پیش کرے گا۔ آتش بازی کا مظاہرہ ہو گا، جہیز کی نمائش ہو گی، مہمانوں کو پر تکلف کھانے کھلانے جائیں گے وغیرہ۔ میں یہ خوشخبری سن کر بہت خوش ہوا اور آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یاد فرمایا ہے لیکن اس سلسلے میں حق کی بات بتانا بھی میرا فرض بنتا ہے۔ میرے خیال میں یہ سب چیزیں غیر ضروری، غیر اسلامی اور اسراف پر منی ہیں۔

الله تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ آپ نے اپنی بیٹیوں کی شادیاں کس طرح کیں؟ باراتیں کیسے آئیں؟ مہمانوں کو کیسے کھانا کھلایا؟ اور جہیز کیا دیا؟

اسلام ہمیں سادگی کی تعلیم دیتا ہے اور ہر کام میں کفایت شعاراتی کی ترغیب دلاتا ہے۔ آپ کے والدین کو آپ کی دوسری بہنوں اور بھائیوں کی شادیاں بھی کرنی ہیں۔ مجھے آپ کے کنبے کی آمدنی کا بھی علم ہے۔ قرض لے کر برادری میں ناک کٹ جانے کے خوف سے فضول رسموں پر بے دریغ خرچ کرنا کہاں کی عقل مندی ہے؟ ہماری حکومت نے آتش بازی اور جہیز کی نمائش پر پابندی عائد کی ہوئی ہے۔ مہمانوں کی تعداد بھی مقرر کر رکھی ہے، لیکن ہم لوگ قانون کا احترام نہیں کرتے۔

تعلیم کا مقصد اچھے برے کی پہچان ہے۔ ہمیں تمام غیر اسلامی رسومات کو ترک کر دینا چاہیے اور ان رسوموں پر خرچ ہونے والی رقم فلاحی اداروں کو عطیہ کر دینی چاہیں۔ سماجی برائیاں دور کرنا ہم سب کا فرض ہے۔

میں نے یہ اصول بنارکھا ہے کہ میں کسی ایسی تقریب میں شرکت نہ کروں جہاں فضول خرچی اور خلافِ اسلام رسومات کا مظاہرہ ہو۔ اگر آپ اپنے والدین کو سمجھائیں کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی سادگی سے کر لیں تو میں ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔ اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر میں حاضر ہونے سے قاصر ہوں۔ امید ہے کہ آپ میری اس صاف گوئی کو معاف کر دیں گے۔ محترم خالوجان اور محترمہ خالہ جان کو مسلم عرض کر دیں۔ نخشی کلثوم اور اسلام کو دعا نہیں!

وَالسَّلَامُ!

آپ کا دوست

محمد عمر خاں

۸ ہمسائے کے نام

(موسیقی بند کرنے کی درخواست کرنا کہ پڑھائی میں وقت ہو رہی ہے)

جلال پور، عیسیٰ جیل۔ ضلع میانوالی
۱۳ ار فروری ۲۰۱۴ء

مکرمی جناب اور نگزیب صاحب!

السلام علیکم! آپ جانتے ہیں کہ ہمارے سکول کے امتحنات قریب آ رہے ہیں۔ دن سکول میں گزر جاتا ہے اور رات کا وقت ہی ایسا ہوتا ہے جس میں طالب علم پڑھ کر امتحان کے لیے تیاری کر سکے۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو موسیقی بہت پسند ہے اور عام طور پر یہ یوکو چالور کہتے ہیں اور آواز بھی عموماً اوپنجی ہوتی ہے جس سے میرے مطالعے کی کیسوئی ختم ہو جاتی ہے۔ لہذا ملتمس ہوں کہ اگر رات کو یہ یو سے شغل نہ فرمائیں تو احسان ہوگا۔ اگر یہ یو سننا لازمی ہو تو آواز کو اتنا مدد ہم کریں کہ آواز آپ کی دیواریں عبور نہ کر سکتے تاکہ میں بھی کچھ پڑھ کر آپ کو دعا دوں۔ امید ہے آپ ممنونیت کا موقع دیں گے۔

فقط وَالسَّلَامُ!

مختصر

ملک کرم حسین

مشقی خطوط کے موضوعات

- (۱) اپنے بڑے بھائی کو ایک خط لکھیے جس میں اپنی چھٹی کے پروگرام کا ذکر کیجیے۔
- (۲) اپنے دوست کے نام خط لکھیے جس میں کسی ایسی کتاب کا تذکرہ کیجیے جسے آپ نے پڑھا اور اس نے آپ کو بہت متاثر کیا ہوا۔
- (۳) اپنی بہن کے نام ایک خط لکھیے جس میں کسی تاریخی عمارت کی سیر کا حال لکھیے۔
- (۴) اپنے دوست کے نام خط میں کوئی ایسا واقعہ بیان کیجیے جس سے آپ کی حاضر دماغی کا اندازہ ہوتا ہو۔
- (۵) فرض کیجیے کہ آپ کے چچا جاپان میں ہیں۔ خط لکھ کر ان سے اہل جاپان کے طرز زندگی کے بارے میں پوچھیے۔
- (۶) آپ نے اپنے دوست کو کچھ رقم ادھار دی تھی۔ اب آپ کو ضرورت ہے۔ خط لکھ کر تقاضا کیجیے مگر اس انداز سے کہ آپ کے دوست کو ناگوار نہ ہو۔
- (۷) اپنی خالہ کو ایک خط لکھیے جس میں یہ بتائیے کہ آپ نے اپنا مکان بدل لیا ہے اور یہ کہ آپ کے نئے محلہ دار کیسے ہیں۔
- (۸) مالک مکان کے نام خط لکھیے جس میں اسے مکان کی مرمت کی طرف توجہ دلائیے۔
- (۹) سوئی گیس کمپنی کے نام ایک خط لکھیے کہ آپ اپنے گھر میں گیس کا نکشناں لگوانا چاہتے ہیں۔ اپنی ضروریات کی مکمل تفصیل لکھنا نہ بھولیے۔
- (۱۰) کسی فیکٹری کے نیجے کے نام خط لکھیے جس میں فیکٹری دیکھنے کی اجازت مانگیے۔
- (۱۱) کسی اخبار کے مدیر کے نام خط لکھ کر ٹریف کی بدائی نظامی کی طرف توجہ دلائیے۔
- (۱۲) اپنے استاد کے نام خط لکھیے جس میں اپنی کسی مشکل کے لیے مدد مانگیے۔
- (۱۳) ناراض دوست کو منانے کے لیے خط لکھیے۔
- (۱۴) دوست کے نام دوستانہ شکوے کا حامل خط لکھیے۔
- (۱۵) اپنی چند پسندیدہ کتابیں منگوانے کے لیے کسی پبلشر کے نام خط لکھیے۔
- (۱۶) بیجوں کا کوئی رسالہ اپنے نام جاری کرنے کے لیے ایڈیٹر کے نام خط لکھیے۔

رقات یادِ عوتی کارڈ

رقات مختصر خطوط کا نام ہے۔ شادی، بیاہ اور دیگر تقریبات کے لیے طویل خطوط کے بجائے مختصر خطوط یعنی دعوتی کارڈ بھیجے جاتے ہیں جنہیں رقات بھی کہتے ہیں۔ یہ رقات تقریبی بھی ہوتے ہیں اور اطلاعی بھی۔ نمونے کے لیے چند رقات پیش کیے جاتے ہیں:



مکرمی.....!

السلام علیکم! میرے بیٹے کی شادی خانہ آبادی مورخہ قرار پائی ہے۔ تشریف لا کرنوازیں۔

پروگرام

سہابندی بجے صبح

رواگی برات ۹ بجے صبح

منتظر

سید عبدالحکیم بخاری

گارڈن ٹاؤن۔ ملتان



محترمہ.....

السلام علیکم! عزیزہ عظیمی بتوں کی شادی ۵ ستمبر۔ ۲۰۱۴ کو قرار پائی ہے۔ تشریف لا کر بچی کو اپنی نیک دعاؤں کے ساتھ رخصت کریں۔

پروگرام

استقبال برات ابے دوپہر

نکاح ڈیڑھ بجے دوپہر

طعام ۲ بجے دوپہر

رخصتی ۳ بجے شام

متنمی شرکت

ڈاکٹر ناہید ربانی

فرید ٹاؤن۔ ساہیوال

عرائض نومی

کسی افسر یا ہیڈ ماسٹر صاحب سے چھٹی لینے یا کسی افسر کے کچھ گوش گزار کرنے کے لیے جو کچھ لکھا جاتا ہے، اسے عرضی یاد رخواست کہتے ہیں۔ درخواست میں جو کچھ لکھا جائے وہ خوش خط صاف اور سادہ ہونا چاہیے۔

- (۱) عرضی لکھنے کے لیے سب سے پہلے افسر کا عہدہ لکھا جاتا ہے۔
- (۲) نئی سطر سے ”گزارش ہے“، لکھ کر اپنی عرض داشت لکھی جاتی ہے۔
- (۳) درخواست کے خاتمے پر عین نوازش ہوگی۔ مہربانی ہوگی۔ غیرہ لکھ کر درخواست ختم کی جاتی ہے۔
- (۴) درخواست کے نیچے العارض، عرضی یاد رخواست گزار لکھ کر نیچے درخواست گزار کا نام اور پتا لکھنا چاہیے۔

۱ ہیڈ ماسٹر صاحب سے چھٹی کی درخواست

بخدمت ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ہائی سکول، کمالیہ
موضوع: رخصت برائے ضروری کام

جناب عالی!

گزارش ہے کہ آج مجھے گھر پر ایک ضروری کام درپیش ہے۔ جس کے باعث سکول میں حاضر نہیں ہو سکوں گا۔ لہذا ملتمس ہوں کہ آج مورخہ ۲۰۱۸ء صرف ایک دن کی رخصت مرحت فرماؤ کرو نوازیں۔ عین نوازش ہوگی۔

العارض

اسامہ حسن

جماعت نہم

۲ بیماری کی درخواست

بخدمت ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ماؤنٹ ہائی سکول، رحیم یار خاں
موضوع: درخواست برائے رخصت بیماری
جناب عالی!

گزارش ہے کہ مجھے کل سے بخار ہے۔ رات بھر بخار میں بھختا رہا ہوں۔ اس وقت ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں۔ لہذا آج اور کل صرف دو دن کی رخصت منظور فرماؤ کرو نوازیں، کرم ہو گا۔

العارض

کاشف خورشید

متعلم جماعت دہم۔ بی

۲۵ اپریل ۲۰۰۸ء

فیس معافی کی درخواست

۳

خدمت ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ماؤنٹ ہائی سکول نمبرا، چکوال
موضوع: درخواست برائے فیس معافی
جناب عالی!

گزارش ہے کہ میں ایک طالب علم ہوں۔ والد صاحب کی آمدی بہت کم ہے۔ ہر وقت پیٹ بھرنے کے لالے پڑے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے میرے لیے فیس ادا کرنا دشوار ہو رہا ہے۔ میرا تعلیم حاصل کرنے کا شوق مجھے مجبور کر رہا ہے کہ آپ سے مدد کی درخواست کروں۔ لہذا ملتمنس ہوں کہ سکول کی فیس معاف فرمائی کا موقع عطا فرمائیں، کرم ہو گا۔ زیادہ آداب و نیاز۔

۵، جنوری ۲۰۱۴ء

العارض

واجد خلیل

متعلم جماعت نہ فرقہ ذی

سرٹیفیکیٹ کے حصول کے لیے درخواست

۴

خدمت ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ماؤنٹ ہائی سکول، کروڑلعل عیسٰ ضلع لیہ
موضوع: درخواست برائے حصول سرٹیفیکیٹ
جناب عالی!

گزارش ہے کہ میرے والد صاحب سمن آباد میں اپنی رہائش منتقل کر رہے ہیں اور مجھے بھی ماں باپ کے ساتھ سمن آباد میں سکونت پذیر ہونا ہے۔ لہذا ملتمنس ہوں کہ سکول چھوڑنے کا سرٹیفیکیٹ مرحمت فرمائیں۔ فقط آداب۔

۱۰، جنوری ۲۰۱۴ء

درخواست گزار

عبد الجبار بھٹی

متعلم جماعت وہم

صفائی کے لیے درخواست

۵

خدمت ہیلچہ آفیسر صاحب جنگ کار پوریشن
موضوع: درخواست برائے صفائی سترہائی
جناب عالی!

گزارش ہے کہ ہمارے محلے میں خاکروبوں نے آنا چھوڑ دیا ہے۔ ہرگلی اور کوچے میں غلاظت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ بدبو کے بھبھو کے اٹھ رہے ہیں۔ محلے پر بدبو کا تسلط ہے۔ اس پر مزید یہ کہ موسم برسات آرہا ہے جو گندی گلیوں اور محلوں میں بیماریاں پھیلادیا کرتا ہے۔ ہیئت تو اس موسم کی محظوظ بیماری ہے۔ لہذا ملتمنس ہوں کہ محلے سے غلاظت اٹھوا کر صفائی کا انظام فرمائیں اور اہل محلہ کو بیماریوں کے جھوم سے بچائیں۔ زیادہ آداب۔

۸، اکتوبر ۲۰۱۴ء

العارض

حاشر فاروق

حضرتی محلہ جنگ

۶ ڈاک کی شکایت

بندمٹ پوسٹ ماسٹر صاحب جنڈیالہ شیرخان ضلع شیخوپورہ
موضوع: ڈاک کی ناقص کار کردگی
جناب عالی!

گزارش ہے کہ محلے میں ڈاک کی تقسیم کا انتظام نہ ہوتا۔ ناقص ہے۔ ڈاکیائی کئی دن تک آتا ہی نہیں اور ہمارے ضروری خطوط وقت پر نہ ملنے کی وجہ سے نقصان کا موجب بنتے ہیں۔ لہذا یا تو ڈاکیے کی سرزنش کی جائے یا کوئی نیا ڈاکیا متعین کیا جائے جو روز کے روز ڈاک تقسیم کر دیا کرے۔ مکر عرض ہے کہ آپ اس درخواست کو زیر توجہ لا کر نوازیں تاکہ ہم لوگ زیادہ نقصان سے بچ سکیں اور آپ کو مزید پریشان کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ فقط آداب وسلام۔

۳۱ دسمبر—۲۰۱۴ء

العارض
فرحان شیخ
طیبہ کالونی، جنڈیالہ شیرخان ضلع شیخوپورہ

رسید لکھنا

ضروری باتیں

رسید کسی چیز یار قم وغیرہ کی وصولی کی تحریری دستاویز کو کہتے ہیں۔ ایسی دستاویز ہونے کی صورت میں کوئی شخص کسی دوسرے سے دوبارہ کسی چیز یار قم کی واپسی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ لین دین کے معاملات میں لکھا پڑھی کر لیا کرو اور اس پر گوہ بھی بنالیا کرو۔ چنان چاہی بنا پر ہمارے معاشرے میں رسیدات کا عمدہ تصور موجود ہے۔

کسی زمانے میں رسیدات یا اشیا کے لین دین کے بارے میں یادداشت کے طور پر لکھی گئی تحریروں کو وہ وثیقہ نہیں یا عارض نہیں لکھا کرتے تھے جو بڑے خوش خط ہوا کرتے تھے اور ان کی تحریروں کو اہم دستاویز کی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ آج زمانہ بدل چکا ہے تاہم دیہات میں، جو پاکستان کی آبادی کا سائل فی صد سے زیادہ پر مشتمل ہیں، ابھی تک رسیدات اور اہداریاں لکھنے کا تصور موجود ہے اور شہروں میں بھی کہیں کہیں اس کا چلن ہے۔ جب کہیں میمو (Cash Memo) رسیدی کی ترقی یا فتحہ صورت ہے۔ بہر کیف ہمارے عزیز طلبہ کو رسید لکھنے کے موضوع سے لازمی طور پر آگاہ ہونا چاہیے۔



رسید لکھنے کے لوازمات

رسید لکھنے وقت درج ذیل امور کو پیش نگاہ رہنا چاہیے:

(۱) رسید کسی بھی نوعیت کی ہو، رسید وہ شخص لکھتا ہے جو رقم وصول کرتا ہے۔

(۲) رسید لکھنے سے پہلے جتنی حروف میں ”باعث تحریر آنکہ“ لکھا جاتا ہے۔

(۳) رسید میں غیر ضروری طوالت سے گریز کیا جاتا ہے اور صرف کام کی باتیں لکھی جاتی ہیں۔

(۴) رسید صرف ایک جملے پر مشتمل ہوتی ہے چنانچہ وہ قدرے طویل کیوں نہ ہو۔

(۵) رسید کے اختتام پر تاریخ لکھی جاتی ہے۔

رسید میں رقم کو لفظوں میں اور اس کے بعد نصف رقم کو بھی لفظوں میں لکھنا چاہیتا کہ اس میں تبدیلی نہ کی جاسکے۔

رسید کے آخر میں ”العبد“، لکھنے کے بعد رسید لکھنے والا اپنानام، ولدیت، قومیت اور سکونت بڑے واضح اور غیر مبہم انداز میں لکھتا ہے۔

اگر رسید کو اہم دستاویز کی شکل دینا مطلوب ہو تو ”العبد“ کا قومی شناختی کارڈ نمبر بھی لکھا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات شناختی کارڈ کی مصدقہ نقل بھی منسلک کر دی جاتی ہے۔

”العبد“ کے دائیں اور بائیں طرف دو گواہوں کے نام اسی انداز میں لکھے جاتے ہیں جس انداز میں ”العبد“ کا نام آتا ہے۔

نمونے کی چند رسیدات

روپے وصول کرنے کی رسید

۱

(بابت فروختگی بائیسکل)

باعث تحریر آنکہ

مبلغ دس ہزار روپے، نصف جن کے مبلغ پانچ ہزار روپے ہوتے ہیں، ازال جناب محبوب علی ولد سردار علی قوم راجپوت سکنہ ۹۲
علی بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور، بابت سینئنڈ ہینڈ بائیسکل سہرا ب نمبر ۷۵۶۳۲۱۴ مع تمام ضروری لوازمات، وصول پاکر یہ رسید لکھ دی ہے تاکہ سندر رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔ محرر: ۳۱ اکتوبر ۲۰۰۴ء

العبد

علی احمد ولد محمد بن قوم شيخ

گواہ شد

گواہ شد

محمد سعیم ولد منور حسین قوم بھٹی

دوسرا مولود نور احمد قوم شيخ

پتا

پتا

شناختی کارڈ نمبر

شناختی کارڈ نمبر



باعث تحریر آنکہ

مبلغ بیس ہزار روپے، نصف جن کے مبلغ دس ہزار روپے ہوتے ہیں، باہت کراچی فلیٹ نمبر، بلاک نمبر ۵، فیصل فیش، پی آئی اے کالونی لاہور، برائے ماہ نومبر ۲۰۲۰ء، جناب محمود علی ولد سجاد علی قوم ارائیں سے نقد و صول پا کر یہ رسید لکھ دی ہے تاکہ سندر ہے اور وقت ضرورت کام آئے۔ محررہ کیم نمبر ۲۰۲۰ء

العبد

شیخ رحیم الدین مالک فیصل فیش

گواہ شد	پتا	گواہ شد
محمد اصغر ولد غلام محمد قوم گل	شناختی کارڈ نمبر	احمد ولد سراج الدین قوم گجر
پتا		پتا
شناختی کارڈ نمبر		شناختی کارڈ نمبر



باعث تحریر آنکہ

جو کہ ایک راس گائے، رنگ ہلاکا بھورا، سینگ ندارو، دُم بُبی، ماتھے پر پھول کا نشاں، عمر تقریباً پانچ سال، دودھ دیتی ہوئی، ہم راہ ایک پھر، عمر دو ماہ، محترم جناب محمد مختار ولد مہتاب علی قوم بھٹی راجپوت سکنہ موضع شاکے بھٹیاں، ملتان روڈ، لاہور کے ہاتھ مبلغ اتنی ہزار روپے میں، جن کے نصف مبلغ چالیس ہزار روپے ہوتے ہیں، فروخت کر دی ہے اور تمام رقم رو برو مندرجہ ذیل گواہان کے نقد و صول پا کر یہ رسید لکھ دی ہے تاکہ سندر ہے اور وقت ضرورت کام آئے۔ محررہ ۱۵ اکتوبر ۲۰۲۰ء

العبد

شہاب الدین ولد کرم علی قوم راجپوت

گواہ شد	پتا	گواہ شد
محمد خال ولد ضیاء الدین قوم گجر	شناختی کارڈ نمبر	محمد کارمان نمبر دار ولد محمد رضوان
پتا		پتا
شناختی کارڈ نمبر		شناختی کارڈ نمبر



٣ وظیفہ وصول کرنے کی رسید

باعث تحریر آنکہ

مبلغ بارہ ہزار روپے، نصف جن کے مبلغ پچھے ہزار روپے ہوتے ہیں، بابت وظیفہ بھری سکالر شپ برائے ماہ نومبر ۲۰ء ازال
جناب ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ہائی سکول علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور وصول پا کر یہ رسید لکھ دی ہے تاکہ سندر ہے اور وقت ضرورت کام
آنے۔ محرہ ۵ دسمبر ۲۰ء

العبد

وقار احمد متعلم جماعت دہم
سکیشن اے رو نمبر ۵

توثیق کنندہ

محمد احمد، ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ہائی سکول علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور



٥ قرض حسنے لینے کی رسید

باعث تحریر آنکہ

مبلغ پچاس ہزار روپے، نصف جن کے مبلغ پچیس ہزار روپے ہوتے ہیں، بابت قرض حسنہ ازال جناب نور احمد صاحب سکنہ چک
نمبر ۳۶ جنوبی ضلع سرگودھا وصول پا کرو برومندر جذیل دو گواہوں کے یہ رسید لکھ دی ہے تاکہ سندر ہے اور وقت ضرورت کام آئے۔
میں یہ رقم برابر قسطوں میں اس ۳۶ دسمبر ۲۰ء تک ادا کروں گا۔ ان شاء اللہ۔ محرہ: کیم جنوری ۲۰ء

العبد

محمد اسحاق ولد غلام حسین قوم قریشی

پتا-----

گواہ شد

گواہ شد

محمد خال ولد بلاقی خاں قوم گجر

محمد کامران نمبر دار ولد محمد رضوان سکنہ

پتا-----

پتا-----

شناختی کارڈ نمبر -----

شناختی کارڈ نمبر -----



مکالمہ نگاری

مکالمہ دو یادو سے زیادہ آدمیوں کی باہمی بات چیت کو کہتے ہیں۔ اس بات چیت یا گفت گو کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔ اسی گفت گو سے ہم ایک دوسرے تک اپنے دل کی بات پہنچاتے ہیں اور ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہ ہوتے ہیں۔

مکالمہ زبانی بھی ہوتا ہے اور تحریری بھی۔ اسی سے ایک دوسرے کے جوہر و کردار کا پتا چلتا ہے اور کسی کردار کی شخصیت کھل کر سامنے آتی ہے۔ یہی مکالمہ، ڈرامے، ناول اور افسانے کی جان ہیں۔ انھی کی کامیابی سے ناول، افسانہ اور فلم وغیرہ کی کامیابی کی شہرت پھیلتی ہے اور انہی سے ہم ایک دوسرے کی قدر و قیمت کا اندازہ کرتے ہیں۔

مکالمہ ایک فطری بات چیت بھی ہے اور مصنوعی گفت گو بھی۔ بہر حال مصنوعی مکالمے میں بھی فطرت کا لاحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ روزمرہ بول چال اور لب والجہ کے ساتھ اشارات ایک اچھے مکالمے کی جان ہیں۔ الجھاؤ اور تکفانہ گفت گو مکالمے کو بے مزہ کر دیتی ہے۔ خیال رکھنا چاہیے کہ گفت گو شرافت و تہذیب کے دائے سے باہر قدم نہ رکھے۔ مخاطب کے مرتبے اور درجے کا خیال رکھا جائے۔ ضرورت کے مطابق اشارات کے ساتھ آواز کی نرمی، سختی، اتار، چڑھاؤ بھی زیر نظر رہنا چاہیے۔

گفت گو کا انداز ایسا ہونا چاہیے کہ بات سے بات خود بخوبی آئے۔ ایک ہی بات بار بار دہرانے سے بھی گفت گو میں پھیکا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ زبان کا روزمرہ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ زبان جس قدر روزمرہ کے مطابق ہوگی، اتنی ہی میؤثر ہوگی۔ اب ہم چند مکالمے بطور نمونہ درج کرتے ہیں:

۱ مریض اور ڈاکٹر

مریض : ڈاکٹر صاحب! السلام علیکم!

ڈاکٹر : علیکم السلام! تشریف رکھیے۔

مریض : تشریف رکھنا ہی تو مشکل ہے۔

ڈاکٹر : کیوں بھی ایسی کیا تکلیف ہو گئی ہے؟

مریض : تکلیف ہی تکلیف ہے۔ رات بھر پر یشان رہا ہوں گھری بھر سو نہیں سکا۔

ڈاکٹر : تکلیف تو بھی تکلیف ہی ہے۔ صحت ٹھیک نہ ہو تو چین نہیں آتا۔

مریض : کچھ دوا بھی دیجیے مراجا رہا ہوں۔

ڈاکٹر : بیماری بتاؤ تو دوادوں۔

مریض : ڈاکٹر صاحب! پیٹ میں سخت درد ہے۔ بیٹھے چین آتا ہے نہ لیٹے۔

ڈاکٹر : یہ درد کب سے ہے؟

مریض : آج رات سے۔

ڈاکٹر : رات کیا کھایا تھا؟

مریض : روٹی کا ایک ٹکڑا۔

ڈاکٹر : کیا آپ نے پہلے کبھی روٹی نہیں کھائی؟ رات کی روٹی میں کیا خاص بات تھی؟

مریض : رات کی روٹی میں خاص بات یقینی کہ جل ہوئی تھی۔

ڈاکٹر : ارے! تم جلی ہوئی روٹی کھا گئے؟

مریض : صرف ایک ٹکڑا کھایا تھا۔

ڈاکٹر : اوہ! کیا آپ کی نظر مزور ہے؟ لیٹ جاؤ تھماری آنکھوں میں دوا ڈالتا ہوں۔

مریض : نظر ٹھیک ہے۔ پیٹ میں کچھ ڈالیتا کہ درد سے جان بنچ۔

ڈاکٹر : وعدہ کرو کہ آئندہ جلی ہوئی روٹی نہیں کھاؤ گے۔

مریض : سوبار وعدہ کرتا ہوں۔ ہائے میرا پیٹ!

(ڈاکٹر مریض کو گولی کھلاتا ہے)

مریض : ڈاکٹر صاحب! شکریہ۔ درکم ہو رہا ہے۔ میں جاتا ہوں۔

ڈاکٹر : ارے میاں! دوا کی قیمت تو دیتے جاؤ۔

مریض : دوا کی قیمت درد سے آرام ہتی تو ہے۔

ڈاکٹر : دوا کی قیمت دام بھی ہیں، جن سے دوا نہیں خریدی جاتی ہیں۔

مریض : (دوا کی قیمت ادا کر کے) السلام علیکم!

ڈاکٹر : علیکم السلام! روٹی کھانے سے پہلے دیکھ لیا کرو کہ جلی ہوئی تو نہیں۔

(مریض شکریہ ادا کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔)

۲ دکان دار

خریدار : السلام علیکم!

دکان دار : علیکم السلام! آئیے تشریف لائیے۔

خریدار : آپ کی دکان میں رومال بھی ہوں گے؟



- دکان دار : رومال ہی نہیں جرا بیں، بنیا میں، چھتریاں بھی کچھ ہے۔
 خریدار : رومال دکھائیے۔ کوئی ستاساً عسوی ہو۔
 دکان دار : یہ دیکھیے رومال، نہایت نقش اور زم۔
 خریدار : آپ نے جرا بیوں کا ذکر کیا تھا۔ وہ بھی دکھائیے۔
 دکان دار : رومال کے متعلق کیا فیصلہ ہے۔ کتنے پیش کروں؟
 خریدار : جرا بیں دکھائیے تو رومال کا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔
 دکان دار : یہ دیکھیے جرا بیں، ریشمی ہیں ریشمی۔ کتنے جوڑے پیش کروں؟
 خریدار : آپ مال دکھار ہے ہیں قیمت نہیں بتاتے۔ کیا آپ اپنی چیزیں بن داموں بیچتے ہیں؟
 دکان دار : ہاں صاحب! بالکل مفت۔ قیمت برائے نام ہے۔ رومال سوروپے کا ہے اور جرا بیوں کا جوڑا دوسو بیس روپے کا۔
 خریدار : میاں دکاندار! یہ قیمت تو بہت زیادہ ہے۔ ویسے رومال بھی نقش ہے اور جرا بیں بھی۔
 دکان دار : ہم اپنے مال کو چند پیسوں کے لفغ پر بیچتے ہیں۔ کسی اور دکان سے دریافت کر لیں۔ پھر آپ کی تسلی ہو جائے گی۔
 خریدار : رومال اور جرا بیوں کی صحیح صحیح قیمت بتائیے۔ میں کچھ اور چیزیں بھی خریدوں گا۔
 دکان دار : صاحب! ہماری دکان کا حساب ”بانا“ جیسا سمجھیے۔ ایک زبان ایک دام۔
 خریدار : اگر آپ سچ مچ درست کہتے ہیں تو مجھے آپ کی سچائی پر فخر ہے۔ اب میں سچی دکان چھوڑ کر جھوٹی دکانوں پر نہیں جاؤں گا۔
 دکان دار : پھر حکم کیجیے۔ آپ کی قدر دانی کا شکر یہ!
 خریدار : پانچ رومال، پانچ جوڑے جرا ب، اور ایک چھتری بھی ڈال دیجیے مگر اچھی سی ہو۔
 دکان دار : یہ بیجیے۔ آپ کی تشریف آوری کا شکر یہ۔
 خریدار : رقم تو آپ نے نہ بتائی نہ وصول کی۔ شکر یہ مفت میں دے مارا۔
 دکان دار : یہ بیجیے بل! کل اٹھارہ سوروپے ہی تو ہوئے۔
 خریدار : یہ بیجیے دو ہزار روپے۔ اپنی رقم وصول کیجیے اور بقا یاد بیجی۔
 دکان دار : یہ تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ اچھا آپ کی خوشی کے لیے یہ بیجیے دو سوروپے۔

دو ہم جماعت ۳

- علی رضا : شہریار میاں! کہاں جا رہے ہو؟
 شہریار : آخاہ۔ آپ ہیں! السلام علیکم!
 علی رضا : یہ کیا کہ سر پیکر کا ہوش نہیں اور بازار کو بجا گے جا رہے ہو۔
 شہریار : بھائی صاحب! سلام کا جواب تو دیا ہوتا۔



علی رضا : علیکم السلام! سچ مانو تمھیں دیکھ کر سلام کا جواب تک یاد رہا۔

شہریار : اور اب بھی بے خودی میں بھاگ رہے ہو؟

علی رضا : نہیں تو۔ بے خودی کی کیا بات ہے! انگریزی کتاب کا ترجمہ خریدنے جا رہا ہوں۔ انگریزی کمزور ہے نامیری۔

شہریار : انگریزی ایسا مضمون نہیں جس کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت ہو۔

علی رضا : کیا مطلب؟

شہریار : مطلب یہ ہے کہ میں مدد کے لیے حاضر ہوں۔

علی رضا : شکر یہ دوست! یہ تو بتاؤ کہ تم کہاں جا رہے ہو؟

شہریار : جا کہاں رہا ہوں۔ یہی حساب کا خلاصہ خریدنے کا ارادہ ہے۔

علی رضا : حساب میں میں تمھاری مدد کر سکتا ہوں۔

شہریار : شکر یہ! مگر یہ دونوں مضمون تیار کیسے ہوں گے اور ہم ایک دوسرے کی مدد کیوں کر کریں گے؟

علی رضا : ہمارے گھر میں آ جایا کریں اور حساب کی مشق کر لیا کریں۔

شہریار : ٹھیک ہے۔ آئندہ ہم دونوں مل کر سکول کا کام کیا کریں گے اور ایک دوسرے کی مدد سے اپنی کمی پوری کر لیا کریں گے۔

[۲] درزی خانے میں

(حمزة خالد اور حسیب خالد دونوں بھائی درزی خانے میں داخل ہوتے ہیں)

حمزة خالد : السلام علیکم!

درزی : علیکم السلام! کہیے کیسے آنا ہوا؟ کہیں بھول تو نہیں پڑے؟

حمزة خالد : آپ کی طبیعت کیسی ہے ما سٹر جی!

درزی : شکر ہے۔

حمزة خالد : ما سٹر جی! یہ کپڑا بھی۔ میرا سوٹ تیار کر دیجیے۔ حمزہ کے لیے دو شلواریں اور ایک قمیص تیار کیجیے۔

درزی : کس حساب سے خریدا ہے یہ کپڑا؟

حمزة خالد : دوسروں پہنی میٹر۔

درزی : میری قمیص کے لیے کتنا کپڑا درکار ہوگا؟

حمزة خالد : ڈھانی میٹر۔ یہ کپڑا تین میٹر ہے۔ آدھ میٹر کی واسکٹ بنانا دیجیے۔

درزی : جوار شاد ہو، مگر زمانے کے لیے فیشن کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے نا!

حمزة خالد : ہمارے کپڑے کب تک تیار ہو جائیں گے؟

درزی : صرف پندرہ دن تک۔ آج پیر ہے اگلا پیر چھوڑ کر آئندہ پیر کو آئیے ان شاء اللہ آپ کے کپڑے تیار ہوں گے۔

حمزة خالد : ما سٹر جی! پیروں کے پھر میں نہ رکھیے گا۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں۔

درزی : فکر نہ کریں۔ ہمیں اپنے وقت کی بھی تدریس ہے۔ کام آرہا ہے اور ختم ہونے میں نہیں آتا۔ پچھی بات بھی کہتے ہیں اور لوگوں کو وعدوں پر بھی ٹرخاتے ہیں۔

حیب خالد : مگر ہمیں نہ ٹرخانا اور نہ ہماری دوستی بھی ٹرخ جائے گی۔

درزی : نہیں یہ صرف باتیں ہیں۔ بھلانا زاوعدوں سے کام چلتا ہے کہیں!

حمرہ خالد : شکریہ ما سڑ صاحب!

درزی : دونوں نوجوانوں کی آمد کا شکریہ!

٥ تاریخ پاکستان

(کلاس میں لڑکے شور مچا رہے ہیں۔ استاد صاحب کے آتے ہی خاموشی چھا جاتی ہے)

استاد : انس! بتائیے پاکستان کب وجود میں آیا تھا؟

انس : پاکستان ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا تھا۔

استاد : سب سے پہلے بر صغیر پاک و ہند میں اسلامی سلطنت کی بنیاد کس نے رکھی تھی؟

انس : محمد بن قاسم نے بر صغیر میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی اور بعد میں آنے والے فتحین کے لیے سلطنت محمود غزنوی اور محمد غوری نے راستہ ہموار کیا تھا۔

استاد : شاباش! محمد بن قاسم نے کس سن میں ہندوستان پر حملہ کیا تھا؟

صارب : ۱۲۷۶ء تھا جب کہ اس نوجوان فاتح نے راجا اہر کو شکست دے کر سندھ میں اسلامی حکومت قائم کی۔

استاد : سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر کتنے حملے کیے اور اسلامی حکومت کو کس قدر وسعت دی؟

امیر الحسن : سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے اور پنجاب و سندھ کو اسلامی حکومت میں شامل کیا۔

استاد : سلطان محمد غوری نے ہلکی کو فتح کیا اور اسلامی سلطنت کی حدود کو وسعت دی۔ اب بتائیے کہ مستقل اسلامی سلطنت کا بانی کون تھا؟

عبداللہ : ہندوستان میں مستقل اسلامی حکومت کا بانی سلطان قطب الدین ایک تھا۔ اس کے بعد خلیجی، تغلق، لوہی خاندان حکمران رہے۔

استاد : مغلیہ خاندان کا بانی کون تھا اور اس دور کے مشہور حکمرانوں کے نام بتائیے؟

محمد و الحسن : مغلیہ خاندان کے بانی کاظم ظہیر الدین بابر تھا۔ اس خاندان کے مشہور بادشاہ نصیر الدین ہمایوں، جلال الدین اکبر، نور الدین جہانگیر، شہاب الدین شاہ بھجنان، اور انگریز عالم گیر، بہادر شاہ ظفر ہیں۔

استاد : ہندوستان پر ہزار سالہ اسلامی حکومت کا خاتمه کس بادشاہ پر ہوا؟

مصطفیٰ و احمد : ہندوستان میں مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت بہادر شاہ ظفر پر ختم ہوئی اور انگریز ہندوستان کے حاکم ہو گئے۔

استاد : پاکستان کس طرح قیام پذیر ہوا؟

طاہر شہزاد : بر صغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی حالت نہایت ابتر ہو گئی تھی۔ انگریز اور ہندو دنوں مسلمانوں پر مظالم کے پھاڑ توڑ رہے تھے۔ علامہ اقبال نے قوم کو چھنچھوڑ اور پاکستان کا نظریہ پیش کیا۔ جسے قادرِ عظیم محمد علی جناح کی شبانہ روزِ محنت اور جدوجہد

نے انگریز اور ہندو کو شکست دے کر قائل کر لیا کہ پاک و ہند کے وہ علاقوں جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے پاکستان کے نام سے آزاد و آباد رہیں۔ چنانچہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہوا اور قائدِ اعظم پاکستان کے پہلے حاکم مقرر ہوئے۔

۲ ہوٹل میں

(مسٹر ستارِ خجم اپنے بیٹے نعمان کے ساتھ ہوٹل میں داخل ہوتے ہیں۔)

- | | |
|-------------|--|
| ستارِ خجم : | السلام علیکم! |
| نبیر : | و علیکم السلام! خوش آمدید! کیا حکم ہے؟ |
| ستارِ خجم : | مجھے دوبستہ کا کمرہ چاہیے۔ |
| نبیر : | آج کل مہماںوں کی آمد زیادہ ہے۔ تیسرا منزل پر صرف ایک کمرہ خالی ہے۔ |
| ستارِ خجم : | میجر صاحب! کمرہ صاف سترہ اور ہوادر ہونا چاہیے۔ |
| نبیر : | ہمارے ہوٹل کا ہر کمرہ نہایت صاف سترہ ہے۔ آپ اوپر جا کر دیکھیں۔ |
| ستارِ خجم : | مجھے آپ کی باتوں پر اعتماد ہے۔ |
| نبیر : | آپ کتنے دن تک ٹھہریں گے؟ |
| ستارِ خجم : | صرف دو دن تک۔ ہم مری جارہے ہیں، واپسی پر پھر دو دن ٹھہریں گے۔ |
| نبیر : | ۳۱۰ نمبر کمرے کی چابی بیجیے امید ہے کہ ہماری خدمت سے خوش ہوں گے۔ |
| ستارِ خجم : | شکریہ! |
| نبیر : | کیا تناول فرمائیں گے آپ؟ |
| ستارِ خجم : | نعمان بیٹے! آپ کیا کہاں میں گے؟ (کھانوں کی فہرست دیکھتا ہے) |
| نعمان : | دہی پلاو اور شامی کتاب۔ |
| ستارِ خجم : | ویٹر! میرے لیے بھنا ہو امرغ اور پتھک کے لیے ایک پلیٹ پلاو، ایک پلیٹ شامی کتاب، دہی اور سلا دلاؤ۔ (ویٹر سب کچھ حاضر کرتا ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر) |
| ستارِ خجم : | ویٹر! بل لاو۔ |
| ویٹر : | یہ بیجے جناب! |
| ستارِ خجم : | ایک ہزار پچیس روپے ہوئے سب! یہ لوٹ! |
| ویٹر : | شکریہ جناب! |

کہانی لکھنا

ضروری باتیں

کہنے کی چیز کو کہانی کہتے ہیں۔ کہانی کا مترادف لفظ قصہ یا حکایت ہے اور داستان قصے کہانی کی قدیم ترین قسم ہے۔ کسی زمانے میں قصہ خوانی یا داستان گولی ایک باضابطہ نہ ہوا کرتا تھا، جو عربی و فارسی سے اردو میں منتقل ہوا اور بڑی عظیم پاک و ہند کے طول و عرض میں پھیل گیا۔ بڑے بڑے شہروں میں داستان سنانے کے لیے باقاعدہ جگہیں اور وقت مقرر ہوا کرتے تھے، جہاں لوگ کشان کشان آتے اور بڑے انہاک سے داستان سننے تھے۔ انشاللہ خال انشا کا یہ شعر اسی ماحول کی عکاسی کرتا ہے:

سنایا رات کو قصہ جو ہیر رانجھے کا
تو اہل درد کو پنجابیوں نے لُٹ لیا

کہانی سننا سنا انسان کی جبکت ہے۔ ہر چند آج سائنس کے کمالات نے انسانی معاشرے کو بس بدلتا ہے اسے آج بھی پسند کیا جاتا ہے، خاص طور پر بچوں میں تو یہ آج بھی مقبول ہے اور دنیا کی کسی زبان کا ادب بھی قصے کہانیوں سے خالی نہیں بلکہ دنیا بھر میں بچوں کے میگزین نکلتے ہیں جن میں نئے قصے کہانیاں ہوتی ہیں، جنہیں پسند کیا جاتا ہے۔

جہاں تک ہمارے یہاں وسطی اور ثانوی سطح کے نصاب کا تعلق ہے تو کہانی یا تو کسی عنوان کے تحت لکھنے کو کہا جاتا ہے یا اس کا نتیجہ پیش نظر ہوتا ہے۔ ہر کیف کہانی لکھنے وقت مندرجہ ذیل باتوں کا لازمی طور پر خیال رکھا جاتا ہے:

- (۱) کہانی کو بالعموم فعل ماضی میں لکھنا چاہیے کیوں کہ کہانی میں گزرے ہوئے زمانے کا کوئی واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔
- (۲) کہانی کے واقعات میں منطقی ربط، تسلسل اور ترتیب کو قائم رکھنا چاہیے۔

(۳) کہانی لکھنے سے قبل اس کا عنوان جلی حروف میں تحریر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر یہ عنوان آپ کو خود تجویز کرنا ہو تو کہانی کے مجموعی مضمون اور تاثر کو سامنے رکھیے اور اس کے مرکزی خیال کو کہانی کا عنوان بنادیجیے۔

(۴) زبان سادہ اور روزمرہ کے مطابق ہوئی چاہیے۔

(۵) اگر آپ کو کسی خاکے کی مدد سے کہانی لکھنے کو یا کہانی مکمل کرنے کو کہا گیا ہے تو بعض طلبہ محض خاکے کی خالی بچھوں کو پڑ کرنے ہی کو کافی سمجھتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے بلکہ دیے گئے اشارات کو پھیلا کر کہانی مکمل کی جاتی ہے، جو خاکے سے کہیں زیادہ طویل ہوتی ہے۔

(۶) کہانی کے آخر میں اس کا نتیجہ بھی لکھیے جو بالعموم ایک عالمگیر حقائقی (Universal Truth) کی صورت میں ہوتا ہے۔ جیسے: ”سانچ کو آنچ نہیں،“ ”اتفاق میں برکت ہے،“ ”جیسا کرو گے ویسا بھرو گے،“ ”غیرہ“

درج ذیل صفات میں ہم نے طلبہ کی سہولت کے لیے وہ مشہور و معروف کہانیاں لکھ دی ہیں جو عام طور پر امتحان میں پوچھی جاتی ہیں۔
انہیں اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیجیے۔



۱ جس کا کام اُسی کو ساجے

سخت گرمی تھی، دھوپ میں شدت تھی اور ہر طرف آسمان سے آگ برس رہی تھی۔ ایک بڑے جنگل کے کنارے ایک بہت بڑا پیپل کا درخت کھڑا تھا، جس کی گھنی چھاؤں میں ایک بڑھی لکڑی کے بڑے بڑے لٹھ پیرنے میں مصروف تھا۔ وہ اپنے کام میں اس قدر مشغول ہوتا تھا کہ اس نے سوائے درخت کی چھاؤں کے کسی اور طرف کبھی دھیان نہیں دیا تھا۔

پیپل کے اوپر ایک بندر بھی رہا کرتا تھا جو بڑی تووجہ سے بڑھی کو لکڑی پیرنے میں دیکھا کرتا تھا۔ اسے بڑھی کا کام اتنا پسند آیا کہ وہ چاہتا تھا کہ وہ بڑھی بن جائے اور وہ بھی لٹھ پر بیٹھ کر اسی طرح لکڑی پیرنے میں مصروف تھا۔ بڑھی کا یہ طریقہ تھا کہ وہ لکڑی پیرنے میں وقت لکڑی کی درز میں ایک پچھوٹونک لیا کرتا تھا تاکہ لکڑی پیرنے میں آسانی رہے۔ بندر یہ سارا کام دیکھتا اور موقع کی تلاش میں رہنے لگا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ بڑھی کسی ضرورت کے تحت لٹھ سے اٹھ گیا۔ اس نے آری اور پچر دونوں اپنی جگہ چھوڑ دیں اور کچھ دیر کے لیے ڈور چلا گیا۔ بندر نقل تو ہوتا ہی ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ بڑھی موقع محل سے اٹھ کر کہیں چلا گیا ہے اور میدان خالی ہے تو وہ درخت سے اترنا اور جھٹ لٹھ پر آبیٹھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے ادھر ادھر دیکھا اور پھر جھانک کر لکڑی کی پچھر کے ساتھ کھینٹے لگا۔ وہ دیر تک زور لگاتا اور پچھر کو ہلاتا رہا۔ آخر کار پچھر درز سے نکل آئی اور درز بند ہو گئی لیکن اسی لمحے بندر کا ہاتھ بھی درز میں بری طرح پھنس گیا۔ بندر بہتراں اچھا چلا یا مگر اس کا ہاتھ اس بڑی طرح پھنسا تھا کہ اس کا نکلنما جمال تھا۔ بندر درد کی شدت سے بے ہوش ہو گیا۔

بڑھی نے بندر کی چیخیں سنیں تو وہ بھاگا گا موقع پر پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ پچھر تو باہر نکلی پڑی ہے اور اس کی جگہ بندر کا ہاتھ درز میں پھنسا ہے اور بندر بے حس و حرکت پڑا ہے۔ بڑھی نے جلدی سے پچھاٹھائی اور لکڑی کی درز میں ٹھونک دی۔ درز کھلی تو بندر کا ہاتھ درز سے آزاد ہو گیا عکریہ کیا، بندر تو مر چکا تھا۔ بڑھی کو بندر کے اس طرح مرنے کا بڑا دکھ ہوا۔ وہ بڑا نے لگا:

”بے قوف تو بندر تھا۔ بڑھی بننے کی آرزو میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔“ کسی نے سچ ہی کہا ہے:

جس کا کام اُسی کو ساجے
دُو جا کرے تو ٹھینگا باجے

۲ سچ کی برکت

رات کا پچھلا پھر تھا۔ دن بھر کا تھکا ہار اقبالہ پڑا سور ہاتھا کہ یکا یک شوراٹھا: ”ڈا کوآ گئے، ڈا کوآ گئے۔“ سوئے ہوئے ہڑ بڑا کر اٹھے اور اپنے اپنے سامان کو سنبھالنے لگے۔ ڈا کوؤں نے لوٹ چار کھی تھی۔ ایک ایک کی تلاشی لے رہے تھے۔ لوگوں کی جیہیں ٹھوٹ رہے تھے۔ جو کچھ پاتتے تھے، چھین جھپٹ لیتے تھے۔ لئے والے آہ و فناں کر رہے تھے مگر بے رحم ڈا کوؤں پر اس کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس قافلے میں ایک نو عمر لڑکا بھی شامل تھا، جو کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور مطلق پریشان نظر نہیں آتا تھا۔ ایک ڈا کو اس کے پاس آیا اور پوچھنے لگا: ”لڑکے! تمہارے پاس کیا ہے؟“

”چالیس اشرفیاں۔“ لڑکے نے جواب دیا۔

ڈاکوں ماق سمجھ کر آگے بڑھ گیا۔ دوسرا ڈاکوا یا تو لڑکے نے اسے بھی بھی جواب دیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے تین ڈاکوں نے لڑکے سے بھی جواب پایا۔ ڈاکوں کے سردار تک بھی یہ بات پہنچی۔ اس نے لڑکے کو پکڑ مانگا یا اور پوچھا: ”لڑکے! تمیرے پاس کیا ہے؟“

لڑکے نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: ”چالیس اشرفیاں“

سردار نے پوچھا: ”کہاں ہیں چالیس اشرفیاں؟“

”میرے کرتے کی نتے میں ملی ہوئی ہیں۔“ لڑکا بولا۔

کرتے کی تکھوٹی تو سچ مج چالیس اشرفیاں نکل آئیں۔ سردار نے حیرت سے کہا:

”لڑکے! تو نے اتنی بڑی رقم چھپا کیوں نہ لی؟“

”میری ماں نے مجھے نصیحت کی تھی کہ بیٹا! ہمیشہ سچ بولنا۔ میں جھوٹ بول کر گنہگار کیوں بنتا؟“

لڑکے نے جواب دیا۔

سردار نے لڑکے کا جواب سنا تو سونچ میں پڑ گیا کہ یہ نو عمر لڑکا اپنی ماں کی نصیحت کا اتنا پابند ہے اور میں ایک مدت سے اپنے اللہ کے حکم کے خلاف عمل کر رہا ہوں۔ اللہ کے حضور میرا کیا حال ہوگا؟

سردار نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ سارا مال قافلے کے لوگوں کو واپس کر دو اور خود لڑکے کے پاؤں میں گر پڑا۔ توبہ کی اور رہنمی کا پیشہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔

یہ لڑکا کون تھا؟ یہ تھے حضرت عبدالقدار جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو بغداد میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد قافلے کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ان کے سچ کی برکت سے پیشہ ور ڈاکو توبہ کر کے نیک بن گئے۔

نتیجہ: سچ میں برکت ہے۔

جھوٹ کی سزا

۳

اگلے وقتوں کی بات ہے کہ ایک نوجوان گلڈریا کسی دریا کے کنارے اپنی بھیڑیں چرایا کرتا تھا۔ اسے جھوٹ بولنے کی بُری عادت تھی، چنانچہ وہ کبھی بھی مستی میں آ کر چلاتا: ”شیر آیا، شیر آیا۔“

ارڈ گرد کے کھیتوں میں کام کرنے والے لوگ اس کی آواز سنتے تو لاٹھیاں کھڑاڑیاں لے کر اس کی جانب دوڑ پڑتے مگر جب گلڈریے کے پاس پہنچتے تو وہاں کوئی شیر نہ پا کر گلڈریے سے کہتے: ”میاں! کہاں ہے شیر؟“

آن کے اس سوال پر گلڈریا بہنس دیتا اور کہتا: ”میں نے تو صرف مذاق کیا تھا۔ شیر کے لیے تو میں خود ہی کافی ہوں۔ شیر آئے گا تو میں اکیلا ہی اسے مار بھگاؤں گا۔“

چند بار تو لوگ گلڈریے کی پکار سن کر اس کے پاس پہنچ جاتے رہے مگر گلڈریے کی روز روز کی پکار سے تنگ آ گئے۔ اب اس کی پکار کو سب جھوٹ سمجھتے اور کوئی اس کی پکار پر تو جنہیں دیتا۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ سچ مجھ کہیں سے شیر آنکل۔ شیر نے بھیڑوں کا گلمہ دیکھا تو خوش ہو گیا۔ بھوکا تو تھا ہی، بڑھ کر ایک بھیڑ کے پنجہ مارا۔ بھیڑ کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ ہیں ڈھیر ہو گئی۔ گذریے نے شور چایا مگر کوئی اس کی مدونہ آیا۔ گذریا لالہی لہراتا ہوا شیر کی جانب بڑھا تو شیر نے ایک ہی جست میں گذریے کی گردن مروردی۔ بھیڑ میں بھاگ رہی تھیں اور شیر ان کا شکار کرتا تھا۔ آخر سارا گلمہ شیر کا شکار بن گیا۔ سورج غروب ہو گیا۔ ہر طرف اندر ہیرا چھا گیا۔ گاؤں میں نہ گذریا آیا نہ بھیڑوں کا گلمہ۔ گذریے کے رشتے داروں نے رات بہت بے چینی سے گزاری۔ صبح ہوتے ہی ڈھونڈنے کو نکل کھڑے ہوئے۔ چراگاہ میں پنچھ تو مردہ بھیڑوں اور مرے ہوئے گذریے کے سواہاں پچھنہ تھا۔ گذریے کو جھوٹ کی سزا مل چکی تھی۔

سچ ہے: جھوٹ کا انجام بڑا ہوتا ہے۔



۲ اتفاق میں برکت ہے

پرانے وقتوں کی بات ہے کہ کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے مگر ان میں آپس میں اتفاق نہ تھا اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑنا بھگڑنا ان کا آئے دن کا معمول تھا۔ کسان نے بیٹوں کوئی مرتبہ سمجھا یا لیکن بیٹوں پر باپ کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بے چارہ کسان اپنے جوان بیٹوں کی اس ناصاقی اور ناطقانی سے ہمیشہ پریشان رہتا تھا۔

ایک دفعہ کسان سخت پیمار پڑ گیا۔ اسے اپنے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ اس کی شدید آرزو تھی کہ اپنے جیتے جی اپنے بیٹوں کو آپس میں اتفاق سے رستے بنتے دیکھے لیکن اس کے بیٹے تھے کہ آپس میں لڑتے بھگڑتے رہتے تھے اور باپ کی کسی بات پر کان نہ دھرتے تھے۔ اس پریشانی کے عالم میں کسان کو ایک ترکیب سمجھی۔ اس نے ایک روز اپنے چاروں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور پتلی پتلی لکڑیوں کا ایک گٹھا بھی منگوا لیا۔ کسان نے یہ گٹھا باری باری چاروں لڑکوں کو دیا اور اسے توڑنے کو کہا۔ ہر چند چاروں بیٹے شہزادوں تھے مگر طاقت ور ہونے کے باوجود کوئی بھی گٹھے کو نہ توڑ سکا۔

جب چاروں بھائی اپنی پوری کوشش کے باوجود گٹھا توڑنے میں ناکام رہے تو کسان اپنے بیٹوں سے مخاطب ہوا اور لکڑیوں کے گٹھے کو کھول کر لکڑیوں کو الگ الگ کر کے توڑنے کا کہا تو ان میں سے ہر ایک نے بڑی آسانی سے ایک ایک لکڑی کو توڑ دیا۔ یہ دیکھ کر کسان نے بیٹوں سے کہا:

”دیکھو میرے بیٹو! جب تک یہ لکڑیاں ایک گٹھے کی صورت میں بندھی ہوئی تھیں، تم ہزار کوشش کے باوجود اُنھیں نہ توڑ سکے اور جب یہ علیحدہ علیحدہ ہو گئیں، تم نے انھیں بڑی آسانی سے توڑ لیا۔ یاد رکھو! تم بھی جب تک لکڑیوں کے اس گٹھے کی طرح آپس میں متحاد اور یک جان رہو گے تو دنیا کی کوئی طات تھیں نقصان نہ پہنچا سکے کی لیکن اگر تم الگ الگ ہو گئے تو ہر شخص تمھیں آسانی سے دبائے گا۔“

بوڑھے کسان کی یہ نصیحت کام کر گئی۔ چاروں بھائیوں نے اپنے باپ سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ہمیشہ اتفاق اور محبت سے رہیں گے اور آپس میں کبھی اڑائی بھگڑانہ کریں گے۔ یہ سن کر کسان کا دل خوش ہو گیا اور اس نے اپنے بیٹوں کو بہت دعا کیں دیں۔

سچ ہے: اتفاق میں برکت ہے۔



❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

۵ لالج برجی بلا ہے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کسی گاؤں میں تین دوست رہتے تھے۔ انھوں نے بے روزگاری کے ہاتھوں تنگ آ کر نزد یکی شہر میں جانے کا سوچا تاکہ وہاں یا تو کوئی چھوٹا موتا کاروبار کر لیں گے یا پھر کہیں ملازم مل جائیں گے۔ وہ شہر کی جانب سفر طے کر رہے تھے کہ اتفاق سے انھیں راستے میں ایک پولی پڑی ملی۔ انھوں نے جلدی پولی کو کھول کر دیکھا تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، پولی میں سونے کے زیورات تھے۔ وہ سونے کے زیورات پا کر بے حد خوش ہوئے۔ وہ اس اتفاقی دولت کو آپس میں تقسیم کرنے کی باتیں کرنے لگے۔ صلاح یہ ٹھہری کہ ان میں سے ایک آدمی پہلے شہر جائے اور کھانا لے آئے کیونکہ انھیں زوروں کی بھوک لگی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ آرام سے بیٹھ کر آپس میں زیورات کو بے حصہ برابر تقسیم کر لیں گے۔

تینوں میں سے ایک دوست کھانا لانے کے لیے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد باقی دونوں دوستوں کی نیت خراب ہو گئی۔ انھوں نے باہم مشورہ کیا کہ اگر ہم اپنے اس ساتھی کو قتل کر دیں تو اس کا حصہ بھی ہمیں مل جائے گا اور اس طرح ہمارے ہاتھ زیادہ دولت لگے گی۔ ادھر وہ ساتھی جو کھانا لینے شہر گیا تھا، راستے میں سوچنے لگا کہ اگر میرے دونوں ساتھی کسی طرح مر جائیں تو سارے کا سارا سونا میرے حصے میں آجائے گا اور میں امیر ہو جاؤں گا۔ چنان چہ اس نے کھانا خریدا اور اس میں زہر ملا دیا۔ جو بھی وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو اس کے دونوں ساتھی اس پر پل پڑے اور گلا گھونٹ کراہے ہلاک کر دیا۔ پھر بے فکر ہو کر کھانا کھانے بیٹھ گئے اور خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ چند ہی لمحوں بعد زہر نے اپنا اثر کھانا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ دونوں ساتھی بھی وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اس طرح دولت کی ہوس نے تینوں کی جان لے لی۔ بزرگوں نے سچ ہی کہا ہے: لالج برجی بلا ہے۔

۶ دودھ میں پانی

کہتے ہیں کہ ایک گوا لاتھا جو ایک پہاڑ کے دامن میں رہتا تھا۔ وہاں اس نے بہت سی گا کیں پال رکھی تھیں جو دن بھر ادھر چرتی رہتی تھیں۔ گوالے کا یہ دستور تھا کہ وہ صبح سویرے اور پھر شام ہونے سے ذرا پہلے دودھ دوہتا اور پھر دودھ میں ڈھیر سارا پانی ملا دیتا اور شام کے اندر ڈھیرے میں قربی قصبے میں پہنچتا اور دودھ بیچتا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ دودھ خالص ہے۔ جب کہ اس کا دعویٰ سرا غلط تھا۔ دودھ کے اکثر گا ٹک شکایت کرتے کہ دودھ پتلا ہے۔ لوگوں نے گوالے کو بیسیوں بار کہا کہ دودھ میں پانی نہ ملا یا کرو گمراہ گوا لان کی بات ایک کان سے سنتا اور دوسرے کان سے نکال دیتا۔

اسی طرح ایک عرصہ گزر گیا۔ گوالے کے پاس پانی ملا دودھ پیچ پیچ کر بہت سارو پیا جمع ہو گیا۔ اس نے اس رقم سے مزید گا کیں خرید لیں۔ اب اس کے پاس گا ٹیوں کا ایک بڑا گلہ جمع ہو گیا۔ اب اس نے دودھ میں پہلے سے بھی زیادہ پانی ملا نا شروع کر دیا۔ لوگ شکایت کرتے مگر وہ کسی شکایت پر کان نہ دھرتا۔ اس کا لالج بڑھتا گیا۔ اب وہ اکڑا کڑ کے چلتا تھا۔

ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ پہاڑ کے دامن سے ایک سیاہ گھٹاٹھی جو دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر چھا گئی۔ گوا لاسیاہ گھٹا کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے خیال کیا کہ یہ بادل خوب بر سے گا اور ہر طرف ہریاول ہی ہریاول ہو جائے گا۔ اس کی گائیں خوب گھاں

کھائیں گی اور موٹی تازی ہو جائیں گی اور دودھ بھی زیادہ دیں گی۔ اس طرح اس کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔
 بادل گرجا اور برستا شروع ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی جو تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ پوں لگتا تھا جیسے آسمان پھٹ پڑا ہوا روز میں نے پانی اکننا شروع کر دیا ہو۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہو گیا۔ پہاڑ سے پانی کاریلا آنا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس قدر بڑھا کہ ہر شے کو خس و خاشک کی طرح بہا کر لے گیا۔ گوالے کی تمام گائیں اور اس کے گھر کا سارا ساز و سامان بھی تنکوں کی طرح بے گیا۔ خدا خدا کر کے سیالاب تھا۔ گوالے کا گھر بار سب کچھ برباد ہو گیا تھا۔ اب گوالے کے پاس ایک بھی گائے نہ بچی تھی۔ گولا ہر شخص سے کہتا پھرتا تھا: ”میں نے اپنی زندگی میں ایسا سیالاب کبھی نہ دیکھا تھا۔ نامعلوم اتنا پانی کہاں سے آگیا۔“ ایک عقل مند نے کہا: ”یہ وہی پانی ہے جو تم دودھ میں ملایا کرتے تھے۔ خدا نے اس پانی کو سیالاب بنایا اور تمھیں بے ایمانی اور بد دیناتی کی سزا دی۔“

صحیح ہے: بے ایمانی اور بد دیناتی کی سزا ضرور ملتی ہے۔



ہرنی کی دعا

۷

شام قریب تھی۔ سبکتیگین اپنے دن بھر کے فرائض سے فارغ ہوا تو گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ شہر سے نکلا۔ جنگل کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا گئی، دماغ تروتازہ ہو گیا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور شکار کی تلاش میں جنگل میں داخل ہو گیا۔ ہر طرف گھوڑا دوڑا یا مگر کوئی شکار نظر نہ آیا۔ مغرب کی طرف دیکھا تو سورج غروب ہونے کے آثار نظر آئے۔ فوراً شہر کی طرف باگ مورڈی اور جنگل کو طے کرنے لگا۔

نا گہاں سبکتیگین کی نظر ایک ہرنی پر پڑی جو اپنے چھوٹے سے بچے کو دودھ پلارہی تھی۔ شکاری جب شکار دیکھ لیتا ہے تو وہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ سبکتیگین نے اپنے سدھائے ہوئے گھوڑے کو اشارہ کیا۔ وہ اپنے مالک کے اشارے پر اچھلا اور آن واحد میں اس نے ہرنی کو جایا۔ ہرنی نے شکاری کو دیکھا تو وہ چوکڑی بھرتی ہوئی جنگل کی طرف بھاگی مگر ہرنی کا بچہ وہیں رہ گیا۔ سبکتیگین نے سوچا، خالی ہاتھ جانے سے تو بہتر ہے کہ اس بچے کی کوپڑ لیا جائے۔ چنان چہ وہ گھوڑے سے نیچے اترنا، بچے کو کپڑا، اس کی ٹانگیں باندھیں اور گھوڑے پر کھڑک سوار ہو گیا۔

گھوڑا شہر کے قریب پہنچا۔ سبکتیگین کو پیچھے سے ایک آہٹ سی سنائی دی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، ہرنی اپنے بچے کے لیے اس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ ماں کی محبت دیکھ کر سبکتیگین کا دل پیچجا۔ شاید اسے اپنی ماں سے بچھر نے کاغم یاد آ گیا۔ اس نے گھوڑا روکا۔ ہرنی کے بچے کی ٹانگیں کھولیں اور اسے زمین پر چھوڑ دیا۔ بچے دوڑا اور اپنی ماں سے جاما۔ ماں اسے چاٹ رہی تھی، پیار کر رہی تھی اور کبھی کبھی سبکتیگین کی طرف دیکھ کر منہ آسمان کی طرف اٹھائی جیسے کچھ دعائیں رہتی ہو۔

سبکتیگین کچھ دیر تک یہ نظارہ دیکھتا رہا مگر جب اس نے دیکھا کہ ہر طرف اندر ہر ابڑھ رہا ہے اور سورج غروب ہو چکا ہے تو اس نے گھوڑے کی باگ اٹھائی اور جلد ہی شہر میں داخل ہو گیا اور اپنے محل میں جا پہنچا۔

دن بھر کا تھکا ماندہ تو تھا ہی، بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔ اسے خواب میں ایک بزرگ نظر آئے جنہوں نے سبکتین کو بتایا: ”بارگاہ خداوندی میں ہر نی کی دعا قبول ہو گئی ہے، اب تو اور تیری اولاد ایک طویل مدت تک غزنی پر حکومت کرے گی۔“
بزرگ یہ خوش خبری سن کر چلا گیا تو سبکتین کی آنکھ حل گئی۔ دن بھر کے واقعات اس کی نظر وں کے سامنے آگئے، جن میں ہر نی کے پچھے کواز کرنا اور ہر نی کا کبھی سبکتین اور کبھی آسمان کی طرف منہ کر کے دیکھنے کا واقعہ بھی شامل تھا۔
پیارے بچو! یہی وہ سبکتین ہے جس نے اپنے والد الپ تین کے مرنے کے بعد بڑی شان و شوکت کے ساتھ غزنی پر حکومت کی اور پھر اس کے بعد اس کا بیٹا حکمران بن جسے دنیا محدود غزنی کے نام سے جانتی ہے۔ کسی نے تجھ کہا ہے کہ:
نیکی کا اجر ضرور ملتا ہے۔



احسان کا بدلہ احسان

۸

اگلے وقوں کی بات ہے کہ ایک مسافر کسی جنگل میں سے گزر رہا تھا کہ اسے کسی جانور کے کراہنے کی آواز آئی۔ وہ ڈرتے ڈرتے آواز کی طرف گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک شیر ہے جو جھنڈ کے کنارے پڑا ہے اور تکلیف کے مارے کراہ رہا ہے۔ مسافر نے غور کیا تو دیکھا کہ شیر کے ایک پاؤں میں پہاڑی کیکر کا کاثا چھا ہوا ہے جو پاؤں کے آر پار ہو گیا ہے۔ مسافر کے دل میں خیال آیا کہ جو ہوسو ہو شیر کو اس تکلیف سے نجات دلانی چاہیے۔ چنانچہ اس نے ہمت کی اور ڈرتے ڈرتے شیر کے پاؤں میں سے کاثا نکال دیا۔ کائنے کا نکنا تھا کہ شیر نے مسافر کی جانب شکر گزاری کی نظر وں سے دیکھا اور جنگل کی طرف چلا گیا اور جلد ہی جنگل میں غائب ہو گیا۔
اب اس کہانی کا دوسرا حصہ سینے۔ ہوا یوں کہ بادشاہ نے ایک آدمی کو اپنا دشمن جان کر یہ سزا نافی کہ اسے بھوکے شیر کے پنجھرے میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ اسیہی کیا گیا۔ لیکن یہ کیا، بھوکے شیر نے بجائے اس کے کاس شخص کی تکابوٹی کر کے اسے کھا جائے، اس کے پاؤں چاننا شروع کر دیے۔ ار ڈگر کے لوگ یہ نظارہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ہوتے ہوتے یہ خبر بادشاہ تک پہنچی۔ اس نے آکر پنجھم خود دیکھا اور جو سنا تھا، اسے تجھ پایا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اس شخص کو رہا کر دیا جائے اور میرے حضور پیش کیا جائے۔ جب معتوب شخص کو بادشاہ کے رو برو پیش کیا گیا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ بھوکے شیر نے تمھیں کھانے سے انکار کر دیا ہے اور تمھارے پاؤں چاٹ رہا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس شخص نے بادشاہ کو بتایا:

”بہاں پناہ! کچھ عرصہ پہلے میں ایک جنگل سے گزر رہا تھا تو مجھے کسی جانور کے کراہنے کی آواز آئی، جیسے کوئی جانور بہت تکلیف میں ہو۔ میں نے دیکھا تو وہ ایک شیر تھا، جس کے پاؤں میں پہاڑی کیکر کا ایک بہت بڑا کاثا چھا تھا اور جو پاؤں میں آر پار ہو گیا تھا۔ میں نے ہمت کر کے شیر کے پاؤں میں سے کاثا نکال دیا تو شیر کی آنکھوں میں منونیت کے آنسو آگئے اور وہ درد سے نجات پا کر جنگل میں غائب ہو گیا۔ آج جب مجھے شیر کے پنجھرے میں ڈالا گیا تو شیر نے مجھے کھانے سے انکار کر دیا۔ دراصل یہ وہی شیر ہے جس پر میں نے احسان کیا

تحا۔ آج شیر نے مجھے احسان کا بدلہ دیا ہے۔“

بادشاہ اس شخص کی داستان سن کر بڑا متاثر ہوا اور اس نے اس شخص کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اسے اپنا درباری بنالیا۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ: احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔

نادان کی دوستی ۹

پرانے وقت کی بات ہے کہ ایک امیر آدمی تھا۔ اس کا پیشہ تجارت تھا۔ تجارت کرنے میں اس نے بہت دولت کمائی۔ وہ تجارت کرنے کی غرض سے سامان تجارت لے کر اپنے ملک سے کسی دوسرے ملک کو جایا کرتا تھا۔ اسے جانور پالنے کا بہت شوق تھا، چنانچہ اس نے ایک بندر پال رکھا تھا، جس کے ساتھ اسے والہانہ لگاؤ تھا۔ بندر بھی اپنے مالک سے بہت محبت کرتا تھا۔

ایک بار یوں ہوا کہ امیر آدمی اپنے سامان تجارت کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ سفر کرتے کرتے دو پہر ہو گئی اور سورج نے اپنا جلال دکھانا شروع کیا۔ تاجر نے ایک گھنے درخت کے نیچے عارضی پڑا تو ڈالا۔ وہ تھکا ہارا تو تھا ہی، اس لیے جلد سو گیا۔ بندر نے اپنے مالک کو پیٹھا جھلنا شروع کر دیا تاکہ وہ آرام سے سو جائے۔ بندر نے دیکھا کہ ایک مکھی ہے جو بار بار مالک کے چہرے پر آپنی ٹھتی ہے۔ وہ اسے اڑا دیتا۔ مگر بھی پھر آ جاتی ہے۔ بندر مکھی کی حرکت سے تنگ آ جاتا ہے۔ بندر نے مکھی کو پیٹھے کی مدد سے اپنے مالک کے چہرے سے دور رکھنے کی کوشش کی لیکن شاید وہ مکھی بڑی ڈھیٹ تھی، باز نہ آئی۔ اس پر بندر کو غصہ آ گیا۔ بندر نے مالک کا خبر اٹھا لیا اور سوچا کہ اگر اس بار مکھی چہرے پر بیٹھی تو وہ اس کو جان سے مار دے گا۔ جونہی مکھی آئی اور مالک کے چہرے پر بیٹھی تو بندر نے خبر سے مکھی پر زور کا وار کیا۔ مکھی اڑ گئی مگر یہ کیا، خجر کے وار سے مالک کی ناک کٹ گی اور وہ لہو لہان ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ مالک نے اسی وقت میان میں سے تلوار نکال لی اور بندر کا سر تن سے جُدا کر دیا۔

نتیجہ: نادان کی دوستی جی کا جنجال ہے۔

عادت کی خرابی ۱۰

کہتے ہیں کہ کسی دریا میں اپنے ہم جنسوں کے ساتھ ایک کچھوا رہتا تھا۔ وہ باعوم پانی میں ہی رہتا۔ مگر بھی کبھی گھاس پھوس یا جڑی بوٹیاں کھانے کی غرض سے دریا کے کنارے آنکلتا۔ اس دریا کے کنارے ایک بچھو بھی رہتا تھا۔ ایک دن کچھوا دریا سے باہر نکلا ہوا تھا۔ بچھو نے اسے دیکھا تو کچھو کے نزدیک آیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ کچھو ہی دیر بعد دونوں کی دوستی ہو گئی۔ کچھو کہنے لگا، یا را! ہمیں بھی دریا کی سیر کراؤ۔ کچھو نے ہامی بھر لی اور کہنے لگا تم میری پیٹھ پر سوار ہو جاؤ، میں پانی میں اتر جاؤں گا۔ پروگرام کے مطابق کچھو کچھو کے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور کچھوا دریا کی سطح پر تیرنے لگا۔ کچھو بعد کچھو کو کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی۔ کچھو نے کچھو سے پوچھا یا آواز کیسی ہے؟ کچھو نے جواب دیا کہ میرے ڈنک کی آواز ہے۔ میں تمہاری پیٹھ پر ڈنک مار رہا ہوں۔ کچھو نے پوچھا میں تھیں دریا کی سیر کرا رہا ہوں اور تم میری پیٹھ پر ڈنک مار رہے ہو، یہ کیا معاملہ ہے؟ کچھو کہنے لگا، یہ میری عادت ہے، میں ڈنک

مارے بغیر نہیں رہتا۔ اسی لمحے کھوئے نے دریا میں غوطہ لگای تو بچھوپانی میں گرگیا اور لگاؤ بنے۔ بچھوئے پوچھا یہ تم نے کیا کیا؟
کھوئے نے کہا، یہ میری عادت ہے۔ اس طرح بچھوپانی میں بے گیا۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ فطرت تبدیل نہیں ہوتی۔
نتیجہ: نظرت کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔

ناتفاقی کا انجام ॥

پرانے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک کسان کے پاس بڑے بڑے سینگوں والے دو بیل تھے۔ کسان بیلوں سے خوب کام لیتا مگر انھیں پیٹھ بھر کر کھانے کو نہ دیتا۔ بیل کافی کمزور ہو گئے اور ان کی پسلیاں نظر آنے لگیں۔ ایک دن جب دونوں بیل کھونٹوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے سے کہنے لگا۔ یہ کسان ہماری جان لے کر چھوڑے گا۔ بہتر ہے کہ ہم یہاں سے بھاگ چلیں، شاید اس طرح ہماری جان نجات جائے۔ جب دونوں بیلوں نے بھاگنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو ایک بیل نے اپنے دانتوں سے دوسرے کی ریساں چباڑا لیں اور دوسرے بیل نے پہلے کی۔ اس طرح دونوں بیل آزاد ہو گئے اور پوچھنے سے پہلے ہی کسان کے ڈیرے سے بھاگ کھڑے ہوئے اور قریبی جنگل کی راہ ملی۔

وہ جنگل میں پہنچو وہ بڑا سر سبز و شاداب تھا۔ دونوں بیلوں کو محلی فضا راس آگئی۔ کچھ ہی دونوں میں دونوں بیل موٹے تازے ہو گئے۔ ان دونوں میں بڑا اتفاق تھا۔ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے قریب چرتے اور کبھی کوئی افتاد پڑتی تو اس کا مقابلہ باہمی اتفاق سے کرتے اور بڑے چین سے رہتے۔

ایک دن ایک شیر ادھر آنکلا۔ اس نے دو موٹے تازے بیل دیکھتے تو شکار کرنے کی غرض سے ایک بیل پر حملہ آور ہوا۔ جو نی دوسرے بیل نے دیکھا تو اس نے شیر کو اپنے سینگوں پر لے لیا۔ شیر اس حملے کی تاب نہ لایا اور زخمی ہو کر اپنی جان بچانے کو بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح شیر نے کئی کئی دونوں کے وقٹے سے ایک بیل کو شکار کرنا چاہا مگر وہ جب بھی کسی ایک بیل پر حملہ کرتا تو دوسرا بیل اسے سینگ مارتا چتا چوہہ ہر بار ناکام رہا۔

اسی جنگل میں ایک لو مری بھی رہتی تھی۔ اس نے یہ ماجرا دیکھا تو ایک دن موقع پا کر شیر سے کہنے لگی: ”آپ میری مدد کے بغیر بیلوں کا شکار نہیں کر سکتے۔ اگر آپ میرا حصہ دینے کا وعدہ کریں تو میں ان کا شکار کروں۔“ شیر نے ہامی بھر لی۔ شیر سے رخصت ہو کر لو مری ایک بیل کے پاس گئی اور دوسرے بیل کے خلاف اس کے کان بھرے۔ پھر وہ دوسرے بیل کے پاس گئی اور پہلے بیل کے خلاف اس کے کان بھرے۔ اس طرح لو مری نے دونوں بیلوں میں بدگمانی پیدا کر دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر لو مری شیر کے پاس گئی اور اسے خوشی بتایا کہ اس نے دونوں بیلوں میں ناتفاقی پیدا کر دی ہے۔ اب وہ ایک دوسرے کی مدد ہرگز نہ کریں گے۔ آپ آسانی سے انھیں اپنا شکار بناسکتے ہیں۔ چنانچہ شیر نے ایسا ہی کیا۔ شیر ایک بیل کو شکار کر کے ہڑپ کر گیا اور چند روز کے بعد دوسرا بیل بھی بڑی آسانی سے شیر کا شکار بن گیا۔ اسی طرح دونوں بیلوں نے ناتفاقی سے اپنی جان گنوائی۔

نتیجہ: ناتفاقی کا انجام برا ہوتا ہے۔



آج سے ڈیرہ دوسال پہلے کا ذکر ہے کہ دلی شہر میں ایک بڑھیا ہتھی تھی۔ دراصل وہ کٹنی تھی اور اپنے آپ کو جن ظاہر کرتی تھی اور سادہ لوح عورتوں کو لوٹنے کے لیے نئے حرabe اپناتی تھی۔ ایک دن شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ بڑھیا لٹھی ٹکتی بھرے بازار میں جا نکلی اور ایک براز کی دکان پر بیٹھ گئی۔ دکاندار نے ہانپتی بڑھیا کو پانی پلا یا اور گاہوں کو کپڑا دکھانے میں مصروف ہو گیا۔ بڑھیا بھی بیٹھی رہی اور براز اور گاہوں کی گفتگو سنتی رہی۔ جب گاہک چلے گئے تو براز نے اپنے نومر ملازم سے کہا کہ یہ لوبراق، اسے گھر میں دے دینا اور کہنا کہ بڑے صندوق میں کپڑے کا ایک تھان رکھا ہے، وہ نکال کر دے دیں ایک گاہک کو دینا ہے۔

ملازم نے برراق لیا اور دکان سے گھر کی طرف چل دیا۔ بڑھیا بھی اٹھی اور ملازم کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ اس نے ملازم کو آواز دے کر ٹھہرایا اور باتوں میں براز کے گھر کا پتا دریافت کر لیا۔ اچانک بڑھیا کو ایک چال سوچی۔ ملازم سے بولی، میرے اچھے بیٹھے! میں تمہاری دکان پر اپنا پانداں بھول آئی ہوں، جس میں میری نقدی کی پوٹی بھی ہے۔ ذرا دوڑ کر جائیو، ایسا نہ ہو کہ کوئی اور لے جائے۔ یہ برراق مجھے کپڑا دو اور دیکھ جلدی آنا میں بیہیں کھڑی تمہارا انتظار کرتی ہوں۔ بے چارہ ملازم بڑھیا کی باتوں میں آ گیا۔ اس نے برراق بڑھیا کو تھادیا اور دکان کی طرف چل دیا۔ بڑھیا نے موقع غنیمت جانا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی براز کے گھر پہنچی۔ دروازہ کھکھلایا۔ براز کی بیوی نے دروازہ کھولا اور پوچھا: بڑی بی! کیا بات ہے؟

بڑھیا نے کہا: یہ لوبراق! تمہارے شوہرے سے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ جلدی سے بڑے صندوق میں سے کپڑے کا تھان نکال کر دے دو، گاہک دکان پر بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔

براز کی بیوی نے برراق لیا اور کہا: ٹو جانے کون ہے، میں تجھے تھان نہیں دوں گی۔ بڑھیا نے بتیرا کہا: میں سیدھی دکان سے آ رہی ہوں۔ ملازم مصروف تھا اس لیے مجھے ہی آنا پڑا، مگر براز کی عورت اُس سے مس نہ ہوئی اور کسی صورت بھی تھاں دینے پر رضا مند نہ ہوئی بلکہ جب بڑھیا نے برراق و اپس مانگا تو وہ بھی واپس دینے سے انکار کر دیا۔

بڑھیا نے سوچا کہ یہ عورت میرے فریب میں نہیں آئے گی۔ اگر ملازم پہنچ گیا تو اس کے فریب کا پردہ چاک ہو جائے گا اور اسے پولیس کے ہوالے ہونا پڑے گا، چنانچہ چپکے سے روچکر ہو گئی اور براز کی عقل مند بیوی لٹنے سے پہنچ گئی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے: پاک رہو، بے باک رہو۔



خاکے کی مدد سے کہانی لکھنا

۱ کوئے کا انتقام

کوؤں کا جوڑا درخت پر۔۔۔ درخت کی جڑ میں سانپ۔۔۔ سانپ کوؤں کے بچے کھا گیا۔۔۔ کوئی نے درخت چھوڑنے کو کہا۔۔۔ کووا نہ مانا۔۔۔ کوشاہی محل کی منڈیر پر آبیٹھا۔۔۔ کھونٹی پر ہار دیکھا۔۔۔ ہار چوچ میں دبایا اور محل پر جا بیٹھا۔۔۔ کوؤں نے شور چایا۔۔۔ پیادے دوڑے۔۔۔ کووا اُڑ کر اپنے درخت پر۔۔۔ سانپ جھوم رہا تھا۔۔۔ کوئے نے ہار پھن میں ڈال دیا۔۔۔ پیادے آپنچے سانپ بل میں گھس گیا۔۔۔ پیادوں نے بل کھوڈا۔۔۔ سانپ کو مار دیا اور ہار لے کر چلے گئے۔۔۔ خوب انتقام لیا۔۔۔

نیبو نچوڑ

ہوٹل میں مہمان کھانے پر۔۔۔ نیبو نچوڑ کی آمد۔۔۔ مہمان کی پلیٹ میں نیبو نچوڑ کر۔۔۔ کھانے کا مزہ نیبوہی سے ہے۔۔۔ آ تو تم بھی کھاؤ۔۔۔ آپ کی مہربانی۔۔۔ کھانے میں شریک۔۔۔ کھانی کر چلتا بنا۔۔۔ مہمان کو ڈبل بل دینا پڑا۔۔۔ نیبو نچوڑ۔۔۔ بے شرم۔۔۔ مفت خوار اور بے غیرت۔۔۔

۲ ایسے کوتیسا

حلوانی کی دکان پر۔۔۔ دیہاتی کی آمد۔۔۔ مٹھائی کا آرڈر۔۔۔ حلوانی ڈنڈی مارتا ہے۔۔۔ یہ مٹھائی وزن میں کم ہے۔۔۔ تمہیں زیادہ وزن نہ اٹھانا پڑے گا۔۔۔ دیہاتی پیسے دیتا ہے۔۔۔ یہ تھوڑے بیس۔۔۔ تمہیں کم گننا پڑیں گے۔۔۔

۳ انگور کھٹے ہیں

بھوکی اور مڑی۔۔۔ انگوروں کا باع۔۔۔ بیلوں کی اوچائی۔۔۔ لو مری کی اچھل کو د۔۔۔ انگوروں تک رسائی نہ ہو سکی۔۔۔ تھک گئی۔۔۔ جمل دی۔۔۔ انگور کھٹے ہیں۔۔۔

۴ دو بکریاں

ندی۔۔۔ پل کے بجائے صرف ایک لٹھ۔۔۔ ایک بکری ادھر سے آئی۔۔۔ دوسری ادھر سے آئی۔۔۔ لٹھ کے درمیان میں ملاپ۔۔۔ نہ پیچھے مڑ سکتی ہے نہ آگے جا سکتی ہے۔۔۔ ایک بکری بیٹھ گئی۔۔۔ دوسری اس کے اوپر سے گزر گئی۔۔۔ پہلی بکری اٹھی اور آرام سے کنارے پر پہنچ گئی۔۔۔

۵ بے وقوف کچھوا

ایک تالاب۔۔۔ کچھوے اور دو مرغابیوں کی دوستی۔۔۔ تالاب سوکھنے لگا۔۔۔ نئے تالاب کی فکر۔۔۔ مرغابیاں وداع ہونے لگیں



۔۔۔ کچھوا گھبرا گیا ۔۔۔ مرغایوں نے ایک لکڑی لی ۔۔۔ لکڑی کے دونوں سرے دونوں نے چونچوں میں دبائے ۔۔۔ کچھا بیچ میں لٹک گیا ۔۔۔ لوگوں کی ہنسی ۔۔۔ کچھوے نے مٹھ کھولا ۔۔۔ زمین پر گر پڑا ۔۔۔

۷ جیسا کرو گے، ویسا بھرو گے

سودا گر ۔۔۔ حج کا ارادہ ۔۔۔ سونم لوہا ۔۔۔ دوست ۔۔۔ دوست کی نیت میں خرابی ۔۔۔ لوہا چو ہے کھا گئے ۔۔۔ سودا گر کی جیرانی ۔۔۔ ترکیب کا سوجھنا ۔۔۔ دوست کی دعوت ۔۔۔ دوست کے بچے کو چھپا لینا ۔۔۔ بچے کو چیل لے گئی ۔۔۔ دوست کا نادم ہونا ۔۔۔ اخلاقی سبق ۔۔۔

۸ گیدڑ کی مکاری

جنگل میں گیدڑوں کا غول ۔۔۔ گیدڑوں کا ہاتھی کو دیکھنا ۔۔۔ ہاتھی کے گوشت کھانے کی ترکیب کرنا ۔۔۔ ہاتھی کو اپنا سردار تسلیم کرنا ۔۔۔ ہاتھی کو دلدل سے گزرنے کا مشورہ دینا ۔۔۔ ہاتھی کا دلدل میں دھنس جانتا ۔۔۔ تمام گیدڑوں کا مل کر ہاتھی کو شکار کرنا ۔۔۔

۹ شیر کا گھر

بڑھتی ۔۔۔ جنگل میں پنجرا بنانا ۔۔۔ شیر کا آنا ۔۔۔ بڑھتی سے گفت گو ۔۔۔ شیر کا گھر بنارہا ہوں ۔۔۔ شیر کا پنجھرے میں داخل ہونا ۔۔۔ بڑھتی کا بیٹی سے لوٹے میں ابتا گرم پانی لانے کا کہنا ۔۔۔ شیر کے اوپر ڈالنا ۔۔۔ شیر کا فرار ۔۔۔ دیگر شیروں کے ساتھ آنا ۔۔۔ بڑھتی کی حاضر دماغی ۔۔۔ ”لوٹالا“ ۔۔۔

۱۰ اتفاق کی برکت

شکاری کا جال ۔۔۔ بھوکے کبوتروں کا غول ۔۔۔ دانہ نظر پڑا ۔۔۔ زمین پر اُتر آئے ۔۔۔ جال میں پھنس گئے ۔۔۔ شکاری دیکھ کر خوش ہو گیا ۔۔۔ جال کی طرف بڑھا ۔۔۔ کبوتر پھر پھڑا ۔۔۔ جال سمیت اڑ گئے ۔۔۔ شکاری دیکھتا رہ گیا ۔۔۔

۱۱ دیانت داری کا صلمہ

دیانت دار لکڑھارا ۔۔۔ دریا کنارے درخت ۔۔۔ کلہاڑے کا دریا میں گرجانا ۔۔۔ افسوس ۔۔۔ فرشتہ عیسیٰ کا نمودار ہونا ۔۔۔ سونے کا کلہاڑا ۔۔۔ چاندی کا کلہاڑا ۔۔۔ لوہے کا اپنا کلہاڑا ۔۔۔ انعام ۔۔۔ دیانت داری کا صلمہ ۔۔۔



مضمون نگاری

اظہارِ مطلب کے دو ہی طریقے ہیں: ایک تقریر، دوسرا تحریر۔ تقریر کا تعلق زبان سے ہے اور تحریر کا قلم سے۔ دونوں صورتوں میں بیان کا مربوط ہونا ضروری ہے۔ اگر بیان مربوط ہو تو تحسین کے لائق ہے و گرنہ نفرین کا سزاوار۔ اس لیے جو مضمون بیان کرنا یا لکھنا ہو، اسے سوچیے، مoad کو وسعت دیجیے اور ایک موثر ترتیب سے مرتب کیجیے۔

جب مضمون کا مواد جمع اور مربوط ہو جائے تو اسے مختصر سی تمہید کے ساتھ زیپ قرطاس کیجیے۔ زبان کو روزمرہ اور محاورے کی چاشنی سے آرستہ کیجیے اور خدا کا نام لے کر لکھتے جائیے۔ قرآنی آیات، احادیث، قول اقوال اور بحث و موزوں اشعار کی مضمون کے حسن کو بڑھادیتے ہیں، مگر ان کی شمولیت آٹے میں نمک کے برابر ہو۔

مضمون کو نہایت درجہ خوش خط لکھیے تاکہ آسانی سے درست طور پر پڑھا اور سمجھا جاسکے۔ مضمون کو مکمل کر لینے کے بعد ایک دفعہ ضرور پڑھیے تاکہ وہ الفاظ جو لکھنے میں چھوٹ گئے ہوں، دوبارہ لکھ جاسکیں۔ املا کی غلطیاں بھی درست کی جاسکیں اور وہ خیالات جو لکھنے سے رہ گئے ہیں اور پڑھتے ہوئے یاد آئے ہیں، انھیں بھی تحریر کیا جاسکے۔

اقسام: ہر مضمون زندگی کے کسی نہ کسی شعبے سے متعلق ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے مضمون کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ادبی : ایسے مضامین جو ادب سے متعلق ہوں مثلاً: کسی ادبی مجلس کی کارکردگی، شعر کے اطائف۔ شعروخن وغیرہ

اخلاقی : ایسے مضامین جو اخلاق سے متعلق ہوں جیسے: انصاف، صلح رحمی، سچائی کا بول بالا، نکی اور پارسائی وغیرہ

معاشرتی: ایسے مضامین جو معاشرت سے متعلق ہوں مثلاً: اتفاق و اتحاد، گدارگری، جہیز ایک لعنت ہے، رسوم و روایات، اطاعتِ والدین، تعلیم نسوان، حب طعن، یوم آزادی، محنت کی برکات، پابندی وقت، خوشامد، اپنی مدد آپ، تمباکونو شی کے نقشانات، برسات کا موسم، سیلا ب اور زلزلے کی تباہ کاریاں وغیرہ

سوانحی : ایسے مضامین جو کسی شخصیت کے احوال سے متعلق ہوں جیسے: سر سید احمد خاں، علامہ اقبال، قائدِ اعظم، مادرِ ملت فاطمہ جناح، لیاقت علی خاں، مولانا اطفاف حسین حاصلی، مولانا ظفر علی خاں وغیرہ

سیاسی : ایسے مضامین جن کا تعلق سیاست سے ہو جیسے: جمہوریت، آمریت اور مسئلہ کشمیر وغیرہ

سائنسی : ایسے مضامین جو سائنس سے متعلق ہوں جیسے: انفارمیشن ٹیکنالوجی، ٹینکنیکل ایجکوکیشن، ٹیلی و وژن، موبائل فون، کمپیوٹر دور حاضر کی ضرورت اور سائنس کے کرشے وغیرہ

تاریخی : ایسے مضامین جن کا تاریخ سے تعلق ہو جیسے: ۱۹۴۵ء کی پاک بھارت جنگ، تحریک آزادی وغیرہ

جغرافیائی: وہ مضامین جو زمین اور اہل زمین کے حالات سے متعلق ہوں جیسے: جاپان کے لوگ، آتش فشاں پہاڑ، سیم اور تھور، زلزلے

اور سیلا ب کی تباہ کاریاں وغیرہ



مکہ معظّم کی مسجد الحرام سے صرف ۲۰ میٹر کے فاصلے پر جنوب مشرق کی جانب حجر اسود کی سیدھی میں ایک کنوں والی واقع ہے جس کو بیر زم زم کہتے ہیں۔ بیرونی میں کنوں کو کہتے ہیں۔ یہ کنوں کعبہ شریف سے بھی قدیم ہے اور اس کی گہرائی کے بارے میں پہلے قیاس تھا کہ ۱۳۰ افٹ ہے لیکن حالیہ پیمائش پر یہ ۷۰ فٹ گہر اپایا گیا۔ ممکن ہے پانی کی مسلسل نکاسی کی وجہ سے یہ نیچا ہو گیا ہو۔ مسلمانوں کے نزدیک اس کا پانی متبرک ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے ہمیشہ قبلہ اور کھڑے ہو کر پیا اور ایک خصوصی دعا فرمائی:

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، ایک ایسے علم کا جو فائدہ دینے والا ہوا اور ایسے رزق کا جو مجھے کھلے دل

سے عطا کیا جائے اور مجھے تمام پیاریوں سے شفاف مرحمت فرماء!

آج سے ہزاروں سال پہلے کی بات ہے کہ آج کل جہاں مکہ کا متبرک شہر آباد ہے۔ وہاں ریت اور جھلسی ہوئی پہاڑیوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ دُور دُور تک کسی جاندار کا نام دشمن تک نہ تھا۔ اسی زمانے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی حضرت ہاجرہ کو ان کے نومولود بیپے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کے ہمراہ کتنے کی بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ آئیں۔ جب یہ قافلہ منزل مقصود پر پہنچا تو اس صابر و شاکر خاتون نے اپنے مجازی خدا سے صرف ایک بات پوچھی: ”کیا ہمارا یہاں آنا اور ہناللہ کے حکم کی تعمیل میں ہے؟“ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اثابت میں جواب دیا تو وہ مطمئن ہو گئیں کہ اب ان کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ جو ان کو وہاں لا یا ہے، وہی ان کی خبر گیری بھی کرے گا۔ ماں اپنے تھی شیر خوار کو لیے ایک پہاڑی کی اوٹ میں بیٹھ گئی۔ سورج بلند ہوتا گیا۔ دھوپ کی تیزی بڑھتی گئی۔ زمین تپ گئی۔ گرم لوکے تپھیرے آنے لگے۔ پانی کی چھاگل خشک ہونے لگی اور ذرا دریر میں سوکھ گئی۔ ماں بچے کے ہونٹ سوکھے، پھر زبان خشک ہوئی۔ ماں گہرائی نمھا سکنے لگا۔ ماں کے ہوش اڑ گئے۔ اپنی بیاس بھول گئی۔ بچے کی حالت دیکھ کر ترپی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ ریت کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اوپر دیکھا آسمان کو دُور پایا۔ بچے دیکھا میں کوتور پایا۔ ان حالات میں حضرت ہاجرہ بے ساختہ پکاریں:

”میرے رب! پانی پانی! ایک گھونٹ، ایک قطرہ۔ میرے لیے نہیں، میرے بچے کے لیے۔ شیر خوار اسماعیل کے لیے! اے ابراہیم علیہ السلام کے خدا! اس جنگل میں، اس بیباں میں، اس ریگستان میں، آگ کو گلستان بنانے والے! اس آگ کے دریا میں پانی کا چشمہ بہا! میرے تھے کو پانی کا ایک قطرہ عطا فرماء!

میاں! مجھے اپنی جان کی پروانیں، اس تھی جان پر کرم فرماء!

آخر کار بچے کی حالت نہایت نازک ہو گئی۔ حضرت ہاجرہ پریشانی کے عالم میں کبھی صفا کی پہاڑی پر جا کر دیکھتیں اور کبھی مرودہ پہاڑی پر چڑھ کر نظر دوڑاتیں کہ شاید کہیں پانی یا کوئی شخص نظر آجائے، جس سے وہ مدد لے سکیں۔ وہ اسی طرح صفا اور مرودہ پہاڑیوں کے درمیان دوڑ رہی تھیں کہ چھے پھیرے مکمل ہو گئے۔

ساتویں مرتبہ اللہ سے دعا کی کرتی ہوئی دوڑیں تو انہوں نے ایک آواز سنی۔ انہوں نے فوراً سے مخاطب کر کے نیکی کے نام پر مدد کی درخواست کی۔ حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور انہوں نے اپنی ایڑی زین پر ماری تو زمین سے پانی کا چشمہ ابلے گا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت ہاجرہ ساتویں مرتبہ اللہ سے دعا کرتی ہوئی دوڑیں اور واپس آئیں تو دیکھا کہ بچے نے بتا بی سے

جہاں ایڑیاں ماریں اور گڑی تھیں، وہاں سے پانی کا چشمہ پھوٹ رہا ہے۔ حضرت ہاجرہ نے گھبرائی میں پتھر جمع کر کے اس کے ارگردایک دائرة سا بنا لیا تاکہ پانی ضائع نہ ہو اور کچھ دنوں کے لیے ذخیرہ ہو جائے اور پانی پر ہاتھ رکھ کے فرمایا: ”زم زم“ یعنی (اے پانی) ہلہ جا، ہلہ جا۔ اسی سے چشمے کا نام بھی ”زم زم“ ہو گیا اور اس کا پانی آب زم زم کہلا دیا اور مقدس پانی گردانا گیا۔

حضرت ہاجرہ نے اسی چشمے کے پاس اپنی رہائش اختیار کر لی۔ چند روز ہی گزرے تھے کہ صحرائشین بدودوں کا ایک قافلہ قریب سے گزرا۔ انہوں نے اڑتے اور چھپھاتے ہوئے پرندے دیکھتے تو قیاس کیا کہ اس مقام پر کہیں پانی ہے۔ پانی کی تلاش جستجو نہیں حضرت ہاجرہ کے پاس لے آئی۔ حضرت ہاجرہ کے پاس پتھر کر انہوں نے پانی کی اجازت طلب کی۔ آپ کی اجازت سے ان لوگوں نے خوبی پانی پیا اور اپنے اونٹوں کو بھی پلا پایا۔ پانی کی فراوانی دیکھ کر وہ حضرت ہاجرہ کی اجازت سے اپنے خیمے نصب کر کے وہیں مقیم ہو گئے۔

اس کے بعد یہ ما جرا ہوا کہ لوگ آتے گئے اور آباد ہوتے گئے اور یوں ایک شہر آباد ہو گیا۔ پہلے پہل خیموں کا شہر تھا، پھر لوگوں نے پتھروں اور مٹی سے مکانات کی تعمیر شروع کر دی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم شہر وجود میں آگیا۔ یہ ہی شہر تھا جسے آج مکہ مکرمہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ حضرت ہاجرہ نے پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان اضطراری حالت میں سات چکر لگائے تھے۔ آپ کی وہ ادا اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آئی کہ اسے باری تعالیٰ نے حج و عمرہ کا لازمی رکن بنادیا۔ آج تک اہل ایمان بی بی ہاجرہ کی طرح صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان بے تابی سے دوڑتے ہیں جسے ”سعی“ کہا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ جب تک مکہ میں رہے۔ آب زم زم بڑے احترام کے ساتھ پیتے رہے اور جب تھرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو سلیمانیہ کے موقع پر منگوا کر پیا اور واپسی میں ساتھ لے کر آئے۔ ان کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسرے صحابہ کرامؐ بھی سفر حج کے بعد واپسی میں آب زم زم ہمراہ لایا کرتے تھے اور یہ روانج اسی ذوق و شوق سے آج بھی جاری ہے۔

حج کے دنوں میں اور ان کے بعد حجاج اور زائرین کو پانی پلانا ہر دو ریس عزّت کا باعث سمجھا جاتا رہا ہے۔ قیام مکہ کے دوران میں حجاج اپنے پینے کے لیے آب زم زم کا استعمال رغبت اور کثرت سے کرتے ہیں اور جب وہ اپنے اپنے وطنوں کو لوٹتے ہیں تو بترا کے طور پر آب زم زم کو ساتھ لے جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرمایا:

”زم زم کا پانی جس غرض سے بھی پیا جائے، اسی کے لیے مفید ہو گا۔ اگر شفا کی غرض سے پیا جائے تو اللہ اس سے شفاء گا اور اگر سیراب ہونے کے لیے پیو گے تو اللہ تمھیں سیراب کرے گا اور اگر تم اللہ سے کسی سلسہ میں پناہ لینے کے لیے پیو گے تو اللہ تمھیں پناہ دے گا۔ یہ حضرت جبریل علیہ السلام کا کنوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سیرابی ہے۔“

تحقیق اور سائنسی تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ زم زم کا پانی صاف سترہ اور ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک اور پینے کے انتہائی قابل اور عالمی معیار کے عین مطابق ہے۔ اس پانی میں یہ وصف ہے کہ یہ بھوکے کے لیے کھانا اور بھار کے لیے شفا ہے۔ سر درد میں مفید ہے، بینائی کو تیز کرتا ہے اور یہ نیکوکاروں کا مشروب ہے۔ زم زم روئے زمین پر پانچ ہزار سال سے جاری ہے اور کبھی کمی واقعی نہیں ہوئی اور یہ زم زم اللہ تعالیٰ کا ارض پاک عرب پر ایسا مجھرہ ہے جس میں اہل بصیرت کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

دنیا نے اسلام میں علامہ اقبال کی شخصیت کی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ ایک شعلہ بیان شاعر، عظیم المرتبت فلسفی، مناظرِ فطرت کے پرستار، ملت کے غم خوار اور ایک ماہر تعلیم تھے۔ آپ کے اشعار اور آپ کے خطبات نے بر صغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے مردہ دلوں میں حیات نو کی شمع روشن کی اور ان کے مجده جذبات کو آگ کے شعلوں کی طرح بھڑکا دیا۔ کسی قوم میں آپ جیسا بے نیاز دل کا حامل با کمال شخص سیکڑوں ہزاروں سال کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ یہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہی کا شعر ہے جو انہی کی ذات پر صادق آتا ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چین میں دیدہ ور پیدا

کائنات کے رنگ و بویں ایسی شخصیات آتی رہتی ہیں جو آسمان علم و ادب پر آفتاب و ماہتاب بن کر چکیں اور شہرت پا کر رخصت ہو گئیں لیکن علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جیسی مثال آپ کو بہت کم ملے گی۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ۱۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ کے تاریخی شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شیخ نور محمد ایک صوفی منش انسان تھے۔ آپ ایک ایسے شہر میں پیدا ہوئے جس میں ہر طرف اسلامی شخص عام تھا۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ ہی میں حاصل کی۔ آپ کو ابتدا میں ایک ایسا استاد ملا جو اسلامی دین داری کا قابل تلقین نہونہ تھا اور شمس العلامہ سید میر حسن جیسے عربی و فارسی کے ممتاز فاضل اور جیہد عالم کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔ سیالکوٹ سے ایفے کرنے کے بعد آپ لاہور پلے آئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے اور ایم اے کے امتحانات اعزاز کے ساتھ پاس کیے۔ یہاں آپ کو پروفیسر آر علڈ جیسے لائق استاد سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ آپ کو بچپن ہی سے شاعری سے محبت تھی۔ لاہور میں آپ شعرو شاعری بھی کرتے رہے اور آپ نے مختلف مشاعروں میں شرکت بھی شروع کر دی، لیکن ابھی شاعری کا دائرة محدود تھا۔ کثرت مطالعہ سے آپ کے دل میں علمی تحقیق کا جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ اسی جذبے کے تحت ۱۹۰۵ء میں یورپ روانہ ہوئے۔ انگلستان سے یورپی اور جرمنی سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کر کے ڈاکٹر محمد علامہ اقبال وطن واپس آئے۔

آپ نے لاہور میں وکالت کا پیشہ اپنا یا مگر آپ کا اصل میدان شاعری تھا۔ انہم جمایت اسلام کے اجلاس میں علامہ اقبال کے نام سے رونق آجائی تھی۔ آپ کا ایک شعر اشریفیوں میں غلبتا تھا۔ آپ مسلمانوں کے زوال پر بے حد غم ناک تھے اور مسلمان نوجوانوں کو اسلام کی آن پر کٹ مرناسکھاتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۳۰ء کے خطبه الہ آباد میں پاکستان کا تصور پیش کر کے نوجوانوں کے دلوں میں آگ لگادی۔ صدر ایتی خطبے میں پہلی مرتبہ اسلامیان ہند کے لیے آزاد مملکت کا نظریہ پیش کیا۔ گویا یہ پاکستان کا پہلا باضابطہ مطالبہ تھا، اس لیے آپ کو ”مصوّر پاکستان“ کہا جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے صرف تصویر پاکستان پیش کیا بلکہ اس سلسلے میں قائدِ اعظم کو نہایت مفید مشورے بھی دیے۔

قیام یورپ کے دوران میں اقبال نے مغربی تہذیب کا مطالعہ کیا۔ انہیں فرنگی تہذیب کے کھوکھے پن کا پتا چل گیا، وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ جدید تہذیب جھوٹے ٹگوں کی ریزہ کاری ہے، جس نے آنکھیں چندھیا رکھی ہیں۔ مغربی تہذیب کی ظاہری چک دک علامہ اقبال کی آنکھوں کو

خیرہ نہ کر سکیں۔ حالاں کہ علامہ اقبال نے زندگی کے طویل ایام یورپ میں گزارے تھے۔ اس کی وجہ رسول پاک خاتم النبیت ﷺ سے علامہ اقبال کی والہانہ محبت، جذبہ عشق اور روحانی وابستگی تھی۔ خودی، خودشناصی، تعینِ نفس، شعورِ ذات کا دوسرا نام ہے۔ خودی علامہ اقبال کے زندگی رازِ حیات ہے۔ علامہ اقبال نے عرفانِ ذات پر زور دیا ہے۔ جب تک یہ حاصل نہ ہو، اس وقت تک زندگی میں نہ سویز ہستی ہے نہ جذبہ عشق۔ علامہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے سے خواب غفلت میں سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار کیا۔ علامہ اقبال انھیں دوبارہ اسی مقام پر دیکھنے کے آرزو مند ہیں۔ علامہ اقبال کو ملتِ اسلامیہ کی باقاعدہ ہونے میں ہی نظر آتی ہے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تاہے خاکِ کاشغر

علامہ اقبال فرد اور جماعت کے رابطے کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں فرد کی نشوونما جماعت کے موثر آئین کے بغیر ممکن نہیں۔

انسان دوسروں کے ساتھ رہ کر ہی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکتا ہے، جیسا کہ ان کا کہنا ہے:

فردِ قائمِ ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موح ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

علامہ اقبال کی شاعری میں مومن کا لفظ بھی خاص توجہ کا مستحق ہے۔ علامہ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان صحیح معنوں میں مردمون بن جائے۔ وہ مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں کہ اس کا ہر کام خدا کے لیے ہو۔ وہ بلند ہو جائے اس کی ذات برائیوں اور نافضی کے خلاف ایک چیلنج ہو۔ علامہ اقبال کا تصور مردمون قرآن کی خالص پیداوار ہے۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی بُرہان!
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بتا ہے مسلمان

اسی طرح وہ اپنے کلام میں مردمون کے اوصاف کا ذکر بار بار کرتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تنغ بھی لڑتا ہے سپاہی

مناظرِ فطرت اور قدرت کی تصویر کشی میں علامہ اقبال کو مہارتِ تام حاصل ہے۔ آپ کے کلام میں نادر تشبیہات اور تراکیب کی جدت کا انبار لگا ہوا ہے۔ جوان کی وسعتِ فکر کی دلیل ہے۔ قوم نے آپ کو تربیتِ جمیں حقیقت، شاعرِ مشرق، حکیمِ الامت کے اقبال سے نوازا۔ حکومت برطانیہ نے انھیں ”سر“ کا خطاب دیا۔ مگر علامہ اقبال نے انگریزی حکومت کے بخیے ادھیڑ دیے۔ آپ کا کلام اردو فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔ انھوں نے اس قدر بلند خیالات کا اظہار کیا کہ ایران اور دنیا بھر کے شاعروں اور فلسفیوں نے موجودہ زمانے کو عصرِ اقبال کہہ کر عقیدت کے پھول پیش کیے۔ بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز کا نصف حصہ، ان کے اردو شعری مجموعے ہیں جب کہ فارسی میں پیامِ مشرق، زبورِ حکم، جاوید نامہ، مشنوی اسرار اور موز اور ارمغانِ حجاز کا نصف حصہ شامل ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

علامہ اقبال نے اپنے بوڑھے و فادر خادم علی بخش کی گود میں آخری سانس می اور عالمِ اسلامی میں پھیلے ہوئے دوستوں، شاگروں اور تدرانوں سے منھ موڑ کر اور ان کو سوگوار چھوڑ کر دین و ادب کا آفتابِ عظمت، جس نے دلوں کو حرارتِ عطا کی تھی۔ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کا آفتابِ نکلنے سے پہلے غروب ہو گیا۔ آپ کے جسدِ خاک کی کوادشا ہی مسجد کی سیر ہیوں کے قریب سپردِ خاک کیا گیا۔ جہاں ہزاروں لوگ ہر روز اس بطلِ جلیلِ کوثرِ اعجیت پیش کرتے ہیں۔



﴿ قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ ﴾

۳

ایک مغربی مؤرخ نے بابائے قوم کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

”دنیا میں فقط چند افراد ہی ایسے ہوئے ہوں گے جنہوں نے انفرادی طور پر معنی خیز انداز میں تاریخ کے دھارے کے تبدیل کر دیا ہو۔ شایدِ نتنی کے چند لوگ ہی ہوں گے جنہوں نے دنیا کے نقشے میں ترمیم کر دی ہو اور شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جس نے کسی بکھری ہوئی قوم کو ایک بنائ کر اسے ایک ملک دے دیا ہو۔ محمد علی جناح نے یہ تینوں کارناٹے انجام دیے۔“

محمد علی جناح، جنہیں تمام پاکستانی اپنا محسن سمجھتے ہیں اور ”قائدِ اعظم“ اور ”بابائے قوم“ کے لقب سے یاد کرتے ہیں، ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو وزیر میشن کراچی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام پونجا جناح اور والدہ کا نام مٹھی بائی جناح تھا۔ آپ کے والد، جو گجرات کا ٹھیاواڑ کے رہنے والے تھے، کراچی میں چڑھے کی تجارت کرتے تھے اور خوش حال تھے، چنانچہ آپ کی پرورش بڑے ناز فعم میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز گھر پر ہوا۔ جب آپ چھٹے سال کے ہوئے تو آپ کو کراچی کے سندھ مدرسہ الاسلام میں داخل کر دیا گیا۔ جہاں سے آپ نے چودہ سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کر لیا۔ آپ ایک ہونہار اور ذہین طالب علم تھے اور حصول علم کا افسر شوق رکھتے تھے۔ جب آپ نے میٹرک پاس کر لیا تو آپ کے والد آپ کو اپنے ساتھ تجارتی کاروبار میں شریک کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کا کاروبار چمکے مگر آپ کے والد کے ایک مغلض دوست نے محمد علی جناح کی لیاقت دیکھ کر انھیں مشورہ دیا کہ بچے کو اعلیٰ تعلیم کے لیے برطانیہ پہنچانا چاہیے چنانچہ آپ کے والد نے آپ کو لندن پہنچ دیا۔ جہاں سے آپ نے لکنسر ان یونیورسٹی (Lincolns Inn University) سے بارا یٹ لا کا امتحان پاس کیا۔ اس دوران میں آپ کا گھر انا کراچی سے مبینی منتقل ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ بھی مبینی چلے گئے اور ۲۲ اگست ۱۸۹۶ء کو آپ نے بائی کورٹ کے جسٹر میں اپنا نام درج کرایا اور اس کے ساتھ ہی لاکی پر کیٹش شروع کر دی۔ بہت ہی کم عمر سے میں آپ نے اپنے رفیقان کا راستے اپنی لیاقت کا لوبہ منوالیا اور آپ کا شمار مبینی کے چوٹی کے دکیلوں میں ہونے لگا۔ کچھ عرصہ کے لیے آپ نے بمبئی کے ایڈو و کیٹ جزل کے ساتھ کام کیا پھر عارضی طور پر ریز یڈنسی محستریٹ ہو گئے۔ بعد ازاں آپ کو پندرہ سو روپے ماہوار کے سرکاری عہدے کی پیش کش ہوئی مگر آپ نے یہ کہہ کر اسے قبول کرنے انکار کر دیا کہ بہت کم عمر سے میں اتنی رقم تو میں ایک دن میں کمانے کے قابل ہو جاؤں گا۔

محمد علی جناح کو زمانہ طالب علمی ہی سے سیاست سے خاصی دلچسپی تھی۔ آپ کے سوانحِ نگار ہمیٹر بولا تھو ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں زیادہ تر طالب علم زمین پر کاچ کی گولیوں سے کھیلتے تھے جس سے کپڑے گرداؤ ہو جاتے تھے۔ آپ نے طالب علموں سے کہا کہ وہ کاچ کی گولیوں سے نہ کھلیں بلکہ انھیں کر کر کھلینے کی طرف راغب کیا۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

جب آپ بھی میں وکالت کر رہے تھے تو آپ کا نگری میں لیڈر داد بھائی نوروجی سے متأثر تھے اور آپ بھی کا نگریں کے بڑے فعال ممبر تھے کیونکہ اس وقت کا نگریں ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی تنظیم تھی مگر جب ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی تو آپ نے بھی آل انڈیا مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ ۱۹۰۹ء میں آپ بھی کے مسلم حلقے سے پارلیمانی کونسل کے ممبر منتخب ہوئے اور ۱۹۱۳ء تک مسلمانوں کے حقوق کے لیے کام کیا۔ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۹ء تک آپ ہندو، مسلم اتحاد کے حامی تھے اور ”ہندو، مسلم اتحاد کے سفیر“ کہلاتے تھے مگر جب آپ نے دیکھا کہ کا نگریں تو ہندوستان میں ہندو راج کے لیے کام کر رہی ہے تو آپ نے کا نگریں سے استفادہ دیا اور مسلم لیگ کو توانا بنانے کے کام میں لگ گئے۔

محمد علی جناح ایک بے باک اور نذر لیڈر تھے اور فہم و فراست اور جرأت و حق گوئی و بے باکی کی عمدہ مثال سمجھے جاتے تھے
بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

آنین جواں مرداں ، حق گوئی و بے باکی

الله کے شیروں کو آتی نہیں رو بای

۱۹۱۶ء کے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں جو کھنڈوں میں ۳۰ اور ۳۱ دسمبر کو منعقد ہوا، آپ کی سیاسی خدمات کی بنابرآپ کو شاندار خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ ۱۹۱۶ء کا ”میثاقِ لکھنؤ“ جو ہندو مسلم اتحاد کی آخری کوشش تھا، آپ ہی کی کوششوں سے ظہور پذیر ہوا تھا مگر آپ کا نگریں کے مقصباً نہ روئے سے بہت دل برداشتہ ہوئے اور آپ نے نہر پورٹ کے جواب میں ۱۹۲۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے انگریزی حکومت کو کچھ مطالبات پیش کیے جنہیں تاریخ میں ”قائدِ اعظم کے چودہ نکات“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس اللہ آباد کے مقام پر ہوا جس کی صدارت علامہ اقبال نے کی اور انہوں نے اپنے خطبہ صدارت میں مسلم انڈیا و ان انڈیا (Muslim India within India) کی تجویز پیش کی جسے بعد ازاں دوقوئی نظریہ یا نظریہ پاکستان کا نام دیا گیا۔ اس دوران میں قائدِ اعظم گول میرزا نفرس میں شرکت کے لیے لندن جا چکے تھے اور وہ عظیم کے معاملات سے اس قدر دل برداشتہ ہو چکے تھے کہ انہوں نے لندن ہی میں رہ جانے کا فیصلہ کر لیا مگر علامہ اقبال نے انہیں پے در پے کئی خط لکھے اور انھیں جتایا کہ اس وقت ہندوستان کے مسلمان بڑے نازک دور سے گزر رہے ہیں اور آپ ہی ان کی صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں۔ قائدِ اعظم نے علامہ اقبال کے مشورے کی بہت قدر کی اور انہوں نے دوقوئی نظریے کے تحت مسلمانوں کی آزادی کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔

۱۹۳۰ء مارچ ۲۳ کو جب لاہور کے منٹو پارک، جسے اب اقبال پارک کے نام سے موسم کیا جاتا ہے، میں قائدِ اعظم کی صدارت میں آل انڈیا مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس ہوا تو متفقہ طور پر قرارداد پاکستان منظور کر لی گئی، جس میں مسلمانوں کے لیے جدا گانہ اور آزاد ملکیت کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ قائدِ اعظم کی مسلسل جال فتنیوں کے بعد بالآخر حکومت برطانیہ اور کا نگریں نے ۷ جون ۱۹۴۷ء کو مسلمانوں کی علیحدہ ملکت کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور اسی روز قائدِ اعظم نے آل انڈیا ریڈیو سے اپنی تقریر میں مسلم لیگ کے نقطہ نظر کے ساتھ ”پاکستان زندہ باد“ کے الفاظ کا اعلان کر دیا۔ اس طرح ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ملکت خداداد پاکستان وجود میں آگئی۔ قوم نے اپنے عظیم محسن کی گراں قدر خدمات کے اعتراض کے طور پر انھیں ”قائدِ اعظم“ اور ”بابائے قوم“ اور ان کی بہن فاطمہ جناح کو، جو جدوجہد آزادی میں اپنے بھائی کی شریک کار تھیں، ”مادرِ ملت“ کے لقب دیے۔

قائدِ اعظم کی کوششوں کے نتیجے میں ملنے والی آزادی نے دس کروڑ مسلمانوں کو آزاد قوموں کی صفت میں لاکھڑا کیا اور آپ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔

نئی مملکت کے طور پر ابتداء میں بھارت نے پاکستان کی راہ میں بڑے روڑے انکائے اور پاکستان کو بڑی مشکلات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑا، جن میں سے مسئلہ کشمیر آج تک موجود ہے جس کے تفصیلی بیان کا شاید یہ موقع نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ قائدِ اعظم کو ملک کا نظم و نسق چلانے میں دن رات جس قدر محنت کرنا پڑی اُس نے آپ کی صحت کو بڑی طرح متاثر کیا۔ ہر چند ڈاکٹروں نے آپ کو مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا مگر آپ نے اپنی صحت کی پروا نہ کی اور ملک کے لیے کام کرتے رہے لیکن تابہ کے، آخر ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو راہی ملک عدم ہوئے۔ قوم نے اپنے حسن کے شایان شان کر اپنی میں ایک عظیم مقبرہ تعمیر کروایا جو آج بھی مرچع خلاقت ہے۔ قائدِ اعظم توہم سے رخصت ہو گئے لیکن ان کا لا فانی کردار آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

یوں دی ہمیں آزادی کہ دنیا ہوئی جیان
اے قائدِ اعظم! تیرا احسان ہے، احسان



حُبٌّ وطن

۲

وطن سے محبت کا جذبہ کوئی مصنوعی چیز نہیں بلکہ یہ ایک فطری چیز ہے جو پیدا نہیں کی جاتی بلکہ خود خود پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان دنیا میں جہاں مرضی گھومنے پھرے، مگر جو آرام و سکون اُسے اپنے گھر میں نصیب ہوتا ہے، کہیں اور میسٹر نہیں آ سکتا۔
وطن گھوارہ ہے۔ وطن ایک جنم بھومی کا نام ہے۔ جس کی زمین، ہوا اور ماحول میں انسان پیدا ہوتا، کھلتا اور جوان ہوتا ہے۔ وہیں اس کے ماں باپ، بہن بھائی، ہمدرد اور غم گسار موجود ہوتے ہیں۔ انسان کو ان سب چیزوں سے لگاؤ ہوتا ہے۔ وہ ان سے جدا ہوتے ہی مضریب اور بے چیز ہو جاتا ہے۔ اس لیے وطن کو سوہنی دھرتی کا نام دیا جاتا ہے:

جنت سے کہیں بڑھ کے حسین، میرا وطن ہے
ہم سر ہے فلک کی جو زمیں، میرا وطن ہے

وطن ایک گھر ہے، جس سے انسان کی محبت ایک فطری امر ہے۔ عام مشاہدے کی بات ہے کہ جانور اور پرندے بھی شام کو اپنے ٹھکانوں اور گھونسلوں میں واپس پہنچ جاتے ہیں۔ انھیں وہیں سکون ملتا ہے، جہاں ان کا گھر ہوتا ہے۔ گویا جب وطن ایک ایسا جو ہر ہے جو ہر انسان اور حیوان میں فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ اپنے وطن کی مٹی عزیز ترین مترادع حیات ہے۔ دیس کے کافی سنبھل اور ریحان کے پھولوں سے زیادہ لکش محسوس ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کی رسالت آب ﷺ نے جذبہ حب وطن کو "بڑی ایمان" قرار دیا ہے۔

ہمارے نبی اکرم ﷺ کو بھی اپنے وطن مکرمہ سے بے حد لگاؤ تھا۔ جب آپ ﷺ نے وہاں سے مدینے کو ہجرت فرمائی تو آپ ﷺ کھلی ہو گئے۔ آپ ﷺ نے شہر مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:
”اے مکہ! تو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے، لیکن کیا کروں تیرے بیٹھ مجھ یہاں رہنے نہیں دیتے۔“

عربی کا مشہور قول ہے کہ: حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْإِيمَانِ يَمْنِي وَطَنِي کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔

جس شخص کے دل میں وطن کی محبت کا جذبہ انکھا تھیں لیتا وہ جانور ہے۔ کوئی شخص دوسرا ملک میں کتنا ہی خوش و ختم کیوں نہ ہو پھر بھی وطن کی یاد ضرورستاتی ہے۔ اُسے اپنے وطن کی کچی گلیاں لندن اور پیرس کی آرستہ و پیراستہ سڑکوں سے زیادہ حسین معلوم ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ افغان اور مغل بادشاہ ہندوستان جیسے زرخیز اور عظیم الشان ملک میں ہونے کے باوجود ایک آدھ دفعہ اپنے وطن ضرور جایا کرتے تھے۔ گویا وطن کی فضاؤں میں جوانپائیت ہے، وہ پر دل میں محسوس نہیں ہوتی، خواہ انھیں جنت کا سالکش ماحول ہی کیوں نہ میسر آجائے۔ اسی لپس منظر میں میرانیس نے کیا خوب کہا ہے:

وَثَمَنَ كُو بُھِي اللَّهُ چَحْرَاءَ نَهْ وَطَنَ سَ
جَانَهْ وَهِيَ بَلْبَلٌ ، جُو بَچَرَ جَانَهْ چَنَ سَ

وطن کی محبت ایک نعرے تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے بڑے تقاضے ہیں۔ اگر وطن کا ذرہ ذرہ عزیز ہے تو قدم قدم پر خون بہانا پڑتا ہے۔ اگر اہل وطن کے دل و دماغ میں وطن کی محبت رپی رہی ہو تو وہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اپنے وطن میں تحفظ کا احساس اور اس کی قدر و قیمت صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جنہیں ابھی تک دوسروں کی حکومی کرنا پڑ رہی ہے جیسے بوسنیا، کشمیر اور فلسطین کے مظلوم لوگ اپنی ذات کے لیے نہیں لڑ رہے بلکہ نظریاتی احساس کے حوالے سے ایک آزاد وطن کے لیے مصروف جہاد ہیں۔ خصوصاً اہل وطن جب دیار غیر میں چلے جاتے ہیں تو وہاں انھیں اپنے وطن کی یادستاتی اور ترقیاتی ہے اور اس طرح وہ دن رات اپنے وطن کو یاد کرتے ہیں۔ بعض اوقات یہ ترپ اور لگن اس قدس راٹھاتی ہے کہ اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے اور انسان یہ سوچتا ہے کہ کاش ایسا ہو جائے کہ وہ پلک بچکتے ہی میں اپنے وطن پہنچ جائے۔

حب وطن رکھنے والے اپنے وطن کی فلاں و بہود کے لیے کوشش رہتے ہیں۔ وہ لوگ جنہیں اپنے وطن سے دیواری کی حد تک لگا ہو تا ہے، وہ اپنے وطن میں روکھی روکھی کھا کر گزارہ کر لیتے ہیں۔

ایک ڈور تھا جب مسلمان بر عظیم پر قابض تھے۔ پھر آہستہ آہستہ مسلم حکومت زوال پذیر ہوئی تو انگریز قابض ہو گئے۔ ہمارے آباو اجداد نے حصول وطن کے لیے کتنی قربانیاں دیں۔ اپنا گھر بار، کاروبار، مال و اسباب، یہاں تک کہ آل و اولاد تک قربان کر دیے۔ لوگوں سے ان کے عزیز بچھڑ گئے۔ وہ پاک دامن خواتین جن کی عفت کی فرشتے بھی قسمیں کھاتے تھے، وہ بے آبروئی کے سمندر کی بے رحم موجودوں کے رحم و کرم پر تھیں۔ غرض یہ کہ اپنا وطن پاکستان حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ قیام پاکستان کے وقت ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ اب ۲۵ سال گزر جانے کے بعد ہمارا وطن بفضل تعالیٰ ترقی کی راہ پر گام زن ہے۔ یہ سب کس کے طفیل ہوا؟ یہ سب کچھ بھی پر خلوص لوگوں نے کیا جن کو اپنے وطن سے سچی محبت تھی۔

سر سید احمد خاں، مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال، قادر اعظم، فاطمہ جناح، یہ سب وطن کی محبت سے سرشار نظر آتے ہیں۔ انسان جس ماحول میں پیدا ہوتا ہے، اس کی زمین اور آسمان اُسے زندگی اور راحت بخشتا ہے۔ اسے آخر وطن سے محبت کیوں نہ ہو، اس کی گلیوں میں اس کا بچپن گزرا۔ اس کے درختوں نے اُسے جھو لا جھلا یا۔ سورج اسے نیند سے جگاتا تھا۔ تارے اُس سے باقیں کرتے تھے۔ چاند اُسے دیکھا اور اپنے پاس بلا یا کرتا تھا۔ وطن کے ندی نالوں کے جھرنے اسے گیت سناتے تھے۔ اسی لیے جب استاد ابراہیم ذوق کو کن کے حکمران نے گراں قدر

مشہرے پر حیدر آباد (دکن) میں آنے کی دعوت دی تو انہوں نے دلی کی گلیوں کو دکن کے محلات پر ترجیح دی۔ چنان چاں کا شعر ہے:

اگر چہ دکن میں بہت ہے آج کل قدرِ سخن
کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

پاکستان ہمارا وطن ہے جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا۔ اس ملک کے لیے ماں نے اپنے بیٹوں کو، بہنوں نے بھائیوں کو، بیویوں نے اپنے سہاگ اور ننھے بچوں نے اپنے والدین کو وطن کے نام پر قربان کیا۔ گویا ہم کہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے خون کے دیپ جلا کر اس وطن کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ وطن ہے جس کے نظاروں میں جنت کی بہاروں کا حسن اور حس کی زمین میں ملک کی ہم سری کا دعویٰ کرتی ہے۔

آج گویا پاکستان ایک حقیقت کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے مگر دشمن نے اسے دل سے تسلیم نہیں کیا اور وہ ہمیشہ اس موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ کسی طرح اس وطن عزیز کو تاخت و تاراج کرے، لیکن وطن کے رکھوالے غافل نہیں۔ وہ بازوؤں میں اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ جو اس ارضِ مقدس کی طرف نظر بد سے دیکھے، اس کی آنکھیں نکال دیں اور ان پاؤں کو توڑ دیں جو اس پاک سر زمین کو تاراج کرنے کے لیے آگے بڑھیں:

اے وطن تو نے پکارا تو لہو کھول اٹھا	تیرے میٹے تیرے جانباز چلے آتے ہیں
تیری بنیادوں میں ہے لاکھوں شہیدوں کا لہو	ہم تجھے رنجِ دو عالم سے گراں پاتے ہیں



۵ یومِ آزادی

۱۴ اگست ”یومِ آزادی“ کہلاتا ہے۔ اس روز اہل پاکستان اپنی آزادی کی سالگرد مناتے ہیں۔ یہ دن ہر سال آزادی، حریت اور استقلال کا پیغام بر بن کر آتا ہے۔ جس سے جدوجہد آزادی کی یاد پھر سے تازہ ہو جاتی ہے۔ زندہ قومیں اپنی آزادی کے دن کو ہمیشہ غیر معمولی اہمیت دیتی ہیں اور اسے شایانِ شان طریقے سے مناتی ہیں۔ پاکستان بھر میں ۱۴ اگست کا دن ہمارے لیے ایک قومی تقریب کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر سال انتہائی جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔

آج کے دن آزاد ہوئے ہم

آج کے دن سب دور ہوئے غم

بر عظیم پاک و ہند پر تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی۔ ۷۰۷ء میں اور نگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنت کمزور ہوتی گئی اور انگریزوں کا، جو اس ملک میں تجارت کی غرض سے آئے تھے، اقتدار بڑھتا گیا اور وہ رفتہ رفتہ ملک کے بہت سے علاقوں پر قابض ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد مغلیہ سلطنت کا چراغ، جو مدت سے ٹھیٹا رہا تھا، ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی انگریزوں کی پوری طرح ملک پر مسلط ہو گئے۔

انگریزوں نے حکومت کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ سے چھینی تھی۔ اس لیے قدرتی طور پر وہ مسلمانوں سے بدمان رہتے تھے کہ اگر انھیں موقعِ عمل گیا تو یہ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت واپس لینے کی کوشش کریں گے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی نے اس بدمانی کو اور مستحکم کر دیا، لہذا

انھوں نے مسلمانوں کی قوت کو پامال کرنا شروع کر دیا۔ اس کے برعکس وہ ہندوؤں کی پشت پناہی کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمان روز بروز پستی میں گرتے چلے گئے اور تھوڑے ہی عرصے میں زندگی کے ہر شعے میں ہندوؤں سے بہت پیچھے رہ گئے۔

مایوسی اور بدلتی کے اس نازک دور میں بعض درود لکھنے والے مسلمان رہنماؤں نے قوم کو تباہی سے بچانے کا بیرا اٹھایا۔ سرسید کا نام ان رہنماؤں میں سرفہرست ہے۔ انھوں نے قوم کو بیدار کرنے اور ترقی کی راہ پر چلانے کے لیے جدو جہد شروع کی۔ قوم نے جھر جھری لی۔ آنکھیں کھولیں۔ اپنی زبوں حالی کی طرف نگاہ ڈالی اور اللہ کا نام لے کر اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آزادی کی تحریک کی ابتداء آل انڈیا کا گریس نے کی جس کے بانی ایک انگریز تھے۔ جن کا نام اے او ہیوم (A.O.Hume) تھا۔

کا گنگریں کی تمام جدو جہد کا مقصد بظاہر ہندوستان کی آزادی تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ مسلمان، ہندو اور سکھ وغیرہ چونکہ سبھی اسی دھرتی کے سپوٹ ہیں، اس لیے انھیں ہندوستان کی آزادی کی خاطر مل کر جدو جہد کرنی چاہیے اور جب آزادی حاصل ہو جائے گی تو یہاں ایک ایسی جمہوری اور قومی حکومت قائم کی جائے گی جس کو چلانے میں باشندگانِ ملک کا آبادی کے لحاظ سے برابر کا حصہ ہو گا۔

کا گنگریں کی چلائی ہوئی تحریک ہندوؤں کی عیاری اور مسلمانوں کی سادگی اور صاحبِ نظر رہنماؤں سے محرومی کی بدولت روز افزوز ترقی کرتی گئی اور متحده قومیت کا تصور کچھ اس طرح مسلمانوں میں رپنے لگا کہ وہ اسلامی تہذیب و روایات سے منحرف ہونے لگے۔ اس قسم کے افسوس ناک مناظر دیکھنے میں آئے کہ مسلمان ہندو تہذیب کے رنگ میں رنگ جانے کو علامہ اقبالؒ کے اس شعر کے مصداق اپنے لیے باعثِ فخر سمجھنے لگے:

تھا جو ناخوب بترنگ وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

برعظیم کے مسلمانوں پر جلد ہی یہ بات عیاں ہو گئی کہ کا گنگریں تو صرف ہندوراج کے لیے کوشش ہے چنانچہ کا گنگریں کے یک طرف رویے سے مسلمانوں کو یہ احساس ہوا کہ انھیں بھی اپنی ایک الگ پارٹی بانی چاہیے جو مسلمانوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ کر سکے لہذا ۱۹۰۶ء میں مسلمانوں نے ”آل انڈیا مسلم لیگ“ کی بنیاد رکھی۔ اس جماعت کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کرنا تھا۔

مسلمان رہنماؤں کو جب یقین ہو گیا کہ ہندوؤں کو مسلمانوں کی ترقی کسی طرح گوارا نہیں اور وہ اکثریت کے گھمنڈ میں مسلمانوں کو رعایتیں دینا تو رکناران کے جائز حقوق تک دینے کے لیے تیار نہیں تو انھوں نے اپنے ذہن میں الگ وطن کا نقشہ بنانا شروع کر دیا۔ اس آزاد اسلامی وطن کا واضح تصور سب سے پہلے حضرت علامہ اقبالؒ نے ۱۹۳۰ء میں پیش کیا۔ اس وقت مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ اللہ آباد میں منعقد ہوا۔ علامہ اقبالؒ اس کے صدر تھے۔ انھوں نے اپنے خطبہ صدارت میں ارشاد فرمایا:

”میری نگاہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی کش کش کا واحد حل یہ ہے کہ ہندوستان کے جن صوبوں میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے انھیں ملا کر انگریزی حکومت کے زیر اثر یا اس سے آزاد ایک سلطنت قائم کر دی جائے جس میں مسلمان اپنے مذہب، اپنی روایات اور اپنے تمدن کے مطابق آزادی سے زندگی بسر کریں۔“

اس وقت مسلمانوں کو جس قسم کا انقلابی قدم اٹھانے کی ضرورت تھی، اس کا صحیح احساس پیدا کرنے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کا شرف نمایاں طور پر دو شخصیتوں کو حاصل ہوا۔ ایک علامہ محمد اقبالؒ اور دوسرے قائد اعظم محمد علی جناح۔ اگر ایک ہستی نے اپنے نغمہ جاں سوز سے

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

مسلمانان ہند کے اندر ایک نئی روح پیدا کر دی تو دوسری ہستی نے اپنے فکر و عمل سے مسلمانوں کے عزادم تحریک بخشنی اور بالآخر اہل زمانہ نے وہ دن بھی دیکھا جب کانگریس کے متحده قومیت کے نعرے کا ظاسم پاش پاش ہو کر رہا اور مسلمانان ہند نے اپنی شاندار تہذیب کو زندہ رکھنے اور اُسے پہنچتا ہوا دیکھنے کے لیے سر دھڑکی بازی لگا دی اور ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو اقبال پارک لاہور میں ایک ترارداد پیش کی جس میں مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

یہ ساری کاوشیں تھیں، دین کی، ایمان کی خاطر

ہزاروں کلفتیں تھیں، ایک پاکستان کی خاطر

اسلامی تہذیب و تمدن کی برتری پہنچنے کا ملک ہی کا نتیجہ تھا کہ ارض ہندوستان را سکما ری سے لے کر پشاور تک پاکستان کا مطلب کیا؟ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے نعروں سے گونج اٹھی اور قائدِ عظم محمد علی جناح صلی اللہ علیہ و آله و سلم کی چلاکی ہوئی تحریک پاکستان اپنے اسلامی تصوّرات و نظریات کے سب مسلمانان ہند کے دلوں میں اتر گئی۔

تحریک پاکستان راستے کی صبر آزمائشکلات کے باوجود قائدِ عظم صلی اللہ علیہ و آله و سلم کی اعلیٰ قیادت اور اسلامیان ہند کی جرأۃ واستقامت کی بدولت عروں کا میابی سے ہم کنار ہوئی اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا ظہور ہوا اور لاکھوں مسلمان اپنے عزیز واقرب اور گھر بار کو چھوڑ کر پاکستان آگئے۔

پاکستان کو وجود میں آئے ۵ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ آج تک یوم پاکستان ہر سال نہایت شان و شوکت اور جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔ ملک بھر میں عید کا سماں نظر آتا ہے۔ بچ، بوڑھے اور عورتیں اس جشن میں بھر پور حصہ لیتے ہیں۔ رات کو چراغاں کیا جاتا ہے۔ یوم پاکستان اس قدر جوش و خروش سے اور جذبے کے ساتھ منایا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حصولِ آزادی کی جدوجہد بھر سے ذہنوں میں تازہ ہو جاتی ہے:

آزادی کا ہر لحظہ پیامِ ابدیت
محکومی کا ہر لحظہ نئی مرگِ مفاجات



۲ اطاعتِ والدین

(ماں باپ کے ساتھ سلوک)

اللہ تعالیٰ کے بعد والدین ہی اولاد کے سب سے بڑے مرتبی محسن ہیں۔ جس طرح کسی بھی مذہب میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے رو گردانی جائز نہیں، اسی طرح والدین کی نافرمانی بھی رو انہیں۔ اسی بنا پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آله و سلم کے بعد سب سے زیادہ احترام بھی والدین کا کیا جاتا ہے۔

دنیاوی رشتہ داروں میں والدین کی تدریجی منزلت سب سے اہم ہے اور ماں باپ کا سایہ اولاد کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ اولاد کو دنیا کی ہر نعمت میسر آ سکتی ہے مگر ان کے سر سے والدین کا سایہ اٹھنے کے بعد والدین کی محبت اور شفقت کسی قیمت پر نہیں مل سکتی۔ یہی وجہ

کے سمجھ دار لوگ اپنے والدین کی درازی عمر کی دعائی نگتے، ان کی عزت و تکریم کرتے اور ان کا ہر حکم فرمان الہی سمجھ کر سر آنکھوں پر لیتے ہیں۔ ماں باپ دونوں ہی واجب الاحترام ہیں مگر ان میں بڑا رجہ ماں کا ہے، اس کی وجہ ادنی سے تامل کے بعد سمجھ میں آجائی ہے۔ ماں بچوں کو اپنی کوکھ سے جنم دیتی ہے، ان کو دوڑھائی سال تک دودھ پلاتی ہے، اپنی گود میں لیے رہتی ہے، انھیں لوریاں سناتی ہے اور اپنی آنکھوں سے ابھل نہیں ہونے دیتی۔ بچے کسی وجہ سے رونے لگتے ہو جاتی اور اماکان بھر بچے کے رونے کا مدوا کرتی ہے۔

روایت ہے کہ کسی صحابی نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا: ”میری خدمت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟“ تورحمت دو عالم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا: ”تمہاری ماں۔“ پوچھا: ”اس کے بعد؟“ ارشاد ہوا: ”تمہاری ماں۔“ صحابی نے پوچھا: ”اس کے بعد؟“ پھر ارشاد ہوا: ”تمہاری ماں۔“ اور بچتی دفعہ پوچھنے پر ارشاد ہوا: ”تمہارا باپ۔“ اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ اولاد پر ماں کی خدمت کا حق اتنا فائق ہے کہ کوئی بھی شخص کما حقہ اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ بچے کی پروش کے ضمن میں ذرا ماں کی ذمہ داریوں پر غور کیجیے: ماں اپنے بچے کی خاطر جو تکلیفیں اٹھاتی ہے، ان کا تصور بھی محال ہے۔ خدا خواستہ بچے بیمار پڑ جائے تو ماں کی جان پر بن آتی ہے اور جب تک وہ اپنے بچے کو صحت یاب نہ کیجے لے؛ سکھ کا سانس نہیں لیتی اور کھانا اپینا بھول جاتی ہے۔ بچے ماں کی نظر وں کے سامنے ہنستا کھیلتا رہتا ہے تو اس کے دل کی کلیکھلی رہتی ہے۔ بچے کی خوشی اور بچے کا غم، ماں کا غم ہے۔ اگر بچے کسی شے کے حصول کے لیے صدر کرنے لگتا ہے تو ماں ہزار جتن کرتی ہے اور بچے کی فرماں پوری کرنے کی کوشش کرتی ہے، چاہے خود اسے بھوکا رہنا پڑے۔ جس خلوص اور محبت کے ساتھ ماں بچے کی تعلیم و تربیت کرنے کا فریضہ نجاتی ہے یہ صرف اسی کا حصہ ہے۔ اس لیے ہمارے پیارے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”جنت ماؤں کے قدموں تملے ہے،“ لیکن یہ جنت اولاد میں سے اسی کے حصے میں آئے گی جو دل و جان سے ماں کی فرماں برداری کرے گا لیکن ماں باپ کا سایہ اولاد کے سروں پر ہمیشہ قائم نہیں رہتا، اس لیے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے سروں پر ماں کا سایہ ہے اور بد قسمت ہیں وہ لوگ جو ماں کے سائے کے ہوتے ان کی دعاوں سے محروم ہیں۔ علامہ اقبالؒ کی ماں کا سایہ اس وقت اٹھ گیا تھا جب وہ حصول علم کی غرض سے جمنی میں مقیم تھے، چنانچہ انھوں نے کس حسرت سے کہا:

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ ! میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دُعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا !

ماں کے ساتھ ساتھ باپ بھی اولاد کے بہتر مستقبل کے خواب بُنتا ہے اور اپنے خوابوں کی تعبیر کے لیے ہر وہ کام کرتا ہے جو اس کے امکان میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

”والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچیں تو ان کے سامنے اُف بھی نہ کرو اور نہ ان کو جھڑک کر جواب دو بلکہ احترام کے ساتھ بات کرو اور ان کے سامنے نرمی اور رحم کے ساتھ جھک کر رہو اور ان کے حق میں دعا کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار! ان پر رحم فرم۔ جس طرح انھوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا پوسا تھا۔“

اطاعتِ والدین کے موضوع کا لب لباب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد سب سے مقدم حق والدین کا ہے۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو اور اس کی روزی میں کشادگی ہو، اس کو چاہیے کہ ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرے۔“

چنان چاہا لاد پر لازم آتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے مقدم حق والدین کا ہے، اس لیے اولاد پنے والدین کی مطیع و فرمان بردار اور خدمت گزار رہے اور ان کے ادب، اطاعت اور ان کے حقوق کی نگہداشت میں ذرہ بھر بھی غفلت نہ کرے کہ اولاد کے لیے دین دنیا کی بھلائی اسی میں ہے۔



شجر کاری کی اہمیت و افادیت

شجر کے معنی درخت اور کار کے معنی کام کرنا کے ہیں، چنان چہ شجر کاری کے معنی ہوئے درخت لگانے کا وہ کام جس کو انسان اپنے ہاتھوں انجام دیتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ روز اول ہی سے انسان اور درخت کا چولی دامن کا ساتھ ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ درست ہے کہ انسان درخت کو اپنا ایسا دوست شمار کرتا ہے جس کے بغیر وہ جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ قدرت کے نظام ہی کے تحت درخت انسانوں بلکہ تمام جانداروں کے لیے فضای میں موجود کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب اور آکسیجن فراہم کرتے ہیں، جس سے ہم سانس لیتے ہیں۔ اگر درخت اور پودے نہ ہوں تو ہم سانس بھی نہ لے سکیں۔ علاوہ ازیں یہ درخت اور پودے ہی تو ہیں جو ہمیں خواراک، رہائش، ادویات، فرنچ اور بہت سی دوسری چیزیں فراہم کرتے ہیں۔ اگر روزے زمین پر درختوں کی ہر یا ای اور سبزی و شادابی نہ ہو تو ہماری زندگی اجیرن ہو جائے۔ یہ درخت ہی تو ہیں جو انسان کے غارت گر ہاتھوں سے پیدا ہونے والی فضائی، زمینی، آبی اور شور کی آلو دگی کو کنٹرول کرتے اور انسان کو جینے کا قرینہ سکھاتے ہیں۔ درخت پرندوں اور جانوروں کا گھر، ان کا مسکن اور ان کی خواراک کا ذریعہ ہیں۔

روزے زمین پر پھیلیے ہوئے جا بجا درخت اور جنگل بنی نوع انسان کے لیے قدرت کا آن مول تحفہ ہیں۔ درخت نہ صرف سایہ فراہم کرتے ہیں بلکہ یہ ماحولیات کی آلو دگی کو کم کرنے میں بھی مددگار ثابت ہوتے ہیں اور سیلا ب کی تباہ کاریوں سے بچاؤ اور زمین کے کٹاؤ کو روکنے کا بھی اہم ذریعہ ہیں۔

درخت اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جو موسمیاتی تبدیلی کا باعث بنتے ہیں۔ درختوں کی بدولت بارش کا موجب بننے والے بادل و جو دیں آتے ہیں اور انھی کی بدولت بادل برستے ہیں۔ ہمارا طن عزیز پاکستان اس لحاظ سے بڑا خوش قسمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے چاروں موسموں: گرمی، سردی، بہار اور خزانہ اس سے نوازاتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم ان سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھاتے کیونکہ ہمارے ملک میں صرف چار فن صد حصے پر جنگلات موجود ہیں جو انہائی کم ہیں اور بڑی تشویش ناک بات ہے جب کہ ہمارے ملک کے مقابلے میں ایران میں ۷ فن صد، بھارت میں ۲۳ فن صد چین میں ۲۲ فن صد اور روس میں ۳۸ فن صدر قبہ جنگلات پر مشتمل ہے۔

آج دنیا کے کچھ ممالک کو گلوبل وارمنگ کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔ جس میں پاکستان بھی شامل ہے۔ گلوبل وارمنگ میں اضافے کا ایک بڑا سبب درختوں کا بے تھاشنا کٹاؤ بھی ہے۔ درختوں کے بے تھاشنا کٹاؤ سے فضای میں آکسیجن کم اور کاربن ڈائی آکسائیڈ زیادہ ہو رہی ہے۔

درخت پونکہ کاربن ڈائی اس سائیڈ بطور خوراک استعمال کرتے ہیں لہذا اگر درختوں کا کٹاؤ اسی رفتار سے جاری رہا تو کاربن ڈائی اس سائیڈ کا اضافہ انسانی صحت کے لیے خطرناک حد تک پہنچ جائے گا اور گلوبل وارمنگ کے اثرات زیادہ ہو جائیں گے کیونکہ ہمارے ملک میں گلوبل وارمنگ سے بچاؤ کے لیے کوئی قابل ذکر ٹیکنالوژی موجود نہیں اس لیے حکومت کو لازم ہے کہ وہ شہر کاری مہم کا آغاز کرے اور عوام الناس کو شہر کاری مہم کے متعلق ایک آگاہی مہم جاری کرے۔ پھر جو درخت لگیں ان کے بڑھنے تک ان کی حفاظت کرے۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے ہمارے ملک میں گلوبل وارمنگ کے اثرات کم ہو سکیں گے۔

آج سائنس اور ٹکنالوژی کا دور ہے۔ شجر کاری کے لیے بھی دنیا میں جدید طریقے آپکے ہیں۔ جن میں ڈرون کے ذریعے سے شجر کاری کی جاتی ہے۔ یہ ڈرون فضائی سیستم پر قائم چینتے ہیں جن کے ذریعے سے کم وقت میں ایک وسیع و عریض رقبے پر شجر کاری کا عمل انجام دیا جا سکتا ہے۔ کئی ملکوں مثلاً جاپان اور سری لنکا نے اس ٹکنالوژی سے، جو ہاتھ سے شجر کاری کے مقابلے میں دس گناز یادہ تیز اور سودمند ہے اور رقم بھی بے حد کم خرچ ہوتی ہے، بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

درخت کو اپنی رحمت قرار دیتے ہوئے اس کا ذکر اسی طرح کیا ہے:
شجر کاری ہمارا دینی فریضہ بھی ہے اور قرآن مجید میں مختلف حوالوں سے اشجار (درختوں) کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں
ہر محب وطن پر، چاہے وہ طالب علم ہی کیوں نہ ہو، لازم آتا ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو، اپنی دسترس میں رہ کر شجر کاری ضرور کرے۔

”وہی ہے جس نے آسمان سے تمھارے لیے پانی برسایا، جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمھارے جانوروں کے لیے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس پانی کے ذریعے سے کھیتیاں اگاتا ہے۔ زیتون، کچوڑا، انگور اور طرح طرح کے دوسرے بچھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں ایک بڑی نشانی سے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

ای طرح آپ عَلَيْهِ الْحَمْدُ وَالْكَبْرَى لِنَبْرَأْ إِلَيْهِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ نے بھی درخت لگانے اور ان کی پروش و تکمیل اشت پر بہت زور دیا ہے۔ آپ عَلَيْهِ الْحَمْدُ وَالْكَبْرَى لِنَبْرَأْ إِلَيْهِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ کافرمان ہے:

• ”جو شخص درخت لگائے، اس کے بعد اس کی نگہداشت، حفاظت اور نگرانی کر کے (اسے) مکمل پھل دار درخت کی

صورت میں بڑا کردے تو اس کے لیے بڑا اٹو اب ہے اور یہ صدقہ چار یہ بن جاتا ہے۔“

”جمسلمان درخت لگائے باحیتی بارڑی کرے اور اسے انسان حانور اور برندے کھالیں تو وہ اس کے لئے صدقہ ہے۔“

شجاع کاری کے حوالے سے اک دوسرا گلہ آئے۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

”قامت قائمہ ہوئی ہوا اور کسی کو شکر کاری کا موقع ملے تو وہ (اس) موقع کو با تھے سے نہ جانے دے۔“

ان تمام باتوں کا لب بیا ہے کہ یہ صرف حکومت ہی کا نہیں بلکہ ہم سب کا فرض بتا ہے کہ ہم درختوں سے، جو اللہ کی مخلوق کے لیے انتہائی فیض رسال ہیں، والہانہ پیار کریں۔ درختوں کو تلف کرنا گناہ سمجھیں اور جہاں تک ممکن ہو، زیادہ سے زیادہ درخت لگائیں اور ان کی اس طرح حفاظت کریں جس طرح والدین اپنی اولاد کی کرتے ہیں لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم میں سے کچھ ناسمجھ لوگ پودوں کو روند نے اور درختوں کے ساتھ ظلم کرنا وار کھتے ہیں۔ اے کاش! ایسا نہ ہو۔



مولانا حالی نے کسی زمانے میں کس قدر درست کہا تھا:

کمال کفش دوزی علم افلاطون سے بہتر ہے
یہ وہ نکتہ ہے جس کو سمجھے افشائی نہ اشراقتی

مفہوم یہ ہے کہ علم کفش دوزی (جوتے بنانے کا علم) افلاطون (یونانی فلسفی) کے علم سے بہتر ہے اور یہ چیز وہ نکتہ ہے جو افشائی اور اشراقتی (ایرانی فلسفیوں) کی سمجھ میں نہیں آئے۔ دراصل شاعر نے اس شعر میں علم اور ہنر کا موازنہ کیا ہے اور ہنر کو بے عمل پر فوقیت دی ہے۔ اسی شاعر نے مسلمانوں کے شاندار ماضی کا سبب بیان کرتے ہوئے ایک دوسری جگہ کہا ہے:

هر اک علم کے فن کے جو یا ہوئے وہ
ہر اک کام میں سب سے بالا ہوئے وہ
فلاحت میں بے مثل ویکتا ہوئے وہ
سیاحت میں مشہور دنیا ہوئے وہ
ہر اک ملک میں اُن کی پھیلی عمارت
ہر اک قوم نے اُن سے سیکھی تجارت

یعنی کہ مسلمانان عالم جب تک عملی فنون کے متلاشی رہے، ان کا شمار اقوامِ عالم میں سب سے بلند مرتبے پر ہوتا رہا مگر جب انہوں نے اس طرف سے پہلو تھی کی، وہ اپنے مرتبے سے نیچے گرتے چلے گئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تما عالمِ اسلام بالعموم اور پاکستان کے نوجوان بالخصوص اسی طرف بھر پورا توجہ دیں تاکہ ان کو وہ اقوامِ عالم میں پھر سے اپنا کھویا ہوا مقام و مرتبہ حاصل کر سکیں۔

ہر چند تعلیم اور ہنر اظہر دو متضاد چیزیں ہیں لیکن دونوں کا تعلق عقلِ انسانی سے ہے۔ تعلیم یعنی حصول علم ایک نعمتِ الٰہی اور ایک ایسی دولت ہے جو بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہِ راست پر لے آتی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ علم وہ دایت کا پیکر بن کر آئے اور دنیا کے اندھیرے کو علم کے نور سے روشن کر دیا۔ باری تعالیٰ نے قرآن مجید فرقانِ حمید میں جا بجا رشاردا فرمایا ہے کہ:

”ابل علم اور جاہل کبھی برا بر نہیں ہو سکتے۔“ (اذْمَرْ: آیت ۹)

یعنی اسلامی تعلیمات میں دینی اور دنیاوی دونوں علوم کے حصول پر زور دیا گیا ہے۔ دنیاوی علوم سے مراد وہ تعلیم ہے جو ہم اپنے تعلیمی اداروں میں حاصل کرتے ہیں۔ اس زمرے میں سائنس، ریاضی، انجینئرنگ، ڈاکٹری، فلسفہ، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ تمام علوم شامل ہیں، جن کے حصول میں بلا دریغ زندگی کا ایک بڑا حصہ اور لاکھوں روپے خرچ کر دیے جاتے ہیں اور اکثر ویژشت طالب علموں کا مقصد ڈگری کا حصول ہوتا ہے۔ جس کے بعد وہ نوکریوں کی تلاش میں مارے پھرتے ہیں اور اپنی زندگی بر باد کر لیتے ہیں۔ اگر ایک عام آدمی بے مقصد ڈگری لینے کے لیے دوڑ دھوپ کے بجائے کسی ہنر کو سیکھنے کی طرف توجہ دے تو اس کی زندگانی زیادہ کارآمد ہو۔

ہمارے ملک کے حالات کو مدد نظر رکھتے ہوئے ارباب اختیار پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنے نوجوانوں کی توجہ ہنرمندی، جسے ہم ٹینکنیکل

ایجکیشن یا فن تعلیم کہتے ہیں، کی طرف مبذول کرے اور اس ضمن میں سہوتیں پیدا کرے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن مالک نے فن تعلیم از قسم : پڑا سازی، دھات سازی، زراعت، چوب کاری، ظروف سازی اور کپڑا سازی وغیرہ کی تعلیم کو اپنی عمومی تعلیم کا حصہ بنانے پر بھر پور تو چجدی، وہاں معاشی ترقی کی شرح زیادہ کہیں زیادہ ہے۔

ٹینکنیکل ایجکیشن کسی بھی معاشرے کے معاشری استحکام کی ضامن ہوتی ہے لیکن افسوس ہے کہ فی زمانہ پاکستان میں ٹینکنیکل ایجکیشن کی شرح صرف ۶ فیصد ہے جب کہ ترقی یافتہ مالک میں یہ شرح ۲۶ فیصد سے بھی زیادہ ہے۔

نوجوانوں کی فن تعلیم سے آرستہ کرنے کے لیے حکومتی کاؤنٹریوں کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ سیکٹر کی شراکت بے حد اہمیت کی حامل ہے کیونکہ ہمارے ملک میں سر دست سرکاری، پولی ٹینکنیک انسٹی ٹیوٹ صرف تیس ہیں جب کہ پرائیویٹ سیکٹر میں یہ تعداد تین فیصد سے متوازن ہے۔ اس اعتبار سے ارباب اختیار و اقتدار کے فن تعلیم کے شعبے میں دلچسپی کا اندازہ جنوبی لگایا جاسکتا ہے۔

ہمارے ہونہار اور باصلاحیت طالب علموں کو معلوم ہونا چاہیے کہ موسم گرمائی کی تعطیلات خصوصاً میڈیٹ کے امتحانات کے بعد اگلی جماعت میں داخلہ لینے تک کا طویل عرصہ کوئی ٹینکنیکل ورک یا کام سیکھنے کا بہترین وقت ہوتا ہے۔ آپ کے گھر کے نزدیک اگر کوئی ایسا ادارہ ہے جہاں آپ کو بلا معاوضہ یا معمولی معاوضہ کے عوض ہنر سیکھنے کا موقع مل سکتا ہے تو آپ ہفتہ کے مقررہ دنوں میں یا ہر روز مقررہ اوقات میں کام سیکھنے کے لیے وقت نکال سکتے ہیں۔ یہ چیز ٹینکنیک طور پر آپ کی عزت و آبرو میں اضافے کا موجب بنے گی کیون کہ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ:

”کسپ کمال گُن کہ عزیزی جہاں شوی“

یعنی اگر آپ دنیا میں معزز ہونا چاہتے ہیں تو (کسی نہ کسی کام میں) کمال حاصل کریں۔



۹ انفار میشن ٹینکنا لو جی

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے ، لب پ آسکتا نہیں
محِی حریت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

علامہ اقبال کا یہ شعر، جو انہوں نے تقریباً سو سال پہلے کہا تھا، محیر العقول ایجادات کے پیش نظر آج کے زمانے پر کس قدر صادق آتا ہے۔ فی زمانہ ریڈیو، ٹیلی فون، کیلکو لیٹر اور کمپیوٹر جیسی قبیل کی اہم ایجادات نے انسانی زندگی کو یکسر بدلت کر رکھ دیا ہے اور انٹرنیٹ کی ایجاد اس زندگی میں مزید انقلابات لے کر آئی ہے۔ جدید مواصلات اور پلک جھکتے ترقی کی منازل طے کرنے کے اس جدید نظام کو اصلاح میں انفار میشن ٹینکنا لو جی یا آئی ٹی کہا جاتا ہے۔ انفار میشن ٹینکنا لو جی کی اصطلاح کا اطلاق، جس نے ٹینکنا لو جی سیکھنے اور معلومات کی جدید ترقی میں بے پناہ امکانات پیدا کیے ہیں، دنیا بھر میں ٹینکنا لو جی کی تمام ترقیوں پر ہوتا ہے۔ ٹیلی وژن حالیہ زمانے کی ایک جدید ایجاد اور ہر گھر کا ایک اہم حصہ ہے۔ آج کے دور میں ٹیلی وژن محض تفریخ ہی کا وسیلہ نہیں بلکہ یہ ان کی زندگی میں بہت سی مفید معلومات کا ذریعہ بھی بن چکا ہے اور ہم گھر بیٹھے بھائے طرح طرح کے پروگرام اور خبریں دیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح کمپیوٹر جدید دور کا اللہ دین کا چراغ یا عمر و عیار کی وہ زنبیل ہے

جس میں ہمارے لیے لامحدود اور نئی معلومات کا بے پناہ ذخیرہ موجود ہے۔ اس میں کا بنیادی مقصد معلومات کو یک جا کر کے ہمارے لیے مرتب و منظم کرنا ہوتا ہے۔ تعلیم و تربیت کا شعبہ ہو یا صحت و تندرستی کا، صنعت و حرفت کا میدان ہو یا سیاسیات و معاشیات کا، انفارمیشن ٹینکنالوجی نے ہر جگہ اس مضبوطی سے پنج گاڑے ہوئے ہیں کہ زندگی کے تمام شعبوں کی ناگزیر ضرورت بن کر رہ گئی ہے جب کہ انٹرنیٹ نے دنیا کو ایک گھر ان کی مانند اس طرح باہم مربوط و منظم کر دیا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو آئندے سامنے دیکھیں اور بات چیت بھی کر سکتے ہیں اور دفتری کام کا جو کوئی وسیع پیمانے پر پھیلا سکتے ہیں۔ یہ انٹرنیٹ ہی تو ہے جس کے ذریعے سے گھر بیٹھے دنیا بھر کی معلومات تک رسائی ممکن ہے۔ انداز میں اور بآسانی ممکن ہے۔ گھر بیٹھے دنیا جہان کی کتابوں اور رسائل و جرائد کا مطالعہ ہو سکتا ہے اور گھر بیٹھے تجارتی سامان کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے۔ گویا انٹرنیٹ کے توسط سے دنیا نے ایک عالمی گاؤں (Global Village) کی شکل اختیار کر لی ہے۔ موجودہ دور میں تیز ترین اور فوری رابطے کا ایک ذریعہ ای میل ہے جو انٹرنیٹ کی وجہ ہی سے ممکن ہے۔

انفارمیشن ٹینکنالوجی نے بلاشبہ ہماری زندگی کو آسان تر بنا دیا ہے اور ہم مڑکر بیچھے بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔ ایسوں صدی کو انفارمیشن ٹینکنالوجی کی صدی کہا جاتا ہے اور دنیا بھر میں پل پل میں رونما ہونے والے واقعات کو برینگ نیوز کے نام پر جدید ٹینکنالوجی کے ذریعے سے برق رفتاری سے لوگوں تک پہنچایا جا رہا ہے۔ چند سال پہلے کا نامہ نگار کاغذ پر نیوز لکھ کر بذریعہ ڈاک روانہ کرتا تھا جس میں کافی وقت صرف ہوتا تھا جب کہ انفارمیشن ٹینکنالوجی کی سہولت سے یہ کام اب ای میل کے ذریعے سے فوری ہونے لگا ہے۔ دنیا بھر کے اخبارات کا مطالعہ، اپنی پسند کی کسی کتاب یا مواد کو اپنے ڈیسکرین ٹاپ سکرین یا لیپ ٹاپ یا موبائل پر تلاش کرنا اور پڑھنا اب خواب نہیں رہا بلکہ ہماری روزمرہ زندگی کی حقیقت بن گیا ہے۔

عصر حاضر میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے بڑھتے ہوئے استعمال نے ہماری قومی زبان اردو کو بھی اس نئی ترقی سے ہم آہنگ ہونے کا حوصلہ دیا ہے۔ جو زبان پہلے قلمی کتابت کے ذریعے سے اخبارات و رسائل اور کتابوں کی صورت میں عوام تک پہنچتی تھی، اب کمپیوٹر کتابت اور الیکٹریک ایک ذرائع سے ہم آہنگ ہو کر ترقی کی راہیں طے کر رہی ہے۔ اردو یونیورسٹیوں کا قائم بعض خلیجی و سارک ممالک اور افریقا و امریکا میں منعقد عالمی سمینار اور مشاعرے و مجالس، سیکلروں ویڈیو، آڈیو پروگرام، ڈاکومنٹری، انٹرنیٹ پر دستیاب اردو کی بے شمار ویب سائٹس، امریکا، آسٹریلیا اور یورپ سے شائع ہوئے روز نامے اور رسائل و جرائد نے اس زبان کوئی وسعت عطا کی ہے اور ایک اندازے کے مطابق دنیا میں کم و بیش اردو بولنے، سمجھنے اور لکھنے والے ایک ارب عوام اور فاصلاتی نظام تعلیم کے دائرے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ:

”اردو کے روئے زیبا کی کشش سے پروانے خود بخود اس کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔“

مرزا غالب و علامہ اقبال اور فیض احمد فیض نے اردو زبان کی جو وراثت چھوڑی تھی، اس پر انفارمیشن ٹینکنالوجی کے میٹریل سے نئی نسل نے ایک شاندار عمارت تعمیر کی ہے اور اردو بھی دنیا کی دیگر اہم زبانوں کی طرح 21 ویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو رہی ہے۔ پہلے اردو زبان اور اس کی تعلیم محض ریڈیو اور ٹیلی ویژن تک محدود تھی۔ ان دنوں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے سہارے اس کا دائرہ کارورلڈ و انٹریڈ ویب World Wide Web کے ذریعے سے بڑھ گیا ہے اور ای لرنگ، ای ایجکیشن، مائیکرو چیپس اور ای میل کے ذریعے سے انسان نے دنیا کو ایک مٹھی میں بند کر دیا ہے اور اس زبان نے سائیبر اسپس میں بھی اپنے قدم جمائے ہیں۔ جس کی زندہ مثال ہماری اردو زبان ہے۔ دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح پہلے اس خط نے رومان سیم لکٹریکن جلد ہی اس نے نئے جہاں کے آداب سیکھ لیے اور اردو نے بھی دنیا کی

دیگر زبانوں کی طرح پرے وقار کے ساتھ سائبر سپس (Cyber Space) میں اپنی جگہ بنالی۔

آج آپ اردو میں گوگل چیخ پر یونی کوڈ میں کسی بھی شاعر یا ادیب کا نام ثاپ کر کے اس سے متعلق معلومات اور مواد حاصل کر سکتے ہیں۔ یونی کوڈ سے پہلے یہ سب سہولیات اردو زبان میں منیں نہیں تھیں۔ یونی کوڈ نظام کی وجہ سے جہاں انگریزی لکھی جاتی تھی، وہیں پر اب اسی طرح اردو بھی لکھی جانے لگی ہے۔ انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کی ہمہ جہت افادیت کے پیش نظر یہ خوشی کی بات ہے کہ ہماری اردو زبان بھی اس قابل اور اس لائق ہو چکی ہے کہ وہ جدید نیکناں لو جی سے ہم آہنگ ہو سکے اور اردو نے بھی خود کو کمپیوٹر کی زبان بنالیا ہے۔ اب ہمیں انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کے استعمال کے لیے کسی اور زبان کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہم پورے کمپیوٹر کو اردو میں منتقل کر سکتے ہیں اور یہ ناممکن کام اردو یونی کوڈ نے ممکن کیا ہے۔

انٹرنیٹ پر اردو میں ڈیجیٹل لائبریری اور کئی اہم ادبی، تہذیبی، ثقافتی سائمس موجود ہیں۔ آج سے صرف بیس سال پہلے ان چیخ کے ذریعے سے کمپیوٹر پر اردو کتابت کا کام شروع ہوا اور اردو اخبارات اور کتابیں کمپیوٹر پر خوب صورتی سے آراستہ ہو کر شائع ہونے لگی تھیں، مگر جب دنیا میں کمپیوٹر کا استعمال بڑھا اور ٹیلی و ٹیلن، سیل فون اور دیگر شیکناں لو جی کے آلات میں اردو کے استعمال کی ضرورت بڑھی تو اردو کے علاوہ دنیا کی تمام زبانوں کو کمپیوٹر کے ایم ایس آفس پر گرام اور انٹرنیٹ پروگراموں میں شامل کرنے کے لیے زبانوں کا یونی کوڈ نظام شروع کیا گیا اور اس اعتبار سے کسی بورڈ کی تفصیلی عمل میں آئی، اردو میں جیل نوری نستعلیق اور علوی نستعلیق فائلز تیار ہوئے جن کی مدد سے کسی بھی اپلیکیشن، فیس بک، ٹویٹر اور دیگر اپلیکیشنوں اور سیل فون میں اردو لکھنا آسان ہو گیا اور ان چیخ کو یونی کوڈ میں منتقل کرتے ہوئے اردو زبان و ادب کا بیش قیمت ذخیرہ انٹرنیٹ پر محفوظ کر دیا گیا۔ آج اگر کوئی گھر بیٹھے اپنے کمپیوٹر پر کلیات اقبال، دیوان غالب، مضامین سر سید یا کوئی اور کتاب دیکھنا چاہتا ہے وہ یونی کوڈ کی سہولت کو گوگل سرچ میں استعمال کرے تو اسے اردو زبان و ادب کا ایک نیا جہاں نظر آئے گا۔ علامہ اقبال نے کسی زمانے میں درست کہا تھا کہ:

عروج آدم غاکی سے انجم سہم جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارامہ کامل نہ بن جائے



ڈینگی بخار

۱۰

ہر چند اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسانوں کو ان گنت نعمتوں سے نواز ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ انسانوں کو ہر زمانے میں طرح طرح کی آزمائشوں اور مصائب سے بھی دو چار ہونا پڑتا ہے۔ ان میں متعدد قدرتی آفات اور مختلف قسم کی بیماریاں اور امراض شامل ہیں۔ کبھی ملک کے کسی حصے میں زلزلہ آ جاتا اور بر بادی پھیلاتا ہے، کبھی سیلا ب اس قدر تباہی پھیلاتے ہیں کہ صورت حال کو سنجانے میں برسوں لگ جاتے ہیں اور بعض اوقات کسی ملک میں وبا پھوٹ پڑتی ہے تو سیکڑوں ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ یہ آفات اور وبا نہیں کسی مسلم یا غیر مسلم یا پس ماندہ یا ترقی یافہ تقوموں میں احتیاز نہیں کرتیں البتہ ترقی یافہ تقوماں کا اپنے سابقہ تحریکات، وسائل اور منصوبہ بندی سے صورت حال پر جلد قابو پالیتے ہیں جب کہ پس ماندہ ممالک سے وہاں کے حکمرانوں کی ناہلی یا بد عنوانی کی وجہ سے صورت حال سنگھل نہیں پاتی اور وہ محض

دوسرے ممالک سے امداد کی امید لگاتے ہیں۔

ڈینگی بخار بھی ایک وبا ہے اور چونکہ یہ باندھا ایک نئی وبا ہے اس لیے اس نے جنوف وہ راس پھیلایا اس پر پاکستانی سخت پریشان ہوئے۔ اس وبا سے پہلے ۱۹۹۳ء میں کراچی میں اور پھر ۱۹۰۶ء اور ۱۹۱۱ء میں لاہور میں اور بیرون لاہور (زیادہ تر پنجاب) بلکہ پورے ملک میں سیکڑوں مریضوں کی جان کا نذر انہی لیا۔ حکومت پنجاب نے اس کے خلاف ایک زبردست مہم چلائی اور بڑی حد تک ڈینگی کا سدہ باب توکر دیا مگر پوری طرح قلع قلع نہیں ہوسکا اور ۲۰۲۲ء میں اس وبا سے لوگ پھر پریشان ہیں۔

حفظِ ماتقدم کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ڈینگی کیا ہے؟ اس کی علامات اور علاج کیا ہے اور وہ کون سی احتیاطی تدابیر ہیں جن کے اختیار کرنے سے اس وبا سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔

اسباب: ڈینگی بخار ایک مچھر (Aedes) کی مادہ کے کائنے سے پھیلتا ہے۔ گھر کے اندر پائے جانے اس مچھر کے جسم پر سیاہ اور سفید دھاریاں ہوتی ہیں۔ یہی مادہ مچھر انسانی جسم میں وائرس داخل کرتی ہے اور جب ڈینگی کے مریض کو کائنے کے بعد وہ صحت مند آدمی کو کاٹے تو وہی وائرس اس میں بھی داخل ہو جاتا اور اسے بھی بخار ہونے لگتا ہے۔ یہ مچھر دس ملی میٹر تک لمبا اور انسانی خون کا بڑا رسیا ہوتا ہے۔ اس جنس کے مچھر عموماً سورج طلوع ہونے سے ذرا پہلے اور سورج غروب ہونے کے ذرا بعد زیادہ فعال ہوتے ہیں۔ ذرا سے تصرف کے بعد یہاں کسی استاد کا یہ شعر حسب حال ہے:

”دو ہی لمحے راس ہیں مجھ کو یہاں دن رات میں“

اک ترے آنے سے پہلے، اک ترے جانے کے بعد

علامات: ڈینگی بخار کی بہت سی علامات ہیں۔ ان میں سے جب بھی کوئی علامت ظاہر ہو تو معانی سے رجوع کرنا چاہیے۔

● مچھر کے کائنے کے سات دن کے اندر بخار آنے لگتا ہے جو عموماً ایک سو دو درجے سینٹی گریڈ تک ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔

● سر میں شدید درد ہوتا ہے۔ خصوصاً آنکھوں کے پیچھے حصے اور جسم کے جوڑوں میں شدید درد ہوتا ہے۔

● بھوک کم ہو جاتی اور پیاس بڑھ جاتی ہے۔

● جی متلا تا ہے اور اپنکیاں آنے لگتی ہیں۔ قے آتی ہے، مریض تھکن اور گھبراہٹ محسوس کرتا ہے۔

● آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور جسم پر سرخ دانے (دھپر) ظاہر ہو جاتے ہیں اور خارش بھی ہوتی ہے۔

● غنوگی طاری ہوتی ہے اور مریض بے چینی محسوس کرتا اور مسلسل کراہتا ہے۔

● مریض کے پیٹ میں شدید درد ہوتا ہے۔

● ڈینگی کی شدید ترین قسم (Dengue Hemorrhagic Fever) DHF ہے، جس میں مریض کے مسوڑوں اور دیگر

● اعضاء سے خون رنسنے لگتا ہے۔ خوارک کی نالی سے خون رنسنے کی صورت میں کالے رنگ کے پاخنے آتے ہیں۔

● انجمادی خلیوں یعنی Platelets کی کمی اور سرخ خلیوں کی زیادتی اس بخار کی بڑی علامت ہے۔

علاج: ہمارے یہاں سماجی ادویات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ مریض کی عیادت کے لیے آنے والے نوے فی صد افراد مریض کو

علاج کے بارے میں کچھ ہدایات اور اپنے تجربات کا اطلاق مریض پر کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ یہ غلط روایت ہے کہ مریض اور اس کے لواحقین مرض کی تشخیص اور علاج کے لیے ہمیشہ مستند ڈاکٹر یا طبیب کی ہدایات پر عمل کریں۔ تادم تحریر ڈینگی کی ویکسین ابھی تک تیار نہیں ہو سکی البتہ ڈبلیوائچ انے ڈینگلی کے علاج کے لیے جو تجویز دی ہیں، ان کی اہمیت بہت بڑھ لئی ہے۔

- مریض کا ہر گھنٹے کے بعد چیک اپ کیا جانا چاہیے اور اگر انجمادی غلیے (Platelets) کم ہو جائیں تو ڈرپ لگائی خون بھی دیا جانا ضروری ہے۔
 - ڈینگلی کے مریض کو عام طور پر بیناً ذول یا پیراستا مول تجویز کرتے ہیں۔ یہ دواہر تین یا چار گھنٹے کے بعد دیں۔
 - مریض کو نارمل خوارک کے ساتھ جوس، سوپ اور پانی زیادہ مقدار میں دیں۔
 - اسپرین، بروفین اور سٹیم ائیڈ سے پرہیز کریں۔

احتیاطی تدابیر: بعض اوقات مرض سے زیادہ مرض کا خوف انسان کے لیے زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔ اس مرض میں بیتل امریضوں کی شرح اموات پانچ چھٹے فی صد ہے۔ جسے ایک یا نصف فی صد تک لا یا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ عوام اور حکومت درج ذیل احتیاطی تدابیر ضرور اختیار کریں۔

- ذاتی سطح پر خود کو خود کو مچھر کے کاٹنے سے بچائیں۔ پوری آستین کی نیمیں پہنیں۔ سوتے وقت مچھر دانی کا استعمال کریں۔
 - مچھروں کی افزائش اور پناہ گاہوں کو ختم کریں۔ مثلاً گھروں کو کاٹھ کبڑا، شاپنگ بیگز، ٹولے پھولے برتن، کھلونے، پلاسٹک اور شیشے کی چیزوں سے صاف رکھیں۔ انھیں بیچ دیں یا پھینک دیں۔
 - گھر میلوں پر یا احتیاط بھی ضروری ہے کہ گملوں، کیماریوں، بالٹیوں، بوتوں، کچرے کے ڈرموں، روم کولروں وغیرہ میں کہیں بھی پانی کھڑا نہ رہنے دیں۔
 - استعمال ہونے والے پانی کے ذخیرے کے برتوں اور کوڑے دال کو ڈھانپ کر رکھیں۔
 - گھروں میں سپرے کروائیں اور جالیوں سے کمروں کو اس طرح بند رکھیں کہ مچھروں کو کمروں میں آنے کا راستہ نہ ملے۔
 - ہمارے یہاں ہر سال، ان گنت افراد میں یا اور پیپا ٹائٹس سے مر جاتے ہیں۔ مگر ڈینگی کی دہشت ان سب امراض سے زیادہ ہے۔ ۲۰۱۱ء کے بعد ۲۰۲۲ء میں ڈینگی کا خوف پھر سامنے آیا ہے کیونکہ اس سال کچھ زیادہ ہی مریض سامنے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس موزی مرض سے محفوظ رکھے!

فونگ اور سموگ: اسپاپ، اثرات اور تدارک ۱۱

اکیسویں صدی کے انسان کو بے شمار مسائل کا سامنا ہے۔ ان مسائل میں ایک سفاق ک اور سگنین مسئلہ فوگ اور سموگ سرفہرست ہے۔ جب دھواں اور درجہ حرارت کم ہونے کی وجہ سے دھند (فوگ) آپس میں اتصال کرتے ہیں تو اتصال سے سموگ جنم لیت ہے۔ یہ

ایک قسم کی فضائی آسودگی ہے جس سے فوٹو کمیکل سموگ بھی کہا جاتا ہے اور یہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ناٹر و جن آ کسائیڈر جیسے دیگر زہر میلے ذرا سوچ کی حدت سے مل کر اپنا رُمل ظاہر کرتے ہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے کیمیائی اجزا سانس کے ذریعے انسانی جسم میں داخل ہو کر صحت کے لیے ہمہ گیر اور ہمہ جہت مسائل پیدا کر سکتے ہیں۔ نزلہ، زکام، کھانی، گلے کی خرابی، سانس کی تکلیف اور آنکھوں میں شدید جلن وہ ظاہری علامات ہیں جو سموگ کے باعث ہر عمر کے شخص کو بری طرح متاثر کرتی ہیں۔ یہاں اس امر کا ذکر بھی ضروری ہے کہ سموگ انسانی صحت کو ایسے نقصانات بھی پہنچاتی ہے جو ظاہر فوری طور پر دکھانی نہیں دیتے لیکن وہ کسی بھی شخص کو موزی اور مہلک مرض میں بنتا کر سکتے ہیں جیسا کہ پھیپھڑوں کی خرابی یا کینسر کا موزی مرض وغیرہ۔ طبی ماہرین کی تحقیق ہے کہ بچے اور بوڑھے سموگ سے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ موسم سرما میں پاکستان کا صوبہ پنجاب بالخصوص لاہور شہر، سموگ کے مہلک اثرات کی زد میں آ جاتا ہے۔ موسم سرما میں لاہور کا ایسہ کوئی انڈکس پاکستان کے دیگر شہروں کی نسبت سب سے زیادہ ہو جاتا ہے اور انسانی صحت پر مضر اثرات مرتب کرنا شروع کر دیتا ہے جو لاہور میں رہنے والوں کے لیے لمحہ فکر یہ ہے۔

قدرتی طور پر کڑہ ارض کے ارد گرد گیسوں کا ایک غلاف موجود ہے، جس میں ناٹر و جن، آسیجن، کاربن ڈائی آ کسائیڈ اور دیگر گیسیں بلحاظ وزن ایک خاص تناسب سے فضائی حصہ بنتی ہیں اور بقائے حیات کے لیے ضروری ہیں۔ مگر بے تحاشا انسانی آبادی اور چاروں طرف صنعتوں کے پھیلاوا کی وجہ سے فضائی ان گیسوں کا تناسب بگڑ گیا ہے اور فضائی مختلف قسم کی مضر صحت گیسیں جمع ہو گئی ہیں، جن کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ صفتی چینیوں سے نکنے والی گیسیں، ٹریفک کی لاتعداد گاڑیوں اور خشت سازی کے بھٹوں سے نکنے والا دھواں، کچھ راستوں اور شکنستہ سڑکوں پر موڑ گاڑیوں کی آمد و رفت سے اٹھنے والے گرد و غبار کے بادل فضا کو آسودہ کر دیتے ہیں۔ یہ آسودگی متاثرین کی صحت پر نہایت مضر اثرات مرتب کرتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ فضائی آسودگی سے نباتات بھی بری طرح متاثر ہوتی ہیں اور قریبی عمارت کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

معدنی ایندھن کے بے دریغ استعمال کی وجہ سے فضائیں کاربن ڈائی آ کسائیڈ کی کثرت مقدار توازن سے کہیں زیادہ بڑھ کر فضائی آسودگی کا سبب بنتی ہے۔ اس توازن کے بگڑنے سے تمام وافر کاربن ڈائی آ کسائیڈ فضائی غلاف میں ایک دیزیت کی صورت میں جمع ہو جاتی ہے۔ یہ تہ سورج کی روشنی سے حاصل ہونے والی حرارت کو اس گیسی غلاف سے باہر نہیں نکلتی۔ اس اثر کے تحت گزشتہ کچھ سالوں سے ہمارے یہاں کے اوست درجہ حرارت میں اضافہ ہوا ہے۔ ماحولیاتی سائنس دانوں کے مطابق درجہ حرارت میں یہ اضافہ نہایت ضرر رسان اور ماحولیاتی آسودگی کا سبب بتتا ہے۔ بقول ڈاکٹر اشfaq احمد ورک:

پھیل جاتی ہے ہر طرف آسودگی
کون روکے گا بڑھ کر یہ بے ہودگی

تدارک:

ان تمام خدشات اور درختوں کے حوالے سے بطور ایک ذمہ دار شہری ہم یہ توکر سکتے ہیں کہ شاہراحت پر رواں دواں، دھواں اُگلتی گاڑیوں کو مکمل طور پر بند کر دیں اور ایسی پبلک ٹرانسپورٹ کو متعارف کرائیں جن سے دھواں نہ نکلتا ہو اور وہ ماحول کو آسودہ بھی نہ کر سکے۔ درختوں کے کٹاؤ بلکہ قتل عام پر سختی سے پابندی عائد کر دی جائے اور نئے درختوں کی کاشت میں اضافہ کر دیں کیوں کہ درخت ہی فضائی

آلوگی رونے اور آسیجن کی پیداوار میں مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔ آلوگی کو کم کرنے کے لیے خلی سطح تک لوگوں میں آگئی مہم شروع کرنی چاہیے تاکہ لوگ اس مسئلے کی سلسلی کو سمجھ سکیں اور آلوگی کو کم کرنے میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ دُور کے سفر کے لیے ریلوے کو ترجیح دی جائے کیونکہ یہ واحد ذریعہ ہے جس میں آلوگی کے پھیلنے کے امکانات کم ہوتے ہیں۔ ہر سطح کے نصابات میں ماحولیاتی آلوگی کے اسپا اور تدارک پر سابق شامل کیے جائیں۔ ماحولیاتی آلوگی کے بارے میں آگئی کو عام کیا جائے۔ اخبارات، رسائل اور جرائد میں معلوماتی فیچر لکھے جائیں جس سے لوگوں کی معلومات میں اضافہ ہو۔ ہر علاقے سے روزانہ کی بنیادوں پر کوڑا کرت اٹھانے کا اہتمام کیا جائے۔ محلہ کی سطح پر ایسی کمیٹیاں بنائی جائیں جو اپنے علاقے میں فضائی آلوگی کو پھیلنے سے بچانے کی کوشش کریں۔ وزارت ماحولیات کو اس ضمن میں انہائی متحرک اور فعال کرنے کی ضرورت ہے۔ محض زبانی جمع خرچ سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ صرف بنی نوع انسان ہی فوگ اور سموگ کے مضر اثرات سے متاثر نہیں ہو رہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی دوسری تمام مخلوقات بھی شدت سے متاثر ہو رہی ہیں۔ سمندر میں موجود آبی حیات ہو یا فضا میں موجود پرندے یا کرۂ ارض پر موجود دوسرے تمام جانور، سب اس خاموش قاتل کی گرفت میں آئے ہوئے ہیں۔ عالمی سطح پر اس کے تدارک کے لیے جو کوششیں کی جا رہی ہیں وہ ابھی کم ہیں اور ان میں معتدباً اضافہ کرنے کی ضرورت ہے۔

لاہور میں حالیہ سموگ اور فضائی آلوگی کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال نے شہریوں کی زندگی اور سخت کو کیسے متاثر کیا ہے، اس بارے میں لاہور کے رہائشوں نے بی بی سی سے گفتگو کرتے ہوئے اپنی تکلیف بیان کی ہے۔ ڈیڑھ سال کی ایک بیٹی کی پڑھی لکھی والدہ نے بی بی کو بتایا کہ ان کی بیٹی سموگ سے بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا گلا خراب، کھانی، بخار ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے منہ میں چھالے بھی لکھ آئے ہیں۔ اس وجہ سے اسے کھانے پینے میں شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ لاہور شہر میں یعنی والے لاکھوں افراد سموگ سے بری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنی کے ایک سیلز میں کاہنا ہے، کہ اس کا روزگار ایک ایسے کام سے منسلک ہے جس کی وجہ سے سارا دن گھر سے باہر رہ کر موڑ سائیکل چلانا پڑتی ہے۔ میں مختلف پاؤنٹس پر جا کر اپنی پراؤٹ کی مارکینگ کرتا ہوں اور جب دن بھر کام کر کے گھر جاتا ہوں تو فضائی آلوگی اور سموگ کے باعث میری آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور ان میں شدید جلن شروع ہو جاتی ہے۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ موڑ سائیکل چلاتے ہوئے آنکھوں میں جلن اور پانی آنے کے باعث جگہ جگہ باہنک روک کر پانی سے آنکھیں دھونا پڑتی ہیں لیکن ٹھوڑی دیر بعد پھر تکلیف شروع ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالاسطور میں جو کچھ عرض کیا گیا اس کا حصل یہ ہے کہ فضائی آلوگی سے کثافت زدہ ماحول نہایت مہلک ہوتا ہے جس کے خوفناک نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم معدنی اینڈھن کا مقابلہ تلاش کریں۔ مثلاً سمسی تو انائی، پانی اور ہوا کی تقوت سے حاصل شدہ تو انائی کا استعمال نہ صرف معافی اعتبار سے سودمند ہوگا بلکہ اس طرح فضائی آلوگی میں بھی خاطر خواہ کی واقع ہوگی۔ اس کے علاوہ فضائی آلوگی سے نجات کے لیے ضروری ہے کہ ان صنعتوں میں جو فضائی آلوگی کا زیادہ سبب بنتی ہیں، فضل گیسوں کے کیمیائی معاملجے کے لیے پلانٹ نصب کیے جائیں اور یہ کام ٹھوس بنیادوں اور حکومتی سطح پر ہو۔ اسی طرح موڑگاڑیوں کے زہر یا دھوئیں کے اثرات سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک تو سیسے سے مُبّرا اپڑوں کے استعمال کو فوتو قیمت دی جائے، دوسرے گاڑیوں کو درست حالت میں رکھا جائے اور دھواں دینے والی گاڑیوں کو قانون کی گرفت میں لیا جائے۔ درخت قدرت کا انمول عطیہ ہیں، جو فضائی میں موجود کاربن ڈائی آسیانیٹ کو جذب کر کے صحت مندا آسیجن خارج کرتے ہیں۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسی بجھوں پر، جہاں کارخانوں کی بہتات



ہے یا کثرت سے گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں، کثرت سے درخت پیدا کیے جائیں۔ علاوہ ازیں کارخانوں کی وجہ سے فضائی آسودگی سے بچانے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ کارخانے آبادی سے زیادہ سے زیادہ فاصلے پر لگائے جائیں اور کارخانوں کے ارد گرد اور آبادی کے درمیان بہت سے درخت لگائے جائیں۔ ہم بے احتیاطی سے فصلوں پر کیڑے مارا دویات کی صورت میں زہر چھپڑک کراپنی اور دوسروں کی زندگی اجیرن بنادیتے ہیں، اس بارے میں خاباطوں سے ہر گز تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔

انسان کے ارد گرد کا ماحول اس کی فطرت کی عکاسی کرتا ہے۔ صحت مند انسانوں ہی سے صحت مند معاشرے جنم لیتے ہیں جب کہ صحت کی قیمت پر کوئی بھی ترقی خوش آئندہ نہیں ہوا کرتی۔ انسان دوستی اور پائیدار معاشرے کے شفاف تصور کے لیے ہر شخص کو جہاں تک اس کی دسترس ہے، اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔ چنانچہ ہم پر لازم آتا ہے کہ ایک تو ہم ماحولیات کے بنیادی اصولوں کی پیروی کریں، دوسرے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ چہار عناصر فطرت (ہوا، پانی، ہمیٰ اور آگ) کی پاسداری اور فطرت کے مقاصد کی تغہبائی کریں۔ ہم پر یہی لازم آتا ہے کہ ہم چیزوں کو کفایت سے استعمال کریں اور تیرے فوگ اور سموگ سے بچنے کے لیے بے تحاشا درخت لگائیں اور اگر ایک درخت کاٹنا پڑے تو اس کی جگہ پانچ درخت لگائیں اور اپنی ضرورتیں اس طرح پوری کریں جن کی وجہ سے وسائل پر بوجھنے پڑے ورنہ ان کا خمیازہ بھگتنے کے لیے تیار رہیں۔ بہتری یہی ہے کہ ہم ان کی تغہبائی کریں۔



۱۲ تعلیمِ نسوال اور ملکی ترقی

”نسوال“ کا لفظ ”نساء“ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی ”عورت“ کے ہیں۔ چنانچہ تعلیمِ نسوال کے معنی ہوئے عورتوں کی تعلیم۔ علم ایک ایسی دولت ہے، جس کا ہر انسان، خواہ وہ مرد ہے یا عورت، محتاج ہے۔ علم روشنی ہے، علم نور ہے۔ کہتے ہیں: ”ہر کمالے را زوالے“ یعنی ہر کمال کو زوال ہے لیکن علم ایسی دولت ہے جس کو زوال نہیں۔ علم ایسا دوست ہے جو سفر ہو یا حضر، خلوت ہو یا جلوت ہر جگہ انسان کا ساتھ دیتا ہے۔ علم انسان کو نیکی اور بدی میں تمیز کرنا سکھاتا ہے۔ اسی لیے سرورِ کائنات ﷺ کا فرمان ہے: ”علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔“

دورِ جدید کے مہذب اور متمدن معاشرے میں تعلیمِ نسوال کی اہمیت سے انکار جا بلیت اور کم عقلی ہے۔ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پیٹے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک پہیا بھی ناکارہ ہو جائے تو زندگی کی گاڑی منزل مقصود تک نہیں پہنچ پائے گی۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ہر گھر ایک چھوٹی سی سلطنت کی مانند ہے جس میں شوہر بادشاہ اور بیوی وزیر ہوتی ہے۔ بادشاہ خواہ کتنا ہی تنظیم اور لائق کیوں نہ ہو اگر اس کا وزیر دانا نہیں تو وہ امورِ سلطنت میں بادشاہ کو صحیح مشورہ نہیں دے سکے گا۔ چنانچہ ایسی سلطنت کا روبزوال ہونا فطری امر ہے۔ اس لیے ایک مثالی معاشرے کے قیام کے لیے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم کا حاصل کرنا بھی از بس ضروری ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اقوامِ عالم میں صرف وہی تو میں سب سے آگے ہیں جن کی عورتیں حصولِ تعلیم و تربیت میں مردوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔

کسی دانا کا قول ہے کہ ماں کی گود پیچے کی پہلی درس گاہ ہے۔ پیچے جو کچھ ماں کی گود میں سیکھتا ہے، وہ اس کی آئندہ تمام زندگی پر اثر انداز رہتا ہے۔ اس لیے پیچے کی بہتر نشوونما اور تہذیب و تربیت کے لیے ماں کا تعلیم یافتہ ہونا بہت اہم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فرانس کے بادشاہ



پولین نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: ”آپ مجھے اچھی مائیں دیں، میں آپ کو بہترین قوم دوں گا۔“ پولین کے اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مہذب اور تعلیم یافتہ ماں ہی اپنی اولاد کی صحیح معنوں میں تعلیم و تربیت کر سکتی ہے۔ اس کے برعکس ایک جاہل عورت اپنی جہالت کے سبب نہ صرف قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے بلکہ اپنے بچوں کا مستقبل بھی تاریک کر دیتی ہے۔

یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ آج کے سائنس اور شینالوجی کے دور میں پاکستانی خواتین زیورِ علم سے آراستہ ہو کر زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں کارکردگی دکھار رہی ہیں۔ اس کی ایک بڑی واضح مثال ارفع کریم کی ہے جنہوں نے کم عمری ہی میں مائیکروساافت سریفینا سینڈ پروفیشنل کا اعزاز حاصل کیا اور مائیکروساافت کمپنی کے مالک بن گئیں نے بھی ان کی صلاحیتوں کا برملا اعتراف کیا لیکن افسوس کہ وہ کم عمری ہی میں اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ لاہور میں ارفع کریم ناوارنخی کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔

اس کی دوسری بڑی مثال ڈاکٹر زگار جوہر کی ہے جنہوں نے میڈیکل سائنس کے شعبے میں گراں قدر خدمات دیں اور انھیں پاکستان کی بڑی فوج میں لیفٹیننٹ جنرل کے اعلیٰ عہدے تک پہنچنے کا شرف حاصل ہوا۔

علاوہ ازیں سیاست کے خارزار میں بھی ملکی خواتین آگے بڑھ رہی ہیں۔ اس کی ایک مثال مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح[ؑ] کی اور دوسری مثال محترمہ بنے نظیر بھٹو کی ہے جو نہ صرف ”وزیرِ اعظم“ کے جلیل القدر عہدے پر متمكن رہیں بلکہ جنہوں نے پاکستانی خواتین کو علم و فضل و ہنر سے آراستہ کرنے کے لیے بھی بڑی جدوجہد کی۔ آج ملک کے مرکزی وصوبائی اداروں میں پاکستانی خواتین نے اپنی قابلیت کا لواہ منوالیا ہے۔ کوئی بینک ہو یا سرکاری و غیر سرکاری دفتر کہیں بھی خواتین کی کارکردگی مردوں سے کم نہیں ہے، خصوصاً ہسپتاں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں خواتین اپنے فرائض بطریقہ احسان انجام دے رہی ہیں۔ علامہ اقبال نے بجا طور پر کہا ہے:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوئِ دروں

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کائنات کا سارا حسن عورت کے وجود کا رہیں ملت ہے اور زندگی کا سوئِ دروں اسی ساز سے نکلتا ہے مگر یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب عورت علم و حکمت اور فہم و فراست سے آراستہ ہو۔ جدید ضروریاتِ زندگی نے عورتوں کو اس امر کا احساس دلایا ہے کہ انھیں گھر کی چار دیواری سے نکل کر دفتروں، بازاروں اور صنعت و حرفت کے مرکزوں میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہیے۔

یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ تعلیم یافتہ خواتین ہی باعڑت روگار کے حصول میں کامیاب ہو سکتی ہیں۔ عصرِ حاضر میں عورتوں کے لیے معاشرے میں ایک بہتر مقام متعین ہو چکا ہے۔ مخلوط تعلیم کے اداروں کے ساتھ ساتھ خواتین کے لیے ان گنت الگ درس گاہیں بھی بن چکی ہیں، جہاں وہ بغیر کیسی مزاحمت کے اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ موقع کی اس فراوانی سے خواتین بھر پورا استفادہ کریں تاکہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے قوم کی فلاج و بہبود میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ ہمارے یہاں طبقہ خواتین کی اکثریت تعلیم کی کمی وجہ سے تنگ نظری، تعصب، جہالت اور توہم پرستی کا شکار ہے۔ اگر ہم انھیں ان معاشرتی امراض سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں خواتین کو تعلیم کے حوالے سے انھیں ہر قسم کی سہولیات فراخ دلی سے فراہم کرنا ہوں گی۔

خواتین کو دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دین کی تعلیم بھی حاصل کرنا چاہیے تاکہ وہ آئندہ نسلوں کی ثابت خطوط پر تربیت کر سکیں۔ جن ممالک اور معاشروں نے زندگی کے تمام شعبوں میں حیران کن ترقی کی ہے، انہوں نے اپنی خواتین کی تعلیم کو اولین ترجیح دی ہے۔ افسوس کا مقام ہے



کہ ہمارے وطن عزیز پاکستان میں فی الحال اور توں کی شرح خواندگی حوصلہ افزائیں ہے۔ ہمیں بحیثیت قوم اسے اپنی اؤلین ترجیح بنانا ہوگی۔ یہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر ہم قوموں کی برادری میں ممتاز اور مؤثر مقام حاصل کر سکتے ہیں۔



عِیدَین

۱۳

عیدین کے لغوی معنی ہیں: دونوں عیدیں، یعنی عید الفطر اور عید الاضحی۔ دنیا بھر کے مسلمان سال میں دو بڑے تہوار مناتے ہیں: ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحی، اس لیے دونوں عیدوں کو ”عیدین“ بھی کہا جاتا ہے۔

اگرچہ ہر خوشی کے موقع کو بھی عید کہتے ہیں اور عید الفطر تو خوشی کا ایک بڑا موقع ہے اور مسلمانوں کے لیے ماہ رمضان کے روزے رکھنے کی خوشی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے، اس لیے عید کے حوالے سے، بہت سے محاورے زبان زد خاص و عام ہیں۔ مثلاً: عید کا چاند ہونا، عید کا چاند نکلنا، عید کرنا، عیدی منا، عیدی آنا، عیدی جانا، عید کے پیچھے ٹرومنانا وغیرہ۔

عید الفطر جسے میٹھی عید یا سویوں والی عید بھی کہا جاتا ہے، یک مشوال کا چاند لیکھ کر منائی جاتی ہے۔ عید الفطر کے موقع پر عید نماز سے بہر صورت پہلے غریبوں اور محتاجوں کو ایک خاص صدقہ دیا جاتا ہے جسے فطرانہ کہتے ہیں۔ اسی نسبت سے عید کا نام عید الفطر ہے۔ فطرانہ ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ دراصل فطرانہ غریبوں اور مسکینوں کی مدد ہے اور وہ عید سے قبل اس لیے ادا کیا جاتا ہے تاکہ یہ لوگ بھی عید کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں۔

بڑھے ہوں یا جوان، علماء ہوں یا فقرا، بچیاں ہوں یا عورتیں، عید کے موقع پر سبھی خوش و خرم نظر آتے ہیں۔ کوئی مصافحہ تو کوئی معافانہ کر کے خوش نظر آتا ہے۔ بڑھے اس لیے خوش ہیں کہ ان کو اپنی زندگی میں ایک اور رمضان کے روزے رکھنا نصیب ہوئے اور انہوں نے پورے روزے رکھے اور عبادت و ریاضت سے خوب ثواب کمایا۔ علماء اور فقراء اس لیے خوش ہیں کہ انہوں نے تراویح پڑھیں، اعتکاف میں بیٹھے اور ان کے شاگردوں اور مریدوں میں ان کا تقدير اور بڑھا۔ جوان اس لیے خوش ہیں کہ خدا خدا کر کے روزوں کے دن ختم ہوئے، اب رات دن جو چاہو کھاؤ بیو، چین سے رہو:

ماہِ رمضان گزشت و عید آمد

پچھے اور بچیاں اس لیے خوش ہیں کہ سکول سے چھٹی ہے، عیدی ملے گی، کھلونے خریدیں گے، جھولے لیں گے، اچھلیں گے، کو دین گے، سویاں اور طرح طرح کے پکوان کھائیں گے۔

مسلمانوں کی دوسری عید، عید الاضحی ہے۔ عید الاضحی ہر سال ماہ ذی الحجه کی دس تاریخ کو منائی جاتی ہے۔ عید الاضحی کی نماز بھی عید الفطر کی طرح نماز فجر کے بعد صبح صبح ادا کی جاتی ہے اور نماز کی ادائیگی کے بعد صاحب حیثیت لوگ جانور دبح کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کے واقعے کی یادتازہ کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تتمیل کرتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لیے لے گئے۔



الله تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت و فرماں برداری بے حد پسند آئی چنان چہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گلے پر چھری رکھی، اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک دُنیا لے آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ دُنیا ذبح کرنے کا حکم ہوا اور آپ نے اسے ذبح کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کی۔ علام اقبال نے اسی پس منظر میں کیا خوب کہا ہے:

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

قربانی کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اللہ تعالیٰ تو محاری قربانی کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا، پہنچتا ہے تو صرف تقویٰ۔“ (سرہ الحج، آیت ۲۷) قربانی کے ثواب کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدالے میں ایک نیکی ہے۔“ لیکن یہ نیکی تب ہی ملتی ہے جب قربانی پتھر دل سے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کی جائے۔ قربانی کے گوشت میں سے کچھ حصہ نکال کر غریبوں اور مفسوں تک پہنچانا ایک نیک عمل ہے۔ ایسا کرنے سے وہ لوگ بھی، جو قربانی کی اہلیت نہیں رکھتے، ہمارے ساتھ خوشیوں میں شریک ہو جاتے ہیں۔

عیدین کی نماز پڑھنے کا ایک خاص طریقہ ہے، وہ یہ کہ: عید کی نماز میں دور کعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس کے بعد خطبہ ہوتا ہے۔ عید کی نماز کی پہلی رکعت میں ثنا کے بعد تین تکبیریں اور دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے تین تکبیریں کہی جاتی ہیں یعنی عید کی نماز میں باقی نمازوں سے چھتے تکبیریں زائد ہوتی ہیں۔ عید کی نماز عید گاہ میں اجتماعی طور پر ادا کی جاتی ہے۔ نماز عید کے بعد تمام مسلمان ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے اور گلے ملتے ہیں۔

عیدین کے لیے کچھ خاص سننیں ہیں۔ پتوں پر لازم آتا ہے کہ انھیں ہمیشہ یاد رکھیں:

● نبی کریم ﷺ عید کی نماز ہمیشہ عید گاہ میں ادا فرماتے۔

● عید کے روز غسل فرماتے، مسوک کرتے، اچھا الباس زیپ تن فرماتے اور خوشبو لگاتے۔

● نماز عید کی ادائیگی کے لیے پیدل جاتے اور عید گاہ جاتے ہوئے ایک راستہ اپناتے اور واپسی کے لیے دوسرا راستہ اختیار کرتے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے ملاقات کر سکیں۔

● عید الفطر کی نماز سے پہلے فطرانہ ادا کردیتے اور عید الاضحیٰ کی نماز کے فوراً بعد قربانی کرتے۔

● عید الفطر کی نماز کے لیے جاتے ہوئے آہستہ آہستہ آواز میں اور عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے جاتے ہو بلند آواز میں تکبیر پڑھتے:

اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَلَلَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ

● عید الفطر کی نماز سے پہلے گھر سے جاتے وقت کوئی میٹھی چیز تاول فرماتے۔

وہیں اسلام کی یہ دونوں عیدیں مسلمانوں کو خوشی کے اظہار کا موقع دیتی ہیں اور ایک ہی معاشرے میں رہنے والوں کی مدد اور خبرگیری کا ذریعہ بنتی ہیں۔ بالآخر یہ عیدیں ہم سے ایک سال کے لیے بچھر جاتی ہیں اور لوگ اگلے سال کی عیدوں کے انتظار میں بڑی حسرت سے لگ جاتے ہیں تاکہ ان کی لذت کام و دہن کا پھر سے خاطرخواہ انتظام ہو۔

انگریزی میں لائبریری اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کتابوں، رسالوں، اخباروں اور پڑھنے کے لیے اسی نوعیت کا قدیم و جدید مواد یکجا رکھا جاتا ہے۔ اردو اور فارسی میں اس کے لیے ”كتب خانہ“ اور عربی میں ”دارالكتب“ کے الفاظ آتے ہیں۔ طلبہ اور اساتذہ کے لیے تقریباً ہر اچھے تعلیمی ادارے میں مختلف مضامین کی کتابوں کا ایسا ذخیرہ موجود ہوتا ہے جہاں طلبہ اور اساتذہ لائبریری پر یہاں اپنے فارغ اوقات میں جاتے ہیں اور وہیں بیٹھے بیٹھے کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے لائبریری میں ایک آدھ ایسا گوشہ ہوتا ہے، جہاں وہ سکون سے پڑھ سکتے ہیں اور کوئی ان کے مطالعے میں حارج نہیں ہوتا، اسے ریڈنگ روم یا دارالمطالعہ کہتے ہیں۔ بعض طلبہ یا اساتذہ کو اپنی مطلوبہ کتاب زیادہ وقت کے لیے درکار ہوتی ہے تو وہ اسے لائبریری کلک سے اپنے نام پر چند دنوں کے لیے ایشکرو والیتے ہیں اور مقررہ دنوں کے بعد لائبریری کو بحفاظت تمام واپس کر دیتے ہیں۔ اس طرح یہ سلسہ جاری رہتا ہے۔

کوئی بھی زندہ معاشرہ لائبریری کی ضرورت سے انکار نہیں کر سکتا۔ ترقی یافتہ معاشروں کے افراد اپنی ذاتی لائبریری کا بھی انتظام کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ سے وسعت دیتے چلے جاتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں اب موبائل لائبریریوں کا رواج عام ہو رہا ہے اور موبائل لائبریریوں کے ذریعے سے فروعِ مطالعہ عمدگی کے ساتھ انجام دیا جاسکتا ہے۔

لائبریری سکول سطح کی ہو، کالج یا یونیورسٹی سطح کی ہو یا جزل لائبریری ہو۔ لائبریری میں چھوٹے بڑے سمجھی قسم کے لوگ آتے ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ لائبریری میں ہر موضوع کی صرف مستند اور معتمد کتابوں ہی کا اضافہ کیا جائے۔ اچھی کتاب کا مطالعہ ہی دراصل زندہ مطالعہ ہوتا ہے جو دل کو توانائی بھم پہنچاتا ہے مگر غیر معیاری کتاب کا مطالعہ دل کو مردہ کرتا ہے، اس لیے کتابوں کے انتخاب میں چھان پھٹک کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ نئی نسلوں تک تازہ افکار کی ترسیل ہو سکے۔

بارود کے بد لے ہاتھوں میں آجائے کتاب تو اچھا ہو

اے کاش! ہماری آنکھوں کا اکیسوال خواب تو سچا ہو

اقوامِ عالم کی تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ قوموں کی برادری اور رہنمائی کا فریضہ فقط وہ قوم ادا کر سکتی ہے جس کے افراد میں مطالعہ کتب کی عادت پختہ ہو چکی ہو۔ کسی شخص کو یہ معلوم کرنا ہو کہ فلاں تعلیمی ادارہ کس سطح کا ہے تو وہ وہاں کی لائبریری دیکھ لے۔ ایک عمدہ لائبریری ہی کسی تعلیمی ادارے کے معیار کی کسوٹی ہوتی ہے۔ لائبریری میں کم و بیش ہر مضمون کی کتابیں موجود ہوتی ہیں، جنہیں لائبریری کے ارباب اختیار شعبدہ وار خاص ترتیب سے رکھتے ہیں۔ منظم طریقے سے کتابیں رکھنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ مطلوبہ کتاب کی تلاش میں بڑی سہولت رہتی ہے۔ کتابوں کو ترتیب و تنظیم سے رکھنا ایک باقاعدہ علم ہے جسے ”لائبریری سائنس“ کہا جاتا ہے۔ طلبہ یا اساتذہ کشاں کشاں لائبریری میں آتے ہیں، اپنے ذوق کے مطابق کتاب مستعار لیتے ہیں اور اپنے علم کی پیاس بجھاتے ہیں۔ بعض طلبہ یا اساتذہ اپنے خاص مضمون کے علاوہ اپنے علم میں اضافے کے ممکنی ہوتے ہیں، مثلاً کسی کو شعرو ادب کا ذوق ہے، کوئی افسانے یا ناول پڑھنا پسند کرتا ہے، بعض تاریخی کتابیں پڑھنا چاہتے ہیں، کچھ ایک کو جغرافیائی یا سائنسی معلومات بڑھانے کی دھن ہوتی ہے، جب کہ بعض دینی ذوق کے حامل اشخاص کو اپنی شخصیت میں نکھار کے لیے مذہب کے بارے میں معلومات درکار ہوتی ہیں۔ لائبریری میں ان سب کی تشفی کا و فر سامان موجود ہوتا ہے

، جہاں وہ ”فکرِ ہر کس بقدرِ بہتِ اوسٹ“ کے مصدق اپنی تشقی دو کر سکتے ہیں۔ سابق امریکی صدر ابراہم لٹن کہا کرتے تھے: ”میرا سب سے بہترین دوست وہ ہے جو مجھے وہ کتاب تحفہ دے جو میں نے پہلے نہ پڑھی ہو۔“

دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر طلبہ لاہوری سے دوسروں کی دیکھادیکھی یا اپنے ساتھیوں پر علمیت کارع بٹھانے کے لیے کتابیں تو اپنے نام ایشوکروا لیتے ہیں مگر کتاب کا پوری توجہ سے مطالعہ نہیں کرتے اور نہ کتاب سے استفادہ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسے طلبہ پڑھائی میں دوسرے طلبہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ کچھ طلبہ لاہوری کی کتاب کو حفاظت سے نہیں رکھتے، یا تو کتاب کے ورق پھاڑ دیتے ہیں یا پھر کتاب پر جا بجانشان لگا دیتے ہیں، جس سے کتاب کا حلیہ بگڑ جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں بے ذوقی ظاہر ہوتی ہے۔ ظاہر ہے ایسے طلبہ طالب علم نہیں ہوتے بلکہ انھیں ”علم چور“ کہنا چاہیے جو طلبہ کے لبادے میں تعلیمی اداروں میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ہونہار طلبہ لاہوری سے بڑے قرینے اور سلیقے سے پورا پورا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اگر ان کی طلب صادق ہے تو وہ اس خصمن میں اپنے اساتذہ کرام اور سینئر طلبہ سے بھی مشورہ لیتے رہتے ہیں۔ جو طالب علم کتابیں خریدنے کی سکت نہیں رکھتے، ان کے لیے لاہوری ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اپنے کورس پر عبور حاصل کرنا تو ہر ادارے کے تمام طلبہ کا مقصد ہوتا ہی ہے، اس کے علاوہ اکثر طلبہ بوجوہ اپنے مطالعے میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں، چنان چوہ لاہوری کا رخ کرتے ہیں۔ لاہوری میں مخطوطات یا کچھ قیمتی کتابیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں ایشونیں کرایا جاسکتا، ایسی کتابوں سے بھر پور فائدہ اٹھانے کی بہتر صورت یہ ہے کہ طلبہ یک سوئی کے ساتھ مطالعہ کریں اور زیر مطالعہ کتاب میں سے ضروری نکات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں یا انھیں نوٹ کرتے جائیں تاکہ وہ اپنی ذات اور اپنی تعلیم کے ساتھ انصاف کر سکیں۔ ہر اچھی لاہوری میں تازہ ترین اخبارات اور متنوع عقیم کے رسائل و جرائد بھی آتے ہیں، باشور طلبہ ان سے بھی بقدرِ ظرف فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

کتاب ہماری تہائی اور تجھے کا سب سے قابل اعتماد ساختی ہے۔ یہ ہماری بوریت آمیز تہائی کو معطٰ تہائی میں تبدیل کر دیتی ہے۔ ایکسیں صدی میں کوئی ملک اور کوئی معاشرہ لاہوری کی ضرورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اس بات کا شعور حاصل ہونا چاہیے کہ دنیا میں صرف وہی اقوام سرفراز اور سرپلند ہوتی ہیں جنھیں لاہوری کے قیام میں وچھپی ہوتی ہے۔ کتاب کے حوالے سے کسی شاعرنے کیا خوب کہا ہے:

ایک کتاب سرہانے رکھ دی، ایک چراغ ستارا کیا
مالک! اس تہائی میں، ٹو نے کتنا خیال ہمارا کیا



گداگری

۱۵

(اسلام میں گداگری کی مذمت)

کسی سے کچھ مانگنا یعنی بھیک مانگنا یاد سے سوال دراز کرنا ”گداگری“ کہلاتا ہے۔ آج کل ہمارے معاشرے میں اس فتح رسم کو بڑی تیزی کے ساتھ فروغ مل رہا ہے۔ اس برائی کو ختم کرنے کے لیے جتنی زیادہ کوشش کرنی چاہیے تھی، اس کے عکس اس کو پھیلانے کے لیے اتنا ہی تیزی سے عمل کیا جا رہا ہے۔ گداگری مہذب معاشرے میں ایک لعنت سے کم نہیں ہے اور گداگری مہذب ملکوں میں رسوائی اور ذلت کی علامت سمجھی جاتی ہے اور مہذب ملکوں میں اس برائی کو برآجھلا کہا جاتا ہے اور اس کی روک خام کے لیے مناسب اقدام اٹھائے جاتے ہیں۔

گداگروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: پہلی قسم تو ان لوگوں کی ہے جو کسی مجبوری یا حالات کی ستم ظریفی سے تنگ آ کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو تن آسانی کے عادی ہوتے ہیں۔ محنت اور مشقت کرنے کو ان کا دل نہیں کرتا بلکہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلا کر مانگتے ہیں اور اسی کو اپنا باقاعدہ پیشہ بنایتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں اب تو گداگری ایک باقاعدہ اندھیری کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ مختلف لوگوں نے معدود اور اپنے لئے لوگوں کے گروہ بنارکے ہیں۔ یہ لوگ ان معدود لوگوں کو صحن سوریے ایسے مقامات پر بٹھا جاتے ہیں جہاں لوگوں کی بہت زیادہ ریل پیل اور ہجوم ہوتا ہے۔ یہ معدود افراد مختلف قسم کی آوازیں کستے اور راہ گیروں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ یہ معدود افراد بھیک مانگنے اور صد الگانے کے حوالے سے بھی نفسیاتی طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔ راہ جاتے ہوئے لوگوں کو دیکھ لیتے ہیں کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ اگر کوئی نوجوان کتابیں اٹھا کر جارہا ہو تو اس کو دعا دیں گے کہ اللہ تھے بہتر نوکری دے۔ ایسے ہی اگر کوئی نو بیا ہتا جوڑا چلا جا رہا ہو تو دعا کیں دیں گے اللہ جوڑی سلامت رکھے۔ اس طرح راہ چلتے ہوئے کے دل میں خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کی ضرور مد کرنی چاہیے کہ اس نے مجھے موقع کی مناسبت سے دعا دی ہے۔

نبی پاک ﷺ نے گداگری کی شدید الفاظ میں مذممت کی ہے۔ آپ ﷺ کافرمان ہے: ”اے مسلمانو! اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ احکام الٰہی بجا لاؤ اور لوگوں سے کچھ نہ مانو۔“

آپ ﷺ نے ایک مقام پر مزید ارشاد فرمایا: ”جو شخص بھیک مانگتا ہے۔ قیامت کے روز اس کے چہرے پر سیاہ داغ ہو گا جس سے وہ بیچانا جائے گا۔“ اس حدیث پاک میں آپ ﷺ نے نہایت ہی سخت الفاظ میں بھیک مانگنے کی مذممت کی ہے۔ آپ ﷺ کے صحابہ کرام سوال کرنے کے معااملے میں اتنے محتاط تھے کہ اگر سوراری کی حالت میں کسی کے ہاتھ سے چاہک گر جاتا تو بھی ساتھی سے نہیں کہتے تھے کہ مجھے چاہک پکڑا دو۔ خود سوراری سے نیچے اترتے اور چاہک اٹھاتے کہ کہیں یہ بھی سوال کرنے کے ذمے میں داخل نہ ہوا اور آپ ﷺ نے کسی سے کچھ مانگنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”ہم میں جو شخص اپنی رسی لے کر پہاڑ پر جائے اور وہاں سے لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر اپنی پشت پر لائے اور اس کو فروخت کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی حاجت رفع کرے۔ یہ اس کے حق میں بہتر ہے بہت اس کے کہ وہ لوگوں سے بھیک مانگنے اور وہ اس کو کچھ دیں یاد رکار دیں۔“

اگرچہ اسلام میں گداگری کی بہت زیادہ مذممت کی گئی ہے اور بھیک مانگنے والوں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، مگر اسلام نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ غریب اور نقرہ کی مدد کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے لوگوں کی بابت کہا ہے: ”یہ لوگ دوسرے لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے،“ اصل میں ایسے ہی لوگ ہماری امداد کے مستحق ہوتے ہیں، جو دوسروں کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے اور نہ ہی اپنی زبان سے لوگوں کے سامنے اپنے حالات بیان کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو تلاش کریں اور ان تک ان کا حق پہنچائیں کیونکہ اسلام نے زکوٰۃ فرض ہی اس لیے کی ہے کہ معاشرے سے گداگری کی لعنت کا خاتمہ کیا جائے۔

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ کوئی شخص کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے اور اس کی عزت نفس محروم ہو۔ اسلام تو ہر شخص کی تو قیر چاہتا ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب صدقہ کرنے لگا تو دوسرے ہاتھ کو اس کی خبر نہ ہو۔

ایک اخباری سروے کے مطابق پاکستان میں بہت سے بھکاری نشیات کے عادی ہیں۔ ایسے حضرات کے پاس جب نشہ کرنے کے لیے روپیا پیسا ختم ہو جاتا ہے تو یہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانا شروع کر دیتے ہیں، ایسے لوگوں کا علاج معالجہ کرا کے انھیں معاشرے کا مہد بفرد بنایا جاسکتا ہے۔

گداگری کو معاشرے میں سے ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حکومت وقت اس حوالے سے مناسب اقدامات کرے۔ حکومت کو چاہیے کہ زکوٰۃ کے نظام کو بہتر کرے اور زکوٰۃ کا مصرف درست مقامات پر کیا جائے۔ حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ غریب لوگوں کی امداد کے لیے ایسے اداروں کی تشكیل کریں جو غریب لوگوں کو بلا سود قرضہ دیں تاکہ لوگ آسانی سے اپنی روٹی کامسکیں۔ اگر کوئی نوجوان اور تندرست شخص بھیک مانگتا ہے تو بھیک دینے سے بہتر ہے کہ اس کے لیے کسی ملازمت کا بندوبست کر دیا جائے تاکہ وہ محنت مزدوری کرے اور اپنا اور اپنے گھروالوں کا پیٹ پال سکے۔

ایک سروے میں یہ بات بھی کھل کر سامنے آئی ہے کہ پاکستان میں بہت سے بھکاری ایسے ہیں جو کروڑوں روپے کی جا گیروں کے مالک ہیں، مگر اپنی عادت سے مجبور اور تن آسانی کی وجہ سے محنت مشقت کرنے سے گھبراتے ہیں۔ اگر ہم اپنے روپے پیسے کا صحیح استعمال کریں تو اس گروہ کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل تدابیر کو بروئے کار لارک گداگری جیسے کروہ پیشے کا انسداد کیا جاسکتا ہے:

- ہمیں یہ عہد کر لینا چاہیے کہ کسی غیر مستحق کو کسی صورت میں بھی امداد نہیں دی جائے گی۔ خود بھی اس پر عمل کیا جائے اور دوسروں کو بھی اس بات پر عمل کرنے کی تلقین کی جائے۔

- علماء اور واعظین کا فرض ہے کہ وہ اپنی تقاریر میں اور وعظ کی مجلسوں میں لوگوں کو آزادی اور بے باکی کے ساتھ اس ذلت آمیز پیشے سے ڈور رہنے کی تلقین کریں۔

- سید ہی ساری عورتوں کو جو ہر فقیر کی آواز کو غیب کی آواز سمجھتی ہیں، انھیں صدقات وغیرہ دینے سے باز رکھا جائے۔

- اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے سے کام کرنے کی عظمت اور گداگری کی مذمت بیان کی جائے۔

- گداگروں کو محنت اور کام کرنے کے موقع فراہم کیے جائیں۔

گداگری ہر حوالے سے ہمارے معاشرے کے لیے ایک بد نماداغ ہے۔ ملکی ترقی افراد کی بلند ہنی سطح پر منحصر ہوتی ہے۔ ایک بھی ما نگنے والے کی سوچ غلام کی سوچ سے بھی بدتر ہے۔

مگر ہمہ ایت افسوس کی بات ہے کہ اس زمانے میں ہر ایک جگہ جس قدر مسلمان بھیک مانگتے نظر آتے ہیں، اس قدر کسی اور قوم کے افراد نظر نہیں آتے۔ کاش مسلمان غیرت کو کام میں لا سکیں اور یہ لوگ اس سرم فتح سے باز آسکیں کیونکہ بقول علامہ اقبال:

غیرت ہے بڑی چیز جہاں تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاج سر دارا



فرمانِ الٰہی ہے: سَيِّرُوا فِي الْأَرْضِ لِيَعْتَمِنَ اس زمین پر گھومو پھرو۔ زمین پر گھونمنے پھرنے کا دوسرا نام سیر و سیاحت ہے اور سیر و سیاحت بلاشبہ تفریح بھی ہے اور عمده تعلیم کا ذریعہ بھی۔ آدمی گھر سے نکلتا ہے تو اس کے علم میں طرح طرح سے اضافہ ہوتا ہے۔ وہ قسم کے لوگوں سے ملتا ہے۔ اسے اشیا اور جگہوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس کی نظروں میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: أَطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّينِ یعنی "علم حاصل کرو خواہ تمھیں چین جانا پڑے۔" آپ ﷺ نے یہ ارشاد اس لینبیں فرمایا تھا کہ اس زمانے میں چین میں علم و حکمت کے دریا بہتے تھے اور چار دنگ عالم سے تشکیل علم وہاں آ کر علم کی تشقیقی دوڑ کرتے تھے بلکہ فرمان نبوی ﷺ کا مفہوم یہ تھا کہ چین عرب سے بزرگوار میل دور تھا اور چین تک کے سفر کی تاب لانا بڑا محال تھا۔ اس سفر میں وسیع سمندری فاصلے طے کرنے کے بعد دشوار گزار پہاڑ بھی آتے تھے، جنگل ویرانے بھی، لق و دق صحراء بھی اور دریا بھی اور ندی نالے بھی، پھر تیز و تند موسم کی سختیاں برداشت کرنا اس کے علاوہ تھا۔ دوسرے رسالت ﷺ میں اکیلے دو کیلے شخص کا عازم سفر ہونا بھی بعید از قیاس تھا، بلکہ لوگ کاروں درکاروں ایک ملک سے دوسرے ملک کو جاتے تھے اور اثنائے سفر میں مشکلوں کا پیش آنا لازمی امر تھا، جس کی تاب لانا جوئے شیر لانے کے متراوف تھا، چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان اسی پس منظر میں ہے کہ راستے کی صعوبتوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سیر و سیاحت اور علم و فن کے حصول کی افادیت عربوں کے ذہن نشین ہو جائے۔

مَثَلُ مَشْهُورٍ ہے: "پائے گدالنگ نیست، ملکِ خدا تنگ نیست"، مفہوم یہ ہے کہ انسان ہمت کرے تو جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ اللہ کی سرزی میں بہت وسیع ہے۔ دنیا میں پانچ بحر اعظم اور سات بڑے اعظم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سیر و سیاحت کی جبلت کم یا زیادہ ہر شخص کو دی ہے، چنانچہ کچھ لوگوں کو تو بوجوہ گھروں سے نکلنا محال ہوتا ہے مگر کچھ لوگ اپنے سمندروں کو نہیں روک سکتے اور وہ سفر کا سامان تیار کر کے گھروں سے شہروں شہروں اور ملکوں ملکوں گھونمنے پھرنے کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں جن میں سے شاید راقم الحروف بھی ایک ہے۔ زیادہ تر سیاح تو سفر مgesch اس لیے کرتے ہیں کہ:

اب اپنا بھی میر سا عالم ہے ملک دیکھ لیا ، دل شاد کیا

مگر کچھ لوگ سیر و سیاحت بڑے اہتمام سے کرتے ہیں، کچھ "سفر و سیلے ظفر" بنانے کے لیے گھروں سے نکلتے ہیں جب کہ کچھ سیاح دنیا سے کچھ سکھنے اور سکھانے کا جذبہ فراواں لے کر دنیا کے دُور دراز گوشوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ انھیں ہر خطہ زمین کا محض سفر ہی مرغوب خاطر نہیں ہوتا بلکہ وہ وہاں کی تہذیب و تمدن اور معاشرت و معیشت کا بھی غائر مطالعہ کرتے اور اپنے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں سفر نامے بھی لکھ جاتے ہیں۔ اس حوالے سے قدیم سفر نامہ نگاروں میں الیرونی، این بطور، مارکو پولو، کلمبیس، واسکو ڈی گاما اور ناصر الدین شاہ قاچار کے نام خاصے نمایاں ہیں۔

جن لوگوں نے برضاء رغبت اور ذوق و شوق کے ساتھ سفر اختیار کیے وہ ظفر اور فتح مندی سے ضرور بہرہ مند ہوئے۔ آج سائنس اور ٹکنالوجی کا دور ہے۔ اس زمانے میں سیر و سیاحت بہت آسان ہے۔ کچھ ملکوں نے تو سیر و سیاحت (Tourism) کو باقاعدہ صنعت کا درجہ دے

رکھا ہے اور سیر و سیاحت کو آسان اور پر کشش بنادیا ہے، جہاں لوگ جو حق در جو حق جاتے ہیں۔ ان ملکوں میں برطانیہ، فرانس، جرمنی، سویٹزر لینڈ، پسیلن، امریکا، آسٹریلیا، چین، جاپان، انڈیا، مصر، سعودی عرب، ترکی، یونان، شام اور ملا بیشیا زیادہ اہم ہیں۔ قدرت نے پاکستان کی سر زمین کو بڑی نعمتوں سے نوازا ہے۔ یہاں گرم پانیوں کا آٹھ سو کلو میٹر طویل ساحل ہے، جس میں سمندری مخلوق کی کثرت ہے، یہاں سر بفک پہاڑوں کے سلسلے ہیں اور دنیا کی گیارہ بلند ترین اور برف پوش چوٹیوں میں سے سات چوٹیاں، جن میں کٹو، نانگا پربت اور راکا پوشی شامل ہیں، پاکستان میں ہیں۔ صحت افزام مقامات اور ایسی سر بزو و شاداب اور گل پوش وادیاں ہیں کہ:

ز فرق تا قدمش ہر گنج کہ من نگرم
کرشمہ دامن دل می گشد کہ جا ایجا ست

یعنی کسی منظر پر نگاہ جا پڑے تو وہاں سے اٹھنے کا نام نہیں لیتی۔ پاکستان میں ایسے میٹھے اور رسیلے پھل ہیں جو دنیا کے کسی اور ملک میں پیدا نہیں ہوتے علاوہ ازیں بڑی اہمیت کی حامل تاریخی جگہیں ہیں مگر افسوس کا مقام ہے کہ پاکستان میں سیر و سیاحت (ٹورازم) کو ابھی تک صنعت کا درجہ نہیں دیا گیا حالانکہ یہ وقت کی اشد ضرورت ہے اور اس صنعت سے خاطر خواہ زرِ مبادلہ بھی کمایا جاسکتا ہے۔



سیلا ب

۱۷

دنیا میں انسان پر بے شمار آفات اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ ہر مصیبت ایک سے بڑھ کر ایک ہوتی ہے۔ جن میں ایک سیلا ب ہے۔ سیلا ب کیا ہے؟ سیلا ب، ”سیل آب“ کا مرگب ہے یعنی ”پانی کا طوفان“۔ سیلا ب ایک ایسی بلا ہے جس کی تباہ کاری کے ہاتھوں انسانیت سکنے لگتی ہے۔ بعض دفعہ بارشوں کی وجہ سے دریاؤں اور ندی نالوں میں پانی کی سطح اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ پانی کناروں سے باہر نکل کر دور دور تک پھیل جاتا ہے۔ پانی کے اس تیز ریل کو جو کناروں سے باہر نکلتا ہے ”سیلا ب“ کہتے ہیں۔

پانی دنیا کے چار عناصر میں سے ایک ہے جس پر قابو پانا انسان کے بس کی بات نہیں۔ بے قابو پانی سے سب پناہ مانگتے ہیں۔ انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات سے بغاوت کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے پانی ہی سے کام لیا۔ ”طوفان نو“، اسی کا نام تھا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون اور اصول ہے کہ وہ انسانوں کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے تاکہ وہ یہ دیکھے کہ کون اس کا شکر گزار بندہ ہے اور کون اس کی ناشکری کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

”ہم تمھیں کچھ خوف، بھوک، مالوں کی کمی، جانوں اور پھلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے اور صابروں کو خوب خبری دے دو۔“ (البقرہ، آیت: ۱۵۵)

سیلا ب عام طور پر برسات کے موسم میں آتے ہیں کیونکہ اس موسم میں باشین مسلسل اور لگاتار ہوتی ہیں۔ ندی نالے بھر جاتے ہیں، سڑکوں اور گلیوں میں پانی اُبل پڑتا ہے۔ دریا اپنی حدود کو بڑھا لیتے ہیں۔ مسلسل بارشوں سے پہاڑوں پر جبی برف پگھل کر دریا کے پانی میں شدّت، زور اور بے پناہ و سعثت پیدا کر دیتی ہے جس کی وجہ سے دریا کا پانی کناروں کی حدود سے باہر نکل کر ارددگرد کے علاقوں تک پہنچنا شروع ہو جاتا ہے۔ دریا کے پانی میں اتنی تیزی ہوتی ہے کہ اس کے راستے کی ہر رکاوٹ تنکے کی طرح اچھل کر ملیا میٹ اور برباد ہو جاتی ہے۔ لوگ بے چارے سیلا ب کے آثار دیکھ کر اپنی جانیں بچانے کے لیے دور کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن کئی افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی بھی

حالت میں مکانوں کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ نتیجے کے طور پر سیالب کا پانی موت بن کر انھیں دنیا چھوڑنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ شاید اسی پس منظر میں فراز نے کہا ہے:

ان بارشوں سے دوستی اچھی نہیں فراز
کچھ تیرا مکان ہے، کچھ تو خیال کر

سیالب لوگوں سے سرچھانے کا آسرا چھین لیتا ہے۔ ان کو گھروں سے دُوراً میں جگہ جانے پر مجبور کر دیتا ہے جہاں نہ کھانے پینے کی دستیابی ممکن ہے اور نہ سونے کے لیے بستر۔ اس افراتقری کے عالم میں بے شمار لوگ سیالب کی پُر شور اور ہیبت ناک موجود کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ سیالب سے اور بھی بہت سے نقصانات ہوتے ہیں۔ مثلاً درخت جڑوں سے اکھڑ جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ تیز پانی اپنے ساتھ رخیز مٹی کو بہا کر لے جاتا ہے اور کہیں وہ سری جگہ جا کر ڈھیر کر دیتا ہے۔ پودوں کی جڑوں کو کمزور کر دیتا ہے۔ فصلوں کو تباہ و بر باد کر دیتا ہے۔ بہت سے دیہات اور تسبیح شدید سیالب کے باعث صفحہ ہستی سے مت جاتے ہیں۔ ذراائع مواصلات اور بھلی کا نظام بھی تھس نہس ہو کر رہ جاتا ہے۔ زمین کا ایک بڑا حصہ کٹاؤ کا شکار ہو جاتا ہے اور یوں بہت ساز رخیز اور زرعی علاقہ دریا بُرد ہو جاتا ہے۔ زمین کے کٹاؤ کے عمل سے دریا اپنارخ بھی بدل لیتے ہیں۔

مصادب کا یہ سلسلہ انھی باتوں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ تیز و تند سیالب کی وجہ سے بر بادی ہی بر بادی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان حفاظتی تداریکوں اختیار کیا جائے جن کی مدد سے ہم مستقل طور پر اس بڑے نقصان سے بچ سکیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دریاؤں اور نہروں کی باقاعدہ صفائی کریں تاکہ فالتوٹی نکلنے کے بعد ان میں زیادہ پانی کے لیے گنجائش پیدا ہو۔ ملک میں نئے ڈیم بنائے جائیں تاکہ اس فالتوپانی کو جمع کر لیا جائے اور خشک موسم میں آپاشی کے لیے استعمال کیا جائے۔ لوگوں کو اس مسئلے کے متعلق شعور فراہم کرنا ضروری ہے تاکہ بہت سی قیمتی جانیں بچ سکیں۔ سیالب آنے کی صورت میں فوراً سہی باب کی کوششیں کرنی چاہیں۔ لوگوں کی زندگیاں اور ان کی جائیدادیں بروقت امداد سے بچائی جاسکتی ہیں۔ حکومت کے ارباب اختیار کو فوراً مตاثرہ لوگوں تک پہنچانا چاہیے۔ ان لوگوں تک ضروریات زندگی اور اشیائے خور دو نوش پہنچائی جائیں کیونکہ ایک متأثرہ خاندان کو سنبھلنے کے لیے کافی سال درکار ہوتے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستان کو بھی کئی بار سیالب کی تباہ کاریوں کا سامنا کرنا پڑا جن کی وجہ سے پاکستان کی معیشت کو بڑا نقصان پہنچا اور ہزاروں لاکھوں آدمی سیالبوں کی وجہ سے بر باد ہوئے۔ مثلاً ۱۹۵۰ء میں دریائے راوی اور چناب میں بڑا سیالب آیا۔ ۱۹۵۸ء میں جہلم اور چناب میں زبردست طغیانی آئی۔ ۱۹۷۳ء کا سیالب شدید تھا جس کی وجہ سے بہت سامالی اور جانی نقصان ہوا۔ دریائے جہلم اور چناب میں ۱۹۹۲ء میں جو سیالب آیا اس نے تباہی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔ اس سیالب میں اربوں روپے کی فصلیں تباہ ہوئیں اور تقریباً ۳۲ لاکھ لوگ سیالب سے بری طرح متأثر ہوئے۔ پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا سیالب ۲۰۲۲ء میں آیا جب خیر پختونخوا، جنوبی پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے بہت سے علاقوں کو تباہی و بر بادی کا جس طرح سامنا کرنا پڑا، ان کے حالات و واقعات بیان کرنے کے لیے ایک علیحدہ دفتر درکار ہے۔ کیا ان ہلاکت خیز سیالبوں سے بچاؤ ممکن ہے؟ کیا سیالب کی طوفانی موجود کا کچھ علاج ہے؟

ہر چند ان باتوں کا جواب نفی میں ہے مگر انسانی تداریک سے ان کی شدت کو کسی نہ کسی حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ تمام دریاؤں کی پہاڑی یا نیم پہاڑی گزر گا ہوں پر تربیلا اور منگلا جیسے بڑے بڑے ڈیم بنائے جائیں اور جیسے منہز و رگھوڑے کو لگام دی جاتی ہے

ویسے ہی ان کے پانی کو روک لیا جائے اور اسی پانی سے سیالب کے بعد آنے والے دنوں میں زمینوں کو سیراب کیا جائے۔

علاوہ ازیں دریاؤں کے کنارے مضبوط پشتے بنائے جائیں اور حکومت دریاؤں اور ندی نالوں کی گزرگاہوں پر تعمیرات کی ہر گز اجازت نہ دے بلکہ یہ دیکھئے کہ پانی کی قدرتی گزرگاہ کا راستہ صاف ہے کہ نہیں۔ حکومت پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ برسات کے موسم سے قبل ہی ہر سال سیالب جیسی آفات سے بچنے کے لیے ٹھوں اقدامات کرے۔



۱۸ دیہاتی اور شہری زندگی کا موازنہ

کسی بھی ملک کا معاشرہ دیہاتوں اور شہروں سے مل کر وجود میں آتا ہے۔ جن ممالک کا زیادہ احصار زراعت اور فارمنگ پر ہے، ان کی کثیر آبادی دیہات پر مشتمل ہے اور جو ممالک صنعت و حرف پر بھروسہ کرتے ہیں، ان کی زیادہ آبادی شہروں میں رہتی ہے۔ پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ وہ علیحدہ بات ہے کہ پاکستانی عوام کا رجحان روز بروز صنعت و حرف کی طرف ہو رہا ہے، مگر ابھی تک زرعی ملک ہونے کے ناتے ملک کی کم و بیش دو تہائی آبادی کا تعلق دیہی علاقوں سے ہے۔ چونکہ دیہات کی نسبت روزمرہ زندگی کی سہولتوں شہروں میں کہیں زیادہ مُہیّس ہیں، اس لیے ہمارے ملک کے دیہی علاقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ یا تو بڑے شہروں کا رخ کر چکے ہیں یا کہر ہے ہیں یا منصوبے باندھ رہے ہیں۔ دیہات سے شہروں کی طرف نقل مکانی نے بہت سے مسائل کو جنم دیا ہے، جس سے حکومت پاکستان عہدہ برآ ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کا اپنے قدیم مسکنوں کو چھوڑ کر بڑے شہروں کی جانب رخ کیوں ہے؟ جب کہ میرانش نے تو کہا ہے:

ذمِن کو بھی اللہ، چھڑائے نہ دُم سے
جانے وہی بُلُل، جو بچھڑ جائے چمِن سے

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ایسا اپنے دلوں پر جبر کر کے کرتے ہیں کیوں کہ دیہات میں فقط چند ایک ایسے زمیندار گھرانے ہوتے ہیں جن کی زمین زیادہ ہوتی ہے جب کہ اکثریت ایسے مفتوح الحال لوگوں کی ہوتی ہے جن کی اول تو زمین نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو بہت کم۔ دیہات میں انھیں ڈھنگ کا روزگار بھی نہیں ملتا اور ان کی عمر تنگ دستی میں گزرتی ہے۔ مزید براں دیہات میں ان کی اولاد کے لیے تعلیمی اور بُلُبُنی سہولتوں کا نقصان ہے، اس لیے وہ قسمت آزمائی کے لیے شہروں کا رخ کرنے پر مجبور ہیں، جہاں ضروریات زندگی آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہیں، اعلیٰ تعلیم کی سہولتوں بھی وافر ہیں اور اگر کوئی بیمار پڑ جائے تو اسے بروقت بُلُبُنی امداد بھی مل جاتی ہے۔ ان کے علاوہ آمد و رفت کی سہولتوں اور ملازمت یا کاروبار کے موقع بھی زیادہ ہیں۔ جب کہ شہری زندگی کا تاریک پہلو یہ ہے یہاں کا ماحول دیہات کی طرح پر سکون نہیں ہوتا اور شہروں کو تازہ ہوا اور خالص غذا بھی میسر نہیں ہوتی جب کہ شہری لوگ روزمرہ زندگی اور رہن سکن میں تکلف برتنے اور نمود و نماش کے عادی ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کی ضروریات زندگی بڑھ جاتی ہیں اور یہی چیزیں ان کے سکون کو برپا کر دیتی ہیں، جب کہ دیہات میں انسان فطرت کی آنغوш میں پرورش پاتا ہے۔ سر سبز و شاداب کھیت، کھلی فضا، ہرے بھرے سایہ دار درخت دیہاتیوں کے لیے قدرت کا عظیم ہیں اور وہ نظرت کے قاضوں کے تحت خوشی خوشی سادہ زندگی بس کرتے ہیں۔ اس بیس منظر میں احسان دانش نے کیا خوب کہا ہے:

واہ رے دیہات کے سادہ تمدن کی بہار
سادگی میں بھی ہے کیا کیا تیرا دامن زرگار

علاوہ ازیں دیہاتی لوگ عام طور پر ان پڑھ یا کم پڑھے لکھنے کے باوجود ملنسار اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوتے ہیں۔ شہروں کی ہنگامہ خیز زندگی کے موازنے میں دیہات کا ماحول پر سکون ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ سکونِ قلب کی تلاش میں دیہات کا رُخ کرتے ہیں جیسا کہ ہمارے شاعر احسان دانش کی خواہش ہے کہ:

دل یہ کہتا ہے فراقِ انجمن سہنے گلوں
شہر کی رنگینیاں چھوڑوں سیمیں رہنے گلوں

یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ سائنسی ترقی کے اس زمانے میں دیہات کو بھی ترجیح دی جانے لگی ہے اور دیہات کو شہروں کی مانند بنیادی سہولتیں بھم پہنچائی جا رہی ہیں، جن میں تعلیمی، طبی اور ذرائع آمدورفت کی سہولتیں شامل ہیں۔ اب وہ دن دو نہیں جب برطانیہ کے علاوہ دیگر پورپی ممالک، امریکا اور آسٹریلیا کی طرح ہمارے ہاں بھی دیہاتی اور شہری زندگی میں خاص فرق باقی نہیں رہے گا۔



میری پسندیدہ کتاب ۱۹

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ہم نہیں اگر کتاب سے ہو
اس سے بہتر کوئی رفیق نہیں

مطالعہ کتب ایک ایسا شوق ہے جو ہر صاحبِ علم کی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے لیکن مختلف کتابیں تعداد میں اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے مطالعہ کے لیے عمر نوح علیہ السلام بھی ناکافی ہے، اس لیے لامحالہ ان کتابیں میں سے فقط اپنی پسند اور ذوق کے مطابق انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ اب ہر شخص کی پسند اور اس کا ذوق الگ ہے، چنانچہ کتاب کا انتخاب کرتے وقت ایک توہین میں اپنی پسند کا لامحاظ رکھنا چاہیے اور دوسرے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کتاب کہاں تک مفید اور کس حد تک کارآمد ہے۔ صحیح کتاب کا انتخاب زندگی سنوار سکتا ہے اور غلط کتاب کا انتخاب زندگی بر باد کر سکتا ہے۔ اس لیے جس طرح دوستوں کے انتخاب میں احتیاط لازمی ہے، اسی طرح کتابوں کے انتخاب میں بھی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

کسی مقفلہ کا قول ہے: کچھ کتابیں محض بچھنے کے لیے ہوتی ہیں، کچھ نگنے کے لیے ہوتی ہیں اور صرف چند کتابیں ایسی ہوتی ہیں جیسیں خوب چباچا کر ہضم کرنا ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے بھی اسی قسم کا خیال اپنے ایک لیکچر کے دوران میں کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ”ایسی کتاب صدیوں کے بعد وجود میں آتی ہے جس کا ایک ایک لفظ غور سے پڑھنے کے قابل ہوتا ہے۔“

قرآن مجید ایک ایسی آفاقی اور دلگی کتاب ہے۔ یہ زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہے۔ یہی میری پسندیدہ کتاب ہے۔ آئندہ سطور میں مجھے یہ واضح کرنا ہے کہ میری پسند کے اسباب کیا ہیں اور یہ کتاب کن موضوعات کی حامل ہے۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی گفت گو حکیم الامت علامہ اقبال کے ارشادات کی روشنی میں شروع کروں۔ علامہ

اقبال نے امتِ مسلمہ کو تلقین کی ہے کہ اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ اقوامِ عالم میں انھیں عزت و احترام کی نظر میں سے دیکھا جائے تو انھیں چاہیے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں قرآن مجید، فرقانِ حمید سے رہنمائی حاصل کریں اور اپنے کردار کو اس کے مطابق ڈھالیں:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان!

اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

قرآن مجید کا موضوع انسان ہے۔ قرآن مجید نی نوع انسان کے لیے رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ علم و حکمت کی کتاب ہے۔ اس میں ہر نوع کے فرد اور ہر طرح کی قوم کی اصلاح و فلاح اور تجارت کے لیے رہنماء صول بیان ہوئے ہیں۔ جن پر عمل کر کے عرب قوم، جونزوں اور قرآن سے قبل تہذیب و تمدن سے نا آشنا تھی، انسانیت کے اعلیٰ وارفع اخلاق سے آ راستہ ہوئی اور اُس نے قیصر و کسری کی شہنشاہیت کو ختم کر کے بہترین اسلامی معاشرے اور عظیم ترین اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی۔ بقول مولانا حافظی:

عرب جس پر قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بن اک آن میں اس کی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا ادھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی کتابیں: تورات، زبور اور انجلیں کسی ایک خاص قوم یا ملک کے لیے تھیں لیکن قرآن مجید چونکہ آخری آسمانی کتاب ہے، اس لیے یہ پوری دنیاۓ انسانیت کے لیے مکمل رشد و ہدایت ہے، جس کی تعلیمات ہر دور اور ہر ملک میں قابل عمل ہیں۔ اس کتاب کی تعلیمات فطری ہیں، اس لیے ہر دور کا انسان یوں محسوس کرتا ہے کہ جیسے یہ اسی دور کے لیے نازل ہوئی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ خالق کائنات کا کلام ہے اور وہ اپنی مخلوق کی ضروریات، تقاضوں اور نفیيات کو سب سے بہتر جانتا ہے۔ تسلیم شدہ امر ہے کہ قرآن مجید سے قبل جو بھی آسمانی کتابیں، جن کا تذکرہ اور پرا چکا ہے، نازل ہوئیں، ان کی عبادات میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی حد تک کی بیشی واقع ہو چکی ہے لیکن ان کے مقابلے میں قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جو ڈیر ہر ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی اسی صورت میں موجود ہے جس صورت میں رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوئی تھی۔ اس کے ایک لفظ، ایک حرف بلکہ ایک بھی نقطے میں ذرا بھی فرق نہیں آیا اور ہم پرے وثوق اور اطمینان کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ یہ خالص اللہ کا کلام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔ چنان چہ ارشاد ہوتا ہے:

(ترجمہ) ”بے شک یہ نصیحت ہم ہی نے اتنا ری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔“

قرآن مجید فصاحت و بлагوت کے اعتبار سے ایک ادبی شاہکار ہے۔ اس میں پہاڑوں کا جلال، سمندروں کا تلاطم، دریاؤں کی روائی، بھلی کی ترپ اور جواہرات کی مرصع کاری ہے۔ عروں کو اپنی خطابت اور شعر و شاعری پر بڑا فخر و ناز تھا اور وہ اپنے مقابلہ میں دوسرے ملکوں کو یقین سمجھتے تھے اور انھیں ”عجم“ یعنی گونگا کہہ کر پکارتے تھے لیکن جب قرآن مجید نازل ہوا تو اس کی بے پناہ فصاحت و بлагوت کے سامنے سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور کوئی بڑے سے بڑا عالم، خطیب یا شاعر اس جیسا کلام پیش نہ کر سکا۔ قرآن نے جب چیلنج کیا کہ اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر دکھاو تو عرب کے تمام فصحا سر جوڑ کر بیٹھے مگر ناکام رہے اور انہوں نے اعتراف کیا کہ بے شائہیہ کلامِ الہی ہے اور آج تک کوئی شخص اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکا۔ آخر یہ ممکن بھی کیسے ہے؟ قرآن مجید خالق کائنات کا کلام ہے۔ ظاہر ہے کہ مخلوق اپنے خالق کا مقابلہ کس طرح کر سکتی ہے؟ روایت ہے کہ جب سورۃ الکوثر نازل ہوئی تو نے اسے لکھ کر خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا گیا۔ عرب کے ایک بڑے شاعر لبید نے

اسے دیکھا تو دریائے حیرت میں گم ہو کرہ گیا اور وہیں دیوار پر لکھ دیا: ”یہ انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔“

قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی کتابیں یا توصیف اخلاقی تعلیمات پر مشتمل تھیں یا صرف مناجات اور دعاوں یا فقہی مسائل کا مجموعہ تھیں یا ان میں صرف عقائد یا تاریخی و اتعات بیان ہوئے تھے لیکن قرآن مجید اسی جامع کتاب ہے جس میں ہر انسانی پہلو پر روشی ذالی گئی ہے۔ اس میں اخلاقی تعلیمات بھی ہیں اور عقائد و اعمال کا بیان بھی ہے اور تاریخ انسانی کے اہم واقعات کا بھی جامباز ذکر ہے۔

قرآن مجید نے انسانیت کو اس کا صحیح مقام بخشنا۔ بنی نوع انسان کو امن و سلامتی کا پیغام اور حریت و مساوات کا درس دیا۔ کا لے اور گورے، عربی اور عجی کافر قوم اور حسب و نسب کی بنیاد پر معاشرے میں قائم شدہ انتیازات کو ختم کر کے شرافت اور عظمت کی بنیاد صرف تقویٰ اور خوف خدا پر رکھی۔

حضرت عمر رض کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ یہ اسی کتاب پر ہدایت کا اثر ہے، جس نے حضرت عمر رض کی، جو اپنے باپ (خطاب) کے اوٹ چرایا اور ان کی جھٹکیاں کھایا کرتے تھے، زندگی یکسر بدلتے رکھ دی۔ یہ وہی عمر رض ہیں جنہوں نے نہ صرف اسلامی مملکت کو توسعہ دی اور اسے مستحکم کیا بلکہ اسلامی سلطنت کا ایسا انتظام و انصرام کیا جو ہتھی دنیا تک لوگوں کے لیے عدمہ ترین مثال ہے۔ علامہ اقبال ر نے کیا خوب کہا ہے:

گر ٹو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن
یعنی اگر تم ایک مسلمان کی زندگی حینا چاہتے ہو تو قرآن حکیم کو زندگی کا جزو بنائے بغیر ایسا ممکن نہیں۔



[۲۰] زلزلے کی تباہ کاریاں

زلزلے کو ہندی میں بھونچاں اور انگریزی میں Earth Quake کہتے ہیں۔ ناگہانی طور پر کسی ارضیاتی تبدیلی کی وجہ سے زمین کا نیچتی ہے تو زلزلہ آ جاتا ہے۔ زمین کا کانپنا کبھی تو اس قدر کم ہوتا ہے کہ زمین کے لکینوں کو اس کی خربجھی نہیں ہوتی مگر کبھی کبھی زمین اس زور سے کا نیچتی ہے کہ عمارتیں لرز کر رہ جاتی ہیں، گھروں کی کھڑکیاں اور دروازے زور زور سے بخت لگتے ہیں، شیشے ٹوٹ جاتے ہیں اور بعض اوقات عمارتیں منہدم ہو جاتی ہیں اور عمارتوں کے لکین ملے تلے دب کر مر جاتے ہیں۔ زمین شق ہو جاتی ہے اور سڑکوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ ترقی یا فتنہ ملکوں میں ماہرین ارضیات نے ایسی تجربہ گاہیں بنادی ہیں جہاں زلزلے کی شدت کی پیمائش ہو جاتی ہے۔ امریکا نے تو اس سلسلے میں یہاں تک ترقی کی ہے کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں کیسا ہی زلزلہ کیوں نہ آئے، وہاں اس کی شدت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اصطلاح میں زلزلے کی پیمائش کو ریکٹر سکیل (Richter Scale) کہا جاتا ہے۔ اگر زلزلہ پانچ ریکٹر سکیل کے لگ بھگ ہے تو شدید ہے۔ پانچ سے ساڑھے چھے ریکٹر سکیل ہے تو شدید ہے اور اس سے زیادہ ہے تو شدید ترین اور تباہ کن ہے۔

ماہرین ارضیات اب اس بات پر تحقیق کر رہے ہیں کہ زلزلہ آنے کی پیش گوئی کی جاسکے، جس میں وہ تادم تحریر تو کامیاب نہیں ہو سکے مگر کچھ بعد نہیں کہ وہ کامیاب ہو جائیں۔

زلزلے کیوں آتے ہیں؟ اس بارے میں جدید ترین نظریہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام برا عظیم مختلف پلیٹوں پر واقع ہیں جو انتہائی گرم سیال

مادول پر تیر رہے ہیں۔ ان پلیٹوں کے باہمی ٹکڑا سے جتو انائی پیدا ہوتی ہے، اسی کی اہریں زمین میں ارتقاش پیدا کرتی ہیں، جس کی وجہ سے زمین کا نپے لکتی ہے، جسے زلزلے کا نام دیا جاتا ہے۔

دنیا کے کچھ ممالک ایسے خطوں میں واقع ہیں، جہاں ارضیاتی طور پر زمین میں پلچل پیدا ہوتی رہتی ہے۔ ان ممالک میں جاپان، میکسیکو، امریکا، اٹلی، ایران، انڈونیشیا اور چین شامل ہیں۔ ان ممالک میں زلزلے آتے رہتے ہیں اور یہاں کے لوگ زلزلوں کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ وہ اپنے گھر بھی تعمیر کرتے ہیں تو ان کی بنیادیں اتنی مضبوط رکھتے ہیں کہ وہ زلزلے کی صورت میں زمین بوس نہ ہوں، پھر بھی زلزلے متنزد کرہ ممالک کے علاوہ چند اور ممالک میں بھی کبھی بھی تباہی و بر بادی پھیلانے کا موجب بنتے ہیں۔ ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلے نے پاکستان کے شہابی علاقوں اور آزاد کشمیر میں جو قیامت برپا کی، اُس کا تصور کر کے آج بھی روئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس زلزلے نے مظفر آباد، بالاکوٹ، باغ، مانسہرہ، روا لاکوٹ اور گردنوواح کے علاوہ ایک وسیع و عریض سر زمین کو تباہ و بر باد کر دیا، پہاڑ اپنی جگہ سے سرک گئے، چٹانیں ٹوٹ پھوٹ گئیں، ندی نالوں کے رُخ بدل گئے، بشمول عطا آباد کی نئی جھیلیں بن گئیں، عمارتیں زمین پر آ رہیں، اتنی ہزار افراد اتفاقہ اجل بن گئے، لاکھوں معدور ہو گئے اور جو مالی ضرر پہنچا، اس کا شمار محال ہے۔ اس زلزلے سے چند سال پہلے جاپان کے شہر کوبے، ہندوستان کے شہر احمد آباد اور ایران کے قدیم شہر بام میں انہنی خوفناک زلزلے آئے۔ قیام پاکستان سے پہلے ۱۹۳۵ء میں کوئی کے شدید ترین زلزلے سے پورا شہر بر باد ہو گیا تھا اور پچاس ہزار سے زیادہ افراد اتفاقہ اجل بن گئے تھے۔ اکتوبر ۲۰۱۵ء میں بھی شماں پنجاب اور خیبر پختونخوا میں شدید زلزلہ آیا جس کی شدت ریکٹر سکیل پر ۳.۷ تھی۔ اس زلزلے نے بھی بعض شماں علاقوں میں بڑی تباہی مچائی اور سکڑوں لوگ مارے گئے اور ہزاروں بری طرح متاثر ہوئے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زلزلوں کو کسی ریکٹر سکیل پر نہیں بلکہ غیرت و محیت اور شرم و حیا کے پیانے سے ناپنے کی ضرورت ہے کیوں کہ زلزلہ کسی زیر زمین کا نہیں بلکہ بالائے زمین انتشار کا نتیجہ ہے اور قہار و جبار قادر مطلق کا انتقام ہے اور ان انسانوں کے لیے ایک طرح کی وارنگ ہے جو خدا کی زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔

اس موقع پر زلزلے کے حوالے سے ہندوؤں کے اس دل چسپ مگر مضمون خیز عقیدے کا ذکر کرنا بے محل نہیں، جس کے مطابق ”زمین گائے“ نے زمین کو اپنے ایک سینگ پر ٹکرا کھا ہے جب اس کا دھمکا کوئی بوجھ کے مارے تھک جاتا ہے تو گائے زمین کو دسرے سینگ پر منتقل کر لیتی ہے جس کے سبب زلزلہ آتا ہے اور جہاں تک اردو شعری ادب کا تعلق ہے تو کسی شاعر نے زلزلے کی کیا خوب صورت تو فتح کی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

بے سبب زلزلہ عالم میں نہیں آتا ہے
کوئی بے تاب تہ خاک ترپتا ہو گا



۲۱ تمباکونوٹی کے نقصانات

اردو کے عظیم مزاح نگار مشتاق احمد یوسفی ایک جگہ لکھتے ہیں:

”سکریٹ ایک ایسا بد بودا رہا ہے جس کے ایک سرے پر آگ اور دوسرے سرے پر حلق ہوتا ہے۔“

تمباکونوٹی ہمارے معاشرے کی ایک ایسی فتحی عادت ہے جس میں قوم کا ہر دوسر افراد بتلا ہے۔ ان میں کوئی تھتے کا عادی ہے، کسی کو سگار

کی لَت ہے تو کسی نے سگریٹ کا شوق پال رکھا ہے۔ یہ سارے کے سارے بے کار مشتعلے اور بے ہودہ شوق ہیں جن سے پیسے اور سخت کے زیاد کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ایک سروے کے مطابق ہمارے نوجوان طلبہ و طالبات محض فیشن ہی فیشن میں سگریٹ کا نوشی کا آغاز کر دیتے ہیں جو بعد میں ان کے لیے مالی مسائل کے ساتھ ساتھ بے شمار طبی مسائل کا سبب بھی بن جاتی ہے۔ بعض اوقات کئی نوجوان سگریٹ کے کثرت استعمال (Chain Smoking) سے نوجوانی میں ہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

یہ جو سگریٹ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تمام نشایات کی ماں ہے۔ تو یہ درست ہے کیونکہ تقریباً ہر نشے کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ پہلے پہل مذاق یا شرارت کے رنگ میں ہلکی پھکلی تفریح یا دوستوں کا ساتھ دینے کے لیے اس کا آغاز ہوتا ہے، رفتہ رفتہ یہ زندگی کے گھمیز مسائل کا سبب بنتی چلی جاتی ہے۔ نئی تحقیق کے مطابق معدے اور سانس کی پیشتر بیماریوں کا سبب تمباکو نوشی ہے۔ اس کی عادت پختہ ہو جائے تو تپ دق اور منہج کے کینسر جیسی موزی بیماریاں بھی لاحق ہو سکتی ہیں۔ دل کی زیادہ تیماریاں بھی تمباکو نوشی کی وجہ سے لگتی ہیں اور یہ ہوٹوں اور دانتوں کی بد صورتی کا سبب بھی بنتی ہے، جس سے انسان کی ظاہری شخصیت کو بھی بے حد فساد پہنچتا ہے۔

ہمارے یہاں دیہات میں بالعوم حق کو ہاضمہ کے مسائل حل کرنے کا سبب سمجھا جاتا ہے جس کی حمایت میں کسی حکیم یادا نا کے قول کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی زمانے میں کسی مخصوص مرض کے پیش نظر کسی حکیم نے کسی خاص مریض کو حفظ کشی کا مشورہ دیا ہوگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حق کو ہر طرح کامریض ہر وقت اور ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر استعمال کرنا شروع کر دے۔

کہا جاتا ہے کہ سگریٹ اور حق کا ہر کش زندگی کے چند شانے کیم کرتا چلا جاتا ہے۔ بعض لوگ اس کا جواب: ”زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے“ کہ کر دیتے ہیں۔ وہ اس بات کو فراموش کر دیتے ہیں کہ اسی خدائے بزرگ و برتر نے زندگی اور سخت جیسی نادر و نایاب نعمتوں کی حفاظت کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔

علامہ اقبال[ؒ]، جو ہمارے قومی شاعر ہیں اور ان کی دانش و حکمت کو پوری دنیا میں چرچا ہے، کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ حق کے بہت شوقيں تھے بلکہ حق پینا ان کا پسندیدہ مشغله تھا۔ ان کے ملازم علی بخش کا بیان ہے کہ حق تازہ کرنے اور چلم بھرنے کی ذمہ داری میری تھی علامہ اقبال[ؒ] نہ صرف خود حق پیتے تھے بلکہ اپنے اُن احباب کو بھی پیش کرتے تھے جو حق کے رسیا تھے۔ بعد میں یہ مشغله ان کی موت کا سبب بن گیا۔ حیدر آباد (دکن) کے ڈاکٹر سید تقی عابدی، جو ایک طویل عرصے سے کینیڈا میں مقیم ہیں اور ایک دانش و را ادب شناس ہونے کے ساتھ ساتھ کینیڈا کے معروف ماہر قلب بھی ہیں اور علامہ اقبال[ؒ] سے بے پناہ محبت کرتے ہیں، دنیا بھر کی بڑی بڑی جامعات میں مُکْرِ اقبال کے حوالے سے پیکھر دیتے ہیں۔ علامہ اقبال[ؒ] پر متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں۔ حال ہی میں ان کی ایک کتاب ”چوں مرگ آید“ شائع ہوئی ہے، جس میں علامہ اقبال[ؒ] کی تمام بیماریوں اور موت کا سبب بننے والے امراض پر طبی اور سائنسی انداز سے تحقیق کی گئی ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان کی جملہ امراض کا موجب تمباکو نوشی تھا اور اگر وہ محض حق سے پرہیز کر لیتے تو مزید بیس برس تک ان کی صحت اور زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔

مولانا ظفر علی خاں[ؒ] اور علامہ اقبال[ؒ] کا زمانہ ایک ہے۔ دونوں قربی دوست تھے۔ دونوں نے اپنے اشعار کے ذریعے سے قوم میں آزادی و حریت کا جذبہ پیدا کیا۔ شعر بہت جلد کہنے پر قادر اور شعلہ بیان مقرر تھے۔ قائدِ اعظم[ؒ] نے ان کے بارے میں کیم می ۱۹۳۶ء کو بادشاہی مسجد لاہور کے ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”محبے اپنے صوبے میں مولانا ظفر علی خاں جیسے دوچار آدمی دے دیں۔ میں آپ کو لقین دلاتا ہوں، پھر مسلمانوں کو کوئی نکست

نہیں دے سکتا۔“

مولانا ظفر علی خاں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بھی نُخْتے کے بہت رسیا تھے۔ ان کی عادت تھی کہ نُخْتے کا ایک لمبا کش لگاتے اور ایک شعر کہ دیتے۔ شاید اسی پس منظر میں ان کا ایک شعر ہے:

نُخْتہ پیتا ہے، شعر کہتا ہے
اور عاشق میں کیا برائی ہے

ہر چند مولانا ظفر علی خاں نے خاصی عمر پائی مگر شاید وہ تمبا کونوٹی نہ کرتے ہوتے تو ملک و ملت کی خدمت کے لیے دس بیس سال اور جیتے۔ پروفیسر ڈاکٹر سجاد باقر رضوی انگریزی اور اردو کے معروف استاد تھے۔ وہ سکریٹ اور سگار بے تحاشا پیتے تھے۔ اس لیے انھیں دمے کا مرض لاحق ہو گیا اور انھیں کھانسی کے دورے پڑنے لگے۔ موت سے چند دن پہلے جب ڈاکٹر نے ان کے پھیپھڑوں کا ایکسرے کیا تو معلوم ہوا کہ پھیپھڑوں کا صرف ایک انج ہجھہ ایسا ہے جس سے وہ سانس لیتے ہیں ورنہ تمام پھیپھڑا سکریٹ نوٹی کی وجہ سے پرانی روئی (لوگڑ) کی مانند ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے چند دنوں بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اے کاش! وہ سکریٹ سگار نہ پیتے ہوتے تو کچھ دن اور جیسے ہوتے اور اپنے علم و فضل سے اپنے شاگردوں کو فیض یاب کرتے۔

تمبا کونوٹی سے انسانی صحت کو جونقصانات پہنچتے ہیں، ان کا احاطہ کرنا بڑا مشکل ہے تاہم یہ ضرور ہے کہ دل اور سانس کی اکثریت بیماریاں، منہ اور مسوڑوں کے زیادہ تر امراض، جوڑوں کے درد اور دیگر کچھ مہلک امراض اس کا لازمی شاخسانہ ہیں، جس سے انسان اپنی طبعی عمر میں، جو وہ قدرتِ کاملہ کی طرف سے لے کر آتا ہے، دس سے بیس سال کی کمی کر لیتا ہے۔

اس ساری بحث سے ہم اس نتیجہ پہنچتے ہیں کہ صحت اور زندگی اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتوں میں سے ہیں۔ انھیں تمبا کونوٹی کے ذریعے سے نقصان پہنچانا کفر ان نعمت کے زمرے میں آتا ہے۔ اگر آپ تمبا کونوٹی سے پچھے ہوئے ہیں تو اللہ کا شکر ادا کریں اور کسی وجہ سے اس میں بیتلہ ہو چکے ہیں تو محض قوتِ ارادی سے اسے ترک کیا جا سکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی طرف سے تھوڑی سی غفلت یا استی کل کوئی بڑے پھپتاوے کا سبب بن جائے۔ بقول صوفی تبتیم:

ایسا نہ ہو یہ درد بنے درد لا دوا
ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو



مضاہین کے لیے دیگر عنوانات

۱	محسن انسانیت	صلی اللہ علیہ وسلم
۲	میرا سکول	
۳	شہید ملت لیاقت علی خاں	
۴	رسم و رواج کی پابندی	
۵	صنعت و تجارت	
۶	امتحان کی تیاری	
۷	سائیکل	
۸	قومی اتفاق	
۹	طالب علم کے فرائض	
۱۰	میرے دوست	
۱۱	زمین آسودگی	
۱۲	زندگی کا ناقابل فراموش واقعہ	
۱۳	جبیز ایک لعنت	
۱۴	میرا پسندیدہ استاد	
۱۵	توہم پرسنی	
۱۶	دیانت داری	
۱۷	تدرستی ہزار نعمت ہے	
۱۸	طالب علم کے فرائض	
۱۹	محنت کی برکات	
۲۰	اردو ہے جس کا نام	
۲۱	ہمارے ہمسائے	
۲۲	ریل گاڑی	
۲۳	مولانا حاجی	
۲۴	عید میلاد النبی ﷺ	
۲۵	کرپشن (بدعنوانی)	
۲۶	ضرورت ایجاد کی ماں ہے	
۲۷	مولانا ظفر علی خاں	
۲۸	سکول میں میرا اپہلان	
۲۹	دیہاتی زندگی	
۳۰	کابلی	
۳۱	مسلمانوں کے تھوار	
۳۲	ہمارے مہمان	
۳۳	پانی کی اہمیت	
۳۴	سردی کا موسم	
۳۵	فضائی آسودگی	
۳۶	موسم گمرا	
۳۷	توانائی کا بحران	
۳۸	کھلیوں کی اہمیت	
۳۹	چاندنی رات کا نظارہ	
۴۰	گلاب کا پھول	
۴۱	مل جل کر کام کرنے کے فائدے	
۴۲	کھلیوں کی اہمیت	
۴۳	ایک پاکستانی بازار	
۴۴	ورزش کے فائدے	
۴۵	مرزا غالب	
۴۶	دہشت گردی	
۴۷	عیادت مریض	
۴۸	عیدین	
۴۹	خوشامد	
۵۰	پابندی وقت	
۵۱	ایک میلے کی سیر	
۵۲	اپنی مرآپ	
۵۳	برسات کا موسم	
۵۴	تعلیماتِ موسم گمرا	



تفسیر عبارات

ابلاغ میں زبان بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ اس سلسلے میں طلبہ کی زبان دانی کی صلاحیت واخذ کا جائزہ لینے کے لیے نصاب کے علاوہ کسی بھی تحریر، مضمون یا نظم کا کوئی اقتباس دے دیا جاتا ہے، جس کے حوالے سے عبارت کے آخر میں چند سوالات ترتیب دے کر طلبہ سے ان کے جوابات لکھنے کو کہا جاتا ہے، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبہ غیر نصابی عبارت کے مفہوم کو کس حد تک سمجھتے ہیں۔ اس ضمن میں طلبہ پر لازم آتا ہے کہ وہ درج ذیل باتوں کو پیش نظر رکھیں:

ضروری باتیں

- (۱) سب سے پہلے عبارت کو ایک یاد و مرتب غور سے پڑھیے اور عبارت کے مفہوم اور نفس مضمون کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔
- (۲) پوچھنے گئے تمام سوالوں کے جواب بالعموم عبارت کے اندر ہی موجود ہوتے ہیں، جو زریں سوچ بچار کے بعدہ ہن میں آ جاتے ہیں۔
- (۳) اگر بغرضِ محال کسی سوال کا جواب عبارت میں موجود نہیں تو ایسی صورت میں عبارت کے مجموعی تاثر کے پیشِ نظر جواب دیجیے۔
- (۴) تمام جواب عبارت کے مطابق ہوں۔ حقائق کو سخن مت کیجیے۔
- (۵) آپ کے جوابات کو سوالات کے عین مطابق ہونا چاہیے یعنی جس قدر سوال پوچھا گیا ہے، اسی قدر اس کا جواب دیں اور جواب کو غیر ضروری طول ہرگز نہ دیں۔
- (۶) جواب دیتے وقت عبارت کا اصل جملہ نقل کرنے کے بجائے اسے ہمیشہ اپنے الفاظ میں لکھنے کی کوشش کریں لیکن جواب کو اپنی لیاقت بگھارنے کی کوشش میں نہ متشکل بنانے کی کوشش کیجیے اور نہ ہی عبارت کو سخن یا بے ربط کیجیے۔
- (۷) اگر معروضی طرز کا سوال ہے تو درست ترین جواب کے گرد دائرہ لگائیے۔
- (۸) اگر عبارت کا عنوان بھی پوچھا گیا ہے تو یاد رکھیے کہ سب سے بہتر عنوان وہ ہوتا ہے جو اصل عبارت کے مجموعی تاثر کو ظاہر کرتا ہے اور اصل عبارت پڑھنے کے بعدہ ہن سے نکلتا ہے، بصورت دیگر اس ضمن میں اصل عبارت کا پہلا یا آخری جملہ پڑھ لینا بھی سودمند ہوتا ہے، عین ممکن ہے کہ عنوان وہاں مستور ہو۔
- (۹) عنوان کو خصر ترین ہونا چاہیے اور فقط ایک عنوان دینا چاہیے۔
- (۱۰) آئندہ صفحات میں ہم نے طلبہ کی مزید رہنمائی کے لیے نمونے کی چند ایک غیر نصابی عبارتیں مع سوالات دے دی ہیں اور ان میں سے پچھے عبارات کے سوالات اور ان کے جوابات بھی لکھ دیے ہیں۔ **تفسیر عبارات** کے سوال میں عام طور پر پانچ سوالات پوچھنے جاتے ہیں، اس لیے ہم نے بھی ہر عبارت سے متعلق پانچ سوال ہی پوچھنے ہیں لیکن ممکن ہے کہ پانچ سے زیادہ سوال پوچھ لیے جائیں۔ بہر کیف طلبہ ان عبارات، سوالات اور ان کے جوابات کو بغور پڑھیں اور ان کی روشنی میں **تفسیر عبارات** کے سوال پر عبور حاصل کریں۔

عبارت ۱

”پنجاب کی حدود ان دونوں میں غزنی کی حد تک پھیلی ہوئی تھیں اور راجا یہاں کا بے پال تھا۔ جب مسلمانوں کے قدم آگے بڑھتے معلوم ہوئے تو اس نے غزنی پر ایک بھاری فوج سے چڑھائی کی۔ چنانچہ دفعۃ ملغان پر جا کر ڈیرے ڈال دیے اور پشاور سے کابل تک برابر شکر پھیلا دیا۔ ادھر سے سبکنٹین بھی نکلا۔ چنانچہ دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں اور ایک دوسرے کی پیش قدمی کی منتظر تھیں کہ دفعۃ آسمان سے گولے پڑنے لگے یعنی بے موسم برف کرنی شروع ہو گئی۔ وہ لوگ تو برف کے کیڑے تھے، انھیں خبر بھی نہ ہوئی۔ ہندوستانی بے چارے اپنے لحاف اور رضائیاں ڈھونڈنے لگے، مگر وہاں رضائی کا گزارہ کہاں؟ سیکڑوں اکڑ کر مر گئے، ہزاروں کے ہاتھ پاؤں رہ گئے، جو پنج آن کے اوسان جاتے رہے۔“

سوالات

- (۱) پنجاب کی حدود غزنی تک پھیلی ہوئی تھیں، کس زمانے میں؟
- (۲) جے پال کون تھا اور سبکنٹین کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
- (۳) ”وہ لوگ تو برف کے کیڑے تھے۔“ کون لوگ برف میں رہنے کے عادی تھے؟
- (۴) وہاں رضائی کا گزارہ کیوں نہیں تھا؟ وہ لوگ جاڑے میں کیا اوڑھتے تھے؟
- (۵) جے پال اور سبکنٹین میں جنگ کیوں نہ ہوئی؟

جوابات

- (۱) جس زمانے میں جے پال پنجاب کا راجا تھا تو پنجاب کی حدود غزنی تک پھیلی ہوئی تھیں۔
- (۲) جے پال پنجاب کا راجا تھا اور سبکنٹین غزنی کا حکمران تھا۔ یہ وہ سبکنٹین ہے جس کا بیٹا محمود غزنوی ہے، جس نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے تھے۔
- (۳) غزنی کے لوگ برف کے کیڑے تھے یعنی وہ لوگ برف میں رہنے کے عادی تھے۔
- (۴) غزنی کے لوگ جاڑے میں گرم کپڑے اور اونی کمبل اور ڈھنپتے تھے۔ رضائی سے ناواقف تھے۔
- (۵) کیونکہ برف باری نے راجا جے پال کی فوج کے اوسان خطا کر دیے اور فوجی وہاں سے بغیر جنگ کیے پنجاب کی طرف واپس بھاگ گئے۔



عبارت ۲

”سراج الدّولہ اور ٹیپو سلطان نے انگریزوں کے خلاف کھلمن کھلا جنگ کا آغاز کیا۔ فوجی طاقت سے بُعظیم کے آزادی طلب عوام کو انگریزوں نے کچلا، مگر جذبہ حریت نہ دب سکا۔ ۱۸۵۷ء تک چنگاریاں چمکتی اور بجھتی رہیں۔ آخر مئی ۱۸۵۷ء کو چنگاری نے شعلہ بن کر فضا کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ آگ اور خون کا طوفان اٹھا۔ اس قیامت خیز ہنگامے میں عوام کا نقشان تو اتنا ہوا جس کا اندازہ لگانا

مشکل ہے مگر کمزور عوام نے ایک مرتبہ اختصاری طاقت کو مراچکھا ہی دیا۔ تو پ و فنگ نے مظلوم عوام کے تاریخ و ثقافت کے بھرے بھرے محل کھنڈ کر دیے، لوگوں کو تباہ و بر باد کر دیا، ملک کا نقشہ پٹ دیا۔ اب کی مرتبہ یہاں کے قومی رہنماؤں نے سرد جنگ کے بعد گرم مرے کی میتاری کر لی۔ کانگرس، تحریک خلاف اور مسلم لیگ اسی جنگ کے ادارے بنے۔ ان تنظیموں نے عملی حکمتوں سے عوام کو بیدار کیا۔ صفوں کو مقتول بنایا اور شمن کو لاکارا اور نئے نئے مورچے بنائے۔ پہلی جنگِ عظیم میں آزادی کے امکانات ابھرے، دوسری جنگِ عظیم کے بعد جدوجہد کا میابی کے قریب پہنچ گئی۔ اس مرحلے میں صدویں حکومت کرنے والی قوم نے قائدِ اعظم کی قیادت میں علامہ اقبال کے خواب کی تعبیر ڈھونڈنا شروع کی۔ اس راہ میں خون کے سمندر اور آگ کے جنگل ملے اور قومِ اسلام اللہ کہ کر آگے بڑھی۔ یہ پیش قدمی اللہ کی مدد اور ملت کے اتحاد، تنظیم اور ایمان، قائدِ اعظم کی بصیرت و تدبیر کی بدولت منزل تک پہنچے کا ذریعہ بنی۔ اللہ نے وہ دن دکھایا کہ اللہ اکبر کی گوئی میں آزادی کا سورج نکلا اور ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ اسلامی عقائد و افکار، اسلامی تہذیب و ثقافت، اسلامی قانون و نظامِ عدل و حکومت کے لیے اللہ نے اپنے محبوب نبی آخر از ماں ﷺ کے طفیل مسلمانوں کو ایک مرتبہ پھر سر بلندی و افتخار سے نوازا۔

﴿سوالات﴾

- (۱) سراج الدّولہ اور ٹیپو سلطان کے بارے میں ایک مختصر پیراگراف لکھیے۔
- (۲) ۱۸۵۷ء میں آزادی کے علم برداروں کا کیا نقصان ہوا؟ چند سطروں میں لکھیے۔
- (۳) علامہ اقبال مرحوم کے خواب سے کیا مراد ہے؟
- (۴) سرد جنگ کے کہتے ہیں؟
- (۵) تہذیب و ثقافت سے آپ کیا مراد لیتے ہیں؟

﴿جوابات﴾

- (۱) نواب سراج الدّولہ بگال کا جب کہ ٹیپو سلطان میسور (دکن) کا حکمران تھا۔ یہ دونوں حکمران آزادی اور حریت کے علم بردار تھے اور کسی صورت میں بھی انگریزوں کی غلامی قبول کرنے کو تیار نہ تھے، چنان چہ دونوں نے انگریزوں کے خلاف جنگیں لڑیں مگر اپنوں کی غداری کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے۔ علامہ اقبال نے اس پس منظر میں کیا خوب کہا ہے:

جعفر از بگال و صادق از دکن
بنگِ آدم، بنگِ دیں، بنگِ وطن
- (۲) ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں آزادی کے علم برداروں کا جتنا نقصان ہوا، اس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے مگر لاکھوں لوگ، جس میں سے زیادہ تر مسلمان تھے، مارے گئے۔ جو لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہو گئے، ان کے گھر بارٹ گئے اور جائیدادیں بر باد ہو گئیں۔ تاریخ و ثقافت اور تہذیب و تمدن کے محلاں کھنڈ رben گئے۔ گویا ملک کا نقشہ ہی پٹھ گیا۔
- (۳) علامہ اقبال نے یہ خواب دیکھا تھا کہ برعظیم کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی کثرت ہے وہاں ایک آزادا اور خود مختار مملکت کا

قیامِ عمل میں آئے۔

(۴) سرد جگ، ہتھیاروں کی مدد سے کھلم کھلا جنگ نہیں ہوتی بلکہ ایک عرصہ دراز تک عوام کے نظریات کو تبدیل کرنے کی کوشش کی جاتی اور خلافین کو اپنی بات منوانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

(۵) ہر سوسائٹی کے کچھ اصول اور رسوم و روایات ہوتی ہیں، انھیں تہذیب کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں اسے کچھ کا نام دیا گیا ہے۔ اسی طرح عقائد و نظریات اور افکار اور نظامِ عدل و حکومت کے لیے جو قرینے اپناۓ جاتے ہیں، اسے ثقافت کہتے ہیں جیسے: اسلامی تہذیب و ثقافت سب سے الگ اور تمام مذاہب سے جدا گانہ ہے۔



عبارت ۳

مادرِ ملّت فاطمہ جناح مرحومہ، پاکستان کی بانی نہیں تو قائدِ اعظم کی دستِ راست اور جان شمار بہن ہونے کے ساتھ ساتھ جنگ آزادی کے ہر اول دستے میں خواتین کی رہنمای بہر حال تھیں۔ بلند کردار، جفا کش بہن گھر کی چار دیواری میں عظیم بھائی کی محافظہ و نگہبان، ذہنی سکون اور کارسیاست و قیادت میں معاون، میدانِ عمل میں مسلم خواتین کے لیے نشانِ عزم و استقلال، جہادِ حریت کے ہر ہر مرحلے میں انھیں بھائی کا آئینہ دیکھا گیا۔ وہی بہت وجہات، وہی خلوص و جفا کشی، ملت پر قربان اور اصولوں پر ثابت تدمی۔ لوگ ان سے محبت بھی کرتے تھے اور ان کے ادب و احترام میں کوئی دیقتہ فروغ زداشت نہ ہونے دیتے تھے۔

قیامِ پاکستان کے بعد محترمہ فاطمہ جناح نے ایک مثالی ماں کی طرح ملک و ملت کے لیے محنت کی۔ ہر وقت مصروف عمل، ہمہ وقت چوکس، صحیح و شام نظریہ، مقصد اور شان دار نتائج کی تکمید اشت، ہر جگہ سماۓ کی طرح بھائی کے ساتھ اور ہر مرحلے میں قوم کی ہم آواز۔

قائدِ اعظم کی وفات نے ان کی عزّت و محبوبیت میں بے حد اضافہ کر دیا۔ مردوزن، چھوٹے بڑے ان سے آرزوئیں وابستہ کر چکے تھے اور وہ بھی ہر تقریب اور ہر موقع پر قوم سے بات کرتی تھیں۔ بھائی کے جذبے سے سرشار اور ملک و ملت کی محبت سے لبریز، گرج دار آواز میں حکومتِ عوام کا احتساب کرتی تھیں۔ کارروائی کو حرارت و حرکت، روشنی، بیداری اور ہوش مندی کا پیام دیتی تھیں۔ قوم کا دل ان کے وجود سے مضبوط اور وطن کو ان کے وجود سے سہارا تھا۔ وہ دنیا بھر کی عورتوں میں صفتِ اول کی رہنمای خاتون تسلیم کی گئی ہیں۔ اللہ ان پر رحمتوں کے پھول بر ساتا رہے۔ آمین!

﴿سوالات﴾

(۱) قیامِ پاکستان میں خواتین کا حصہ مددوں کے برابر ہے۔ اس عنوان پر چند سطیریں لکھیے۔

(۲) دستِ راست اور ہر اول دستے سے کیا مراد ہے؟

(۳) ماں کے فرائض و کردار کیا ہیں اور محترمہ مادرِ ملّت کا مرتبہ کیا ہے؟

(۴) احتساب سے کیا مراد ہے؟

(۵) مادرِ ملّت کا سب سے بڑا کارنامہ کیا تھا؟

﴿ جوابات ﴾

- (۱) قیامِ پاکستان میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کا کردار بھی بھرپور ہے۔ خواتین نے بھی تحریکِ پاکستان میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کیا۔ جسے کیے، جلوس نکالے، مضامین لکھے اور اس وقت تک آزادی کا دم بھرتی رہیں جب تک قیامِ پاکستان عمل میں نہ آگیا۔ خواتین نے عزم و استقلال اور جہادِ حریت کے ہمراحلے میں مردوں کا حوصلہ بڑھایا اور اپنے قول اور عمل سے ثابت کیا کہ وہ آزادی کے ہر اول دستے میں مردوں کے ساتھ ہیں۔
- (۲) ”دستِ راست“ کے لغوی معنی تو ”دیاں ہاتھ“ کے ہیں مگر اس سے مراد یہ سادگاری جاتا ہے جو کسی شخص کے بہت قریب ہو۔ اسی طرح ”ہر اول دستے“ کے معنی ہیں: ”گھر سواروں کا ایسا دستہ جو فوج کے آگے چلے“ مگر اس سے مراد ہے آگے بڑھ کر متعین و مددگار۔
- (۳) ماں کے فرائض پر تو ایک طویل مضمون لکھا جاسکتا ہے مگر اس کا لب باب یہ ہے کہ ماں اپنی اولاد کی تہذیب و تربیت اور اس کی حفاظت میں اپنی دانست میں کوئی کسر اٹھانیں رکھتی۔ اس چمن میں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ انہوں نے اپنے بھائی قائدِ عظیم محمد علی جناح کی مدد اور آزادی وطن کے لیے ہر وہ قدم اٹھایا جو ان کے امکان میں تھا۔
- (۴) احتساب کا مفہوم ہے جائزہ لینا یا باز پرس یا روک ٹوک کرنا۔ اس سے مراد ہے غلط کاموں سے سختی سے منع کرنا اور جائز کاموں کی حوصلہ افزائی اور حمایت کرنا۔
- (۵) مادر ملت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ قائدِ عظیم کی دستِ راست اور جاں ثاریں تھیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے جنگِ آزادی کے ہر اول دستے میں خواتین کی رہنمائی کی۔ وہ جب تک زندہ رہیں اپنی گرج دار آواز میں حکومت اور عوام کا احتساب بھی کرتی رہیں۔

﴿ عبارت ﴾

”مختلف انسان مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ زبانوں کو ان کے ماہروں نے مختلف خاندانوں میں تقسیم کر کھا ہے۔ ان میں دو خاندان بہت مشہور ہیں: ایک سامی اور دوسرا آریائی۔ سامی خاندان میں عربی اور عبرانی وغیرہ شامل ہیں۔ آریائی خاندان میں نہ صرف پاکستان اور ہندوستان کی بہت سی زبانیں شامل ہیں بلکہ یونانی، اطالوی، جرمون، فرانسیسی اور انگریزی زبانوں کا شمار بھی اسی خاندان میں ہوتا ہے۔ دراصل آریائی خاندان زبانوں کا بہت بڑا خاندان ہے اور اس سلسلے کا کوئی دوسرا خاندان اس کی وسعت کی برابری نہیں کر سکتا۔ زبانوں کے آریائی خاندان کی شعاعیں پاکستان، ہندوستان، ایران، انگلستان اور یورپ کے مختلف ممالک تک پھیلی ہوئی ہیں۔“

﴿ سوالات ﴾

- (۱) زبانوں کے دو مشہور خاندان کون کون سے ہیں؟
- (۲) عربی اور انگریزی زبانیں، زبانوں کے کس خاندان سے تعلق رکھتی ہیں؟



(۳) آریائی خاندان کی جن زبانوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، ان کے نام لکھیے۔

(۴) دنیا کے کون کون سے مالک ایسے ہیں جہاں آریائی خاندان کی زبانیں بولی جاتی ہیں؟

(۵) ہماری قومی زبان اردو کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے؟

﴿جوابات﴾

(۱) زبانوں کے دو مشہور خاندان ہیں: ایک سامی اور دوسرا آریائی۔

(۲) عربی کا تعلق سامی خاندان سے ہے جب کہ انگریزی کا تعلق آریائی خاندان سے ہے۔

(۳) اس اقتباس میں آریائی خاندان کی جن زبانوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے نام ہیں: پاکستانی اور ہندوستانی زبانوں کے علاوہ یونانی، اطالوی، جرمی، فرانسیسی اور انگریزی کا۔

(۴) پاکستان اور ہندوستان کے علاوہ ایران، انگلستان اور یورپ کے تمام ممالک میں بھی آریائی خاندان کی زبانیں بولی جاتی ہیں۔

(۵) ہماری قومی زبان اردو کا تعلق آریائی خاندان کی زبانوں سے ہے۔



﴿عبارت ۵﴾

”ہم عصر وں اور ہم چشم وں کی رقبہت پر اپنی چیز ہے اور ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ جہاں تک مجھے ان سے گفتگو کا موقع ملا اور بعض اوقات چھپتے چھپتے کر دیکھا اور ان کی تحریر میں پڑھنے کا اتفاق ہوا، مولانا اس عیب سے بری معلوم ہوتے ہیں۔ محمد حسین آزاد نے مولانا شبلی کی کتابوں پر کیسے اچھے تبصرے لکھے ہیں اور جو باتیں قبل تعریف تھیں، ان کی دل کھول کر داد دی ہے، مگر ان بزرگوں میں سے کسی نے مولانا کی کسی کتاب کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ لاہور میں کٹل ہارایڈ کی زیر ہدایت جو جدید رنگ کے مشاعرے ہوئے، ان میں آزاد اور حامی دونوں نے طبع آزمائی کی۔ برکھاڑت، حب وطن، نشاط امید اسی زمانے کی نظمیں ہیں۔ آزاد اپنے رنگ میں بے مثال نتار ہیں مگر شعر کے کوچے میں ان کا قدم نہیں اٹھتا، لیکن مولانا کی انصاف پسندی ملاحظہ کیجیے کہ کیسے صاف لفظوں میں اس نئی تحریر کا سہرا آزاد کے سر باندھا ہے۔“

﴿سوالات﴾

(۱) اس عبارت کا عنوان تحریر کیجیے؟

(۲) اس عبارت میں مولانا سے کون مراد ہیں؟

(۳) مولانا کس عیب سے بری تھے؟

(۴) جدید رنگ کے مشاعروں میں کس قسم کی نظمیں پڑھی جاتی ہیں؟

(۵) نتار کے معنی لکھیے۔



﴿ جوابات ﴾

- (۱) اس عبارت کا عنوان ہونا چاہیے: ”مولانا حالی کے اوصاف حمیدہ“
- (۲) اس عبارت میں مولانا سے مراد مولانا الطاف حسین حالی ہیں۔
- (۳) ہم چشمیں اور ہم عصروں میں کچھ نہ کچھ رقبت ضرور ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے: ”بود ہم پیشہ باہم پیشہ دشمن“، یعنی ہم پیشہ ہم پیشہ کا دشمن ہوا کرتا ہے لیکن مولانا کسی سے قطعاً رقبت نہیں رکھتے تھے۔
- (۴) جدیر نگ کے مشاعروں میں ”برکھارٹ، بُھٰ وطن اور نشاطِ امید“، قسم کی نظمیں پڑھی جاتی تھیں۔
- (۵) بشارت کے معنی ہیں نظر نگار یعنی نظر لکھنے والا۔



﴿ عبارت ﴾ ۶

”اسلام نے لفظ قوم کے معنی بدل دیے ہیں۔ اسلام سے پہلے کے تمام قومی سلسلے، تمام قومی رشتہ نسل یا علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اسلام نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ کے تحت ایک نیا روحاںی بلکہ خدائی قومی رشتہ قائم کر دیا۔ اسلام کسی سے نہیں پوچھتا کہ وہ تُرک ہے یا تاجیک، وہ افریقیہ کا رہنے والا ہے یا عرب کا، وہ چین کا باشندہ ہے یا ما چین کا، پاکستان میں پیدا ہوا ہے یا ہندوستان میں، وہ کالے رنگ کا ہے یا گورے رنگ کا، بلکہ جس کسی نے اللہ کی تو حیدر اور موسی رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو مان لیا وہ ایک رشتہ میں بندگیا۔ جس سے اچھا اور پیارا رشتہ اور کوئی نہیں۔“

﴿ سوالات ﴾

- (۱) اسلام نے لفظ قوم کو کتنی وسعت دی ہے؟
- (۲) کیا اسلام میں نسل اور علاقے کا امتیاز جائز ہے؟
- (۳) کیا اسلام میں ترکی کے مسلمان، چین کے مسلمان اور پاکستان کے مسلمان کے درمیان امتیاز قائم ہوگا؟
- (۴) کیا گورے مسلمان کو کالے مسلمان پر کوئی فوقيت حاصل ہے؟
- (۵) اس عبارت کا عنوان لکھیے۔

﴿ جوابات ﴾

- (۱) اسلام نے قوم کے لفظ کو بڑے وسیع معنوں میں مراد لیا ہے۔ جس کسی نے، چاہے اس کا تعلق دنیا کے کسی بھی خطے سے ہو اور وہ کسی بھی نسل سے ہو کلمہ پڑھ لیا، پس وہ مسلمان قوم میں شامل ہو گیا۔
- (۲) اسلامی تعلیمات کی رو سے نسل اور علاقے کا امتیاز ہرگز جائز نہیں ہے۔
- (۳) ترکی کا مسلمان ہو یا چین کا یا پاکستان کا یا کسی اور ملک کا، ان کے درمیان ہرگز کوئی امتیاز قائم نہیں ہو گا بلکہ تمام مسلمان بھائی

بھائی ہیں۔

(۴) گورے مسلمان کو کامے مسلمان پر یا کامے مسلمان کو گورے مسلمان پر ہرگز کوئی فوکیت حاصل نہیں ہے۔

(۵) اس عبارت کا مناسب ترین عنوان ہے: ”تومی اتفاق“



مشق کے لیے عبارات

عبارت

۱

”سکون کے وقت سمندر کا دیدار آنکھوں کو فرحت بخشنے والی چیز ہے۔ تختہ جہاز پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو ہر ہوں کا ایک لا تعداد سلسلہ نظر آتا ہے، جو ہوا کے نرم زم جھونکوں کے اثر سے سمندر پر قریب قریب ہو وقت آتے رہنے سے ایک دوسرے کے پیچھے جلتے بناتا چلا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ہیں ایک دوسری کے پیچھے دوڑ رہی ہیں۔ صبح کے وقت آفتاب نکلتا ہے اور اچھاتی ہوئی ہر ہوں کی سفید جھاگ پر اس کی کرنیں پڑتی ہیں تو قوسِ فرح کے سارے رنگ دنعت شفاف پانی کے تختوں پر چمک جاتے ہیں اور، دور افق کے قریب تو سنہری روپیلی فرش بچھا ہوا نظر آتا ہے۔ گویا شاہِ خاور کے خیر مقدم کے لیے سامان ہو رہا ہے۔“

﴿سوالات﴾

(۱) سکون کے وقت سمندر کا نظارہ کیسا ہوتا ہے؟

(۲) تختہ جہاز سے سمندر کیا نظر آتا ہے؟

(۳) جب سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے تو اس وقت سمندر کا منظر کیسا ہوتا ہے؟

(۴) دُور افق کے قریب کیا نظر آتا ہے؟

(۵) شاہِ خاور سے کیا مراد ہے؟



عبارت

۲

”امتحاب کتب ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس کے لیے اس طرح کی احتیاط اور غور و فکر کی ضرورت ہے جس طرح کہ دوستوں کے انتخاب کے لیے جس طرح ایک اچھے اور نیک چال چلنے کا مالک انسان اپنے دوست کو برائی سے بچالیتا ہے اور ایک برا دوست اپنی بدکداری کی وجہ سے دوسرے دوست کو بھی تباہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح اچھی کتابیں دل و دماغ اور عادات و اطوار پر اثر ڈالتی ہیں اور مخرب اخلاق اور بے ہودہ کتابیں طبیعت کو برائی کی طرف مائل کرتی ہیں۔ اسی طرح بُری کتابوں کا مطالعہ پڑھنے والے کی اخلاقی موت کا باعث بنتا ہے۔ مشاہیر زمانہ کی سوانح عمریاں، سفر نامے، تاریخی اور مذہبی کتب اور جید معلومات پر لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ انسان اور خصوصاً طالب علم کے لیے بہت مفید ہے۔ اخلاقی کتابوں کے مطالعے سے اخلاق بلند ہوتا ہے۔“

﴿سوالات﴾

- (۱) کتابوں کے انتخاب میں کس چیز کی ضرورت ہے؟
- (۲) بُرا دوست کیا نقصان پہنچاتا ہے؟
- (۳) خراب کتابیں پڑھنے سے کیا نقصان ہوتا ہے؟
- (۴) طالب علم کے لیے کون ہی کتابیں مفید ہیں؟
- (۵) اس عبارت کا کوئی مناسب عنوان لکھیے۔

﴿عبارت﴾ ۳

مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ دورِ اقتدار میں ہندو اور مسلمان ساتھ ساتھ رہے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھا۔ ہندوؤں کی بعض رسماں مسلمانوں میں رائج ہوئیں اور بعض اسلامی تصورات ہندوؤں میں مقبول ہوئے۔ لیکن ہندو اور مسلمان آپس میں جذب ہو کر ایک معاشرہ نہ بن سکے۔ ہندو مسلمان عموماً الگ الگ مخلوقوں میں رہتے تھے۔ ہندو معاشرہ ذات پات کے بندھنوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس لیے ہندو نہ تو آپس میں متحد ہوتے تھے نہ مسلمانوں کی طرف خلوصی دل سے ہاتھ بڑھاتے تھے۔ اگرچہ مسلمان اور ہندو دونوں قومیں ایک خطہ ارض میں رہتی تھیں، لیکن مسلمانوں کی رواداری کے باوجود ہندوؤں کے معاشرتی اور مذہبی تعصبات پختہ ہوتے گئے۔ باہمی میل جوں اور یگانگت کا خاصاً فقدان رہا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی یہ الگ الگ حیثیت پورے اسلامی دور میں نمایاں رہی۔ اس صورتِ حال کو پاکستان کی مخصوص اصطلاح میں ”دوقوئی نظریہ“ کہا جاتا ہے۔

﴿سوالات﴾

- (۱) ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک ساتھ رہ کر ایک دوسرے سے کیا کچھ سیکھا؟
- (۲) ہندوؤں اور مسلمانوں کے آپس میں تعلقات کیسے رہے؟
- (۳) ہندو معاشرہ آپس میں متحد کیوں نہ ہوسکا؟
- (۴) مسلمانوں نے ہندوؤں پر کتنے عرصے تک حکومت کی؟
- (۵) دوقوئی نظریہ کیا ہے؟

﴿عبارت﴾ ۴

”دنیا کے ادب میں ڈراما ایک نہایت قدیم صنف ہے۔ اردو میں ڈرامے کی ابتداء ۱۸۵۳ء میں امانت کی ”اندر سجنا“ سے ہوتی ہے۔ لیکن جدید ڈرامے کا تصور بعد میں انگریزوں کی وساطت سے آیا۔ اردو ڈرامے کے پیش رو کی حیثیت سے ”رہس“ کا ذکر ضروری

ہے۔ اس دور میں ڈرامے پر شاعری، رقص و سرود اور موسیقی کا غالبہ تھا۔ انیسویں صدی کے آخر تک یہی سلسلہ رہا۔ بعد میں آغا حشر نے کچھ انگریزی ڈراموں کے ترجموں اور کچھ طبع زاد ڈراموں سے اس میں زندگی کا حقیقی خون دوڑانے کی کوشش کی۔ بیسویں صدی کے پہلے ربیع میں مقتضے مکالموں کا زور رہا۔ بلکہ عبدالحیم شتر نے انگریزی کے تبع میں نظم معاکی صورت میں چند ڈرامائی نمونے بھی پیش کیے۔ دوسرے ربیع کے ڈرامانگاروں کے ہاتھوں ڈرامازندگی اور عوام سے قریب تر ہوتا گیا۔ اس زمانے میں امتیاز علیٰ تاج نے اپنا معروف ڈراما ”ناولی“ لکھا۔ ان کے ہم عصر ڈرامانگاروں میں عبدالعلیٰ عابد اور میرزا دیوب بالخصوص قبل ذکر ہیں۔

﴿سوالات﴾

- (۱) اس عبارت کا عنوان تجویز کیجیے۔
- (۲) اردو ڈرامے کا ذکر کرتے وقت ”رہس“ کا ذکر کیوں ضروری ہے؟
- (۳) وہ کون سا دور تھا جس میں اردو ڈرامے پر شاعری اور رقص و سرود کا غالبہ تھا؟
- (۴) مقتضے مکالمے سے کیا مراد ہے؟
- (۵) طبع زاد ڈراما کیا ہوتا ہے؟



عبارت ۵

”قائدِ اعظم“ ہمیشہ سے ایمان دار، باہمتوں، نذر اور مستقل مزاج انسان تھے۔ ان کا دامن لاٹھ اور ہوس سے پاک تھا۔ وہ کسی نجی یا ساتھی و کیل سے بھی اپنی شان کے خلاف کوئی لفظ سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ نامساعد حالات میں گھبرا تھے نہیں تھے اور نہ کبھی دغا اور فریب سے کام لیتے تھے۔ ان کی سیاست صاف سترہ اور پاکیزہ تھی۔ وہ سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے توڑ پھوڑ اور خلاف قانون اقدامات کے تحت مخالف تھے۔ جس بات کو حق سمجھتے، اس کے بارے میں کسی سے سمجھوتا نہیں کرتے تھے اور نہ ہی مصلحت کوٹھی سے کام لیتے تھے۔ خوش پوچھی کا انھیں بے حد شوق اور سلیقہ تھا جو آخر تک قائم رہا۔ ہندوستان کے کتنے ہی وائسرائیوں نے ان کی خوش پوچھی کی تعریف کی۔ ان کی زندگی کے آخری چند سالوں میں ان کی شہرت با میزون پر پہنچ گئی تھی۔ پاکستان کا قیام ان کا عظیم کارنامہ ہے۔“

﴿سوالات﴾

- (۱) قائدِ اعظم کس قسم کے انسان تھے؟
- (۲) قائدِ اعظم کا سیاسی دور کس قسم کا تھا؟
- (۳) قائدِ اعظم کا عظیم کارنامہ کون سا ہے؟
- (۴) ہندوستان کے وائسرائیوں نے قائدِ اعظم کے کس وصف کی تعریف کی ہے؟
- (۵) اس عبارت کا عنوان لکھیے۔



”علماء اقبال کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ ایک باعمل شاعر تھے۔ انہوں نے شعر کے ذریعے سے اسلامی تعلیمات، حسن اخلاق، خودی، فقر، درویشی اور مغرب سے بیزاری کی تلقین کی اور اپنے عمل کے ذریعے اس کا ثبوت مہیا کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد میں اپنی یہتّت اور طاقت کے مطابق شرکت کی۔ گول میز کا نفرنس میں شرکت کے لیے یورپ کا سفر کیا۔ اسلامی کا نفرنس میں شرکت لیے فلسطین گئے۔ نیز اسلامی افکار اور فلسفہ کی اشاعت کے لیے ہندوستان کے مختلف علاقوں (دہلی، حیدر آباد (دکن)، مدراس اور بیکر وغیرہ کے دورے کیے۔ مسلمانوں کے اصرار پر پنجاب اسمبلی میں مسلمانوں کے حقوق کے حقوق کے لیے انتخاب میں حصہ لیا اور تین سال تک اسمبلی میں مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑی۔ حتیٰ کہ اسلام کے نفاذ کے لیے ایک الگ خطہ میں کے حصول کی راہ دکھائی۔ پوری دنیا کے مسلمانوں کو آزادی اور تعمیر نو کا ولہ تازہ عطا کیا۔“

﴿سوالات﴾

- (۱) اس عبارت کا کوئی موزوں عنوان تحریر کیجیے۔
- (۲) علماء اقبال نے شعر کے ذریعے سے ہمیں کیا تلقین کی ہے؟
- (۳) علماء اقبال نے اسلامی افکار کی اشاعت کے لیے کن علاقوں کا دورہ کیا؟
- (۴) علماء اقبال نے کتنے عرصے تک پنجاب اسمبلی میں مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑی؟
- (۵) علماء اقبال نے کن لوگوں کو آزادی اور تعمیر نو کا ولہ تازہ عطا کیا؟

